

منہج اسلام حضرت مولانا سیدنا حسن علی ہودوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطبات علی میاں

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن - کراچی

دارالوہدیت

اردو بازار ایم تالے جناح روڈ ۵ کراچی ۱

خطبائے علی میاں

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جلد ہشتم

یادِ رفتگان، سیرت و سنت، تاریخ اسلام

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں نیپالی

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن - کراچی

اڈو بازار ایم ایس جیل روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

Copyright Regd. No.

جملہ حقوق باقاعدہ معاہدے کے تحت محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : اکتوبر ۲۰۰۲ء علمی گرافکس پرنٹنگ پریس، کراچی۔
ضخامت : 368 صفحات

..... ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی	ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت العلوم 20 نا بھر روڈ لاہور	ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
تکثیر بکڈ پو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار اور اوپنڈی	مکتبہ امدادی فی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک انجینسری خیبر بازار پشاور	مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور
بیت الکتاب بالقائل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

..... نیپال میں ملنے کے پتے

مکتبہ الحرمین، مدرستہ الحرمین للنت پور (کاشمیر) نیپال
حاجی بک شاپ نیپالی جامع مسجد دور بار مارگ، کاشمیر
دارالعلوم ہدایت الاسلام، انرو بازار، سنمری، نیپال

فہرست عنوانات

۱۵	انتساب
۱۶	خطبات کی اہمیت
۱۷	عرض مرتب
۱۹	خلیج کی جنگ..... کیا کھویا کیا پایا
۲۰	اسلام سب سے عظیم نمایا دین
۲۳	ایک تاریخی المیہ
۲۸	امت اسلامیہ کو صحیح قیادت کی ضرورت
۳۵	یورپ امریکہ اور اسرائیل ایک اظہار حقیقت، انکشاف اور تنبیہ
۴۹	صدر ناصر کی مخالفت کیوں؟
۴۹	مجھے اس کا اقرار ہے
۴۹	نہ غلط فہمی نہ خام خیالی
۵۰	چو کفر از کعبہ برخیزد
۵۱	اخوت اسلامی کی حریف نبوت محمدی کی رقیب
۵۱	ایک بڑی دینی سعادت
۵۲	نامدہ بیت، مادیت اور کمیونزم کا نقیب اور داعی
۵۲	ہندوستان کے طبقہ علماء سے گلہ
۵۳	مصر کی اشتراکیت کوروں کی سند قبولیت
۵۴	مساجد اور مدارس دینیہ اشتراک کی سماج کی معمار

صفحہ	عنوان
۵۴	وہ آگے کہتے ہیں:
۵۴	ڈاکٹر احمد کمال، مصر کے سرکاری مذہبی رسالہ ”منبر الاسلام“ میں لکھتے ہیں
۵۵	کمیونزم کا عربی ایڈیشن
۵۵	اشتراکیت اور نامذہبیت کی ہمہ گیر کوشش کا نتیجہ
۵۵	اولاد ابراہیم کی آذری و بت تراشی
۵۶	عالم عربی سے میرے گہرے روابط
۵۷	عربوں کی کمزوریوں، خامیوں اور کوتاہیوں پر آزادانہ تنقید
۵۷	”نوامری عربی رہی“
۵۸	عرب دنیا ایک فیصلہ کن دور ہے پر
۵۹	علماء کی اکثریت سطحیت کی شکار
۵۹	اس طبقہ کی دوسری کمزوری
۶۰	اصل معیار اسلام سے وابستگی اور نا وابستگی
۶۰	”یہ تو آباء تھے تمہارے“
۶۱	صدر نا صرنا کام ترین لیڈر
۶۱	امید کی ایک کرن تھی مگر.....
۶۲	شرمناک ہزیمت
۶۳	اندوہناک بات
۶۳	بدترین خود پرستی اور بے دانشی
۶۴	احساب قوم کی زندگی کی علامت
۶۷	ترکی کی مجاہد ملت اسلامی
۶۷	ترکی کی تاریخی حیثیت

صفحہ	عنوان
۷۵	کامل ایمان مطلوب ہے
۷۶	اسندہ نسل کی فکر کیجئے
۷۸	مسلمانان ترکی کی اہم ذمہ داری
۸۱	المیہ فلسطین سے تین سبق
۸۱	حقیقی خیر خواہی
۸۱	حادثات سے عبرت پذیری
۸۲	مومن، انسانیت کا اعلیٰ معیار
۸۳	منافع کی نفسیات
۸۳	فطرت سلیم کی خلاف ورزی
۸۴	حالیہ واقعات کا روشن پہلو
۸۴	لا دینی اور ملحدانہ قیادتیں ناکام
۸۵	عرب قوم اور مسلمانوں کے دامن پر بدتمہادان
۸۶	عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت
۸۶	رسول اللہ کے حریفوں کا عبرت ناک انجام
۸۷	دوسرا سبق، خود غرض اور مفاد پرست رہنما
۸۹	ناقابل تلافی نقصان
۹۱	تیسرا سبق
۹۱	”شہشیر و شاں اول طاؤس و رباب آخر“
۹۲	تاریخ کا ایک ورق
۹۲	مغلوں کا زوال
۹۳	اپنی غلطی تلاش کیجئے

صفحہ	عنوان
۹۳	عرب نوجوان کا ماضی اور حال
۹۴	تفریحات اور لہو و لعب کی طبعی خصوصیات
۹۵	عالم عربی، اہل مغرب کی آماجگاہ کیوں؟
۹۵	عالم عربی کی اہمیت:
۹۶	محمد رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں:
۹۸	ایمان، عالم عربی کی طاقت ہے:
۹۹	شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت:
۱۰۰	طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ:
۱۰۱	تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری:
۱۰۲	انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی:
۱۰۹	عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے:
	جہاد افغانستان کا تاریخی پس منظر فتح و شکست کے اسباب
۱۱۱	اور قوت کا سرچشمہ
۱۲۱	مسلمان کی اصل طاقت و قیمت، ایمان و سیرت ہے
۱۲۱	مسلمان کے دو وجود
۱۲۳	ٹارچ کی قیمت اس کے سیلز سے ہے
۱۲۴	مسلمان پر بھی فطری و اخلاقی قانون نافذ ہے
۱۲۵	پاور ہاؤس سے کنکشن ضروری ہے
۱۲۵	ماہ الا تمیاز صفت
۱۲۶	مسلمانوں کی اصل طاقت

صفحہ	عنوان
۱۲۷	معنوی خودکشی
۱۲۸	ایمان و سیرت کی کرامت
۱۲۸	ہندوستان پر ہمارا حق اور اس کی ذمہ داری
۱۲۹	مسلمان کے امتیازات
۱۳۰	ملک کے حالات میں تبدیلی
۱۳۰	ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہے اور مسلمان اس کو بچا سکتے ہیں
۱۳۳	محسن عالم رحمۃ اللعالمین ﷺ
۱۶۱	سیرت نبوی ﷺ اور عصر حاضر میں اس کی معنویت و افادیت
۱۷۵	خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم
۱۷۵	سیدنا علی مرتضیٰؓ اور صحابہ کرامؓ
	صحابہ کرامؓ و تنجین کے بارے میں غیر مسلم فتناء
۱۷۸	اور مستند مغربی مورخین کی شہادتیں:
۱۸۰	جسٹس سید امیر علی کے بیانات:
۱۸۳	حضرت عثمان غنیؓ:
۱۸۵	حضرت علی مرتضیٰؓ:
۱۸۶	خلفاء کی زاہدانہ زندگی اور خاندان میں سے کسی کو جانشین نہ بنانا:
۱۸۷	حضرت ابو بکرؓ کا زہد و ایثار اور احتیاط:
۱۸۸	حضرت عمرؓ کا سرکاری دودھ اور سفر شام:
۱۸۹	دوسرے سفر شام ۸ھ کا حال بھی سن لیجئے:
۱۹۰	خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ سیدنا علی مرتضیٰؓ کا تعاون:
۱۹۱	سید حسین نصر ایرانی کی شہادت:

صفحہ	عنوان
۱۹۳	انسانیت کے محسن اعظم اور شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض
۲۱۱	حضرت محمد ﷺ کی کامل پیروی طبیعت پر شریعت، رسم و رواج اور خواہشات پر اسوہ نبوی اور تعلیمات نبوی ﷺ کی ترجیح اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی و ہلاکت
۲۱۹	انسانیت کے ساتھ وابستہ ہے
۲۲۹	ایک ہستی کو اٹنے کا حکم:
۲۳۰	اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی و ہلاکت
۲۳۳	صور زندگی
۲۳۳	بہشت سے پہلے دنیا کے حالات
۲۳۴	حضور ﷺ کی بہشت
۲۳۵	حضور ﷺ کا مت کو پیغام
۲۳۵	والہ اللہ کے پیغام کا مطلب
۲۳۶	کفار مکہ کی حضور ﷺ کو پیشکش
۲۳۷	دنیا میں، دی ضرورتوں کے علاوہ ایک دوسری روشن حقیقت بھی ہے
۲۳۹	توحید خالص اور اتباع سنت کی دعوت
۲۴۷	مسندہ صرف دین و لا دینیت کا ہے
۲۵۱	ایمان کی سلامتی
۲۵۷	رسالت محمدی کی عظمت

صفحہ	عنوان
۲۵۷	عصر جاہلی کا المیہ
۲۵۷	مہم صحیح کا فقدان
۲۵۸	قوی ارادہ خیر کی کمی:
۲۵۸	حق کی حامی و ناصر جماعت کا فقدان:
۲۵۸	ایک آفتاب تازہ کی ضرورت
۲۵۹	فسفہ اور شرک کی ایمان کو کمزور اور انسان کو گمراہ کرنے کے لئے سازش
۲۶۰	جاہلی ماحول میں تبدیلی نہی کی الٹی ہوئی عالمگیر دعوت ایمانی ہی سے ممکن ہے
۲۶۲	دائمی اصلاح و جدوجہد والی قوم کی ضرورت:
۲۶۳	بعثت محمدی کی انقلابی تاثیر:
۲۶۴	ایک نئی دنیا کا ظہور
۲۶۵	عصر جاہلی کی تصویر:
۲۶۶	نیاعامی رجحان
۲۶۷	امت محمدی محمد رسول اللہ ﷺ کا معجزہ عظیم ہے
۲۶۹	نبوت محمدی کا کارنامہ
۲۶۹	انسان کی اہمیت:
۲۷۰	انسان فطرت کے اسرار و عجیبات:
۲۷۱	انسان ہر پیمانے سے بلند ہے
۲۷۱	نبوت محمدیہ کا کارنامہ:
۲۷۲	واقعہ جو خیال و تصور سے زیادہ دلکش ہے:
۲۷۳	فرد صالح مختلف پہلوؤں اور زندگی کے میدانوں میں:
۲۷۳	بنیادیں، جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوا۔

صفحہ	عنوان
۲۷۴	آزمائشوں اور تجربہ کے وقت فرصت کی کامیابی
۲۷۵	حکم انوس کا زہد اور نیک سادگی
۲۷۶	نسائیت کا مثالی نمونہ
۲۷۸	پہلا مدنی معاشرہ
۲۷۹	رسالت محمدیہ کا اثر بعدی نسوں پر
۲۸۰	عائشہ اور ابدی درس گاہ محمدی کے بعض شاگرد
۲۸۵	وران کے اخلاق و زندگی کے چند نمونے
۲۸۵	س دانگی و مبارک مدرسہ کی ہر زمانے اور ہر قوم میں کارگزاری
	ہدایت کے امام اور انسائیت کے قائد خود سرخستہ رہنماؤں کا
۲۸۷	انسائیت کے ساتھ مذاق
۲۸۸	مذہبوں کے پاک نبیاء یہ سادہ منی نہ ورت
۲۸۸	امانت داری اور اخلاص
۲۹۱	امت کے لئے تحفظ و ضمانت
۲۹۱	محکمات انبیاء کی حقیقت
۲۹۳	انبیاء صحت کے عقد رہتے ہیں
۲۹۳	لطف و عنایت کے سحر اوار
۲۹۵	بعض عادات و اطوار کی فضیلت کا راز اور شعرا و ائمہ کی حقیقت
۲۹۶	انبیاء ایک خاص تہذیب و طرز حیات کے بانی
۲۹۷	ابراہیمی محمدی تہذیب
۲۹۷	اس تہذیب کی خصوصیات و امتیازات
۲۹۹	انبیاء کی اطاعت و تقلید پر قرآن کا زور

صفحہ	عنوان
۳۰۰	انبیاء کا احیاء اور ان سے محبت
۳۰۲	بند بہ محبت کی تاثیر اور صحت رسول امیں صحابہ کی فطائیت کا راز:
۳۰۴	عمر سعدی میں محبت کے فقدان کا نتیجہ و زندگی پر اس کا اثر
۳۰۴	نبی ﷺ کی اطاعت و محبت ہی میں قوم کی فلاح ہے
۳۰۵	علم اسلام اور ممالک عربیہ کے حوادث اور اسباب
۳۰۷	مثالی رہنما امت کی ضرورت
۳۰۷	منتخب و مامور امت:
۳۰۹	تمدن و معاشرہ کی سطح پر صالح انقلاب کی ضرورت!
۳۱۰	احساب کائنات!
۳۱۲	امت کی مسلسل ذمہ داری و نگرانی!
۳۱۵	ایک بامقصد اجتماع
۳۱۹	سرزمین ہند کے دو عظیم کردار
۳۲۰	دارالعلوم کی بنیاد اور اس کی علمی و فکری ترقی کا معیار کیا ہے
۳۲۰	وہ ہند میں سوجھیے ملت کا نگہبان
۳۲۲	یہ سب مجدد صاحب کافیت ہے:
۳۲۳	امتیازی خصوصیات:
۳۲۴	(۱) عقیدہ اسلام:
۳۲۴	شاہ ولی اللہ کی خصوصیات اور ان کے کارنامے
۳۲۷	نئے دور کے فتنوں کے مقابلہ میں ندوۃ العہد کا کارنامہ:
۳۲۸	عربی زبان کی تدریس ایک زندہ زبان کی حیثیت سے:
۳۲۹	اپنی استعداد کیسے مضبوط بنائیں:

صفحہ	عنوان
۳۳۰	آخری بات:
۳۳۱	اسلام کے مردان با وفا
۳۳۳	عورت اقبال کے کلام میں
۳۵۵	ایک مثالی شخصیت شیخ حسن البناؒ شہید
۳۶۳	وقت کی سب سے نایاب جنس مردان کا را اور مخلص عالمین

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب اپنے والدین دامت برکاتہما کی
جانب کرتا ہوں۔ یقیناً یہ میرے لئے انتہائی سعادت مندی
کا باعث ہے۔
جی ہاں! والدین کا وجود باسعود ہر اولاد کی ہر خوشی منتہائے
مقصود ہے!

محمد رمضان نیپالی

خطبات کی اہمیت

قال رسول الله ﷺ:

عليكم بمجالسة العلماء واستماع كلام الحكماء ، فان الله تعالى يحيى القلب الميت بنور الحكمة كما يحيى الارض الميتة بماء المطر۔ (الحديث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کر لو، اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ قلم مردہ کو نورِ حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منہیات ابن حجر عسقلانی

عرض مرتب

اللہ رب العالمین کا صد شکر ہے کہ بندہ خطبات علی میاں کی آٹھویں جلد بھی آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، یہ جہد انشاء اللہ تاریخ، سیرت و سنت اور یاد رفتگان سے متعلق تقاریر پر مشتمل ہوگی۔

اس سے پہلے کی تمام جلدوں میں آپ نے حضرت علی میاں کی تقاریر کو پڑھا ہوگا، یقیناً آپ اندازہ لگا چکے ہونگے کہ حضرت کس پایہ کے عالم دین تھے اور ان کی تقاریر میں ملت ہ کتنا درد چھپا ہوا تھا، اسی درد کو لے کر آپ دنیا کے گوشے گوشے میں گئے اور انسانیت کو صراطِ مستقیم کا راستہ دکھایا، آج حضرت علی میاں رحمہ اللہ اپنی قوم و ملت، اپنے چاہنے والوں اور اپنے قدردانوں سے جدا ہو گئے ہیں لیکن اپنے پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی خصوصیات، صفات کے روشن نقوش چھوڑ گئے ہیں، جن کو قائم رکھنا اور آگے بڑھانا ان کے قدردانوں کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہماری اجتماعی و انفرادی بھلائی مضمحل ہے۔

آخر میں اپنے ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے امتداد سے لیکر آخر تک میری بھرپور معاونت کی، اللہ تعالیٰ ان تمام دوست و احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں حمد و قارئین سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں اس نافرہ اور اس کے والدین اساتذہ اور تمام معاونین کو یاد رکھیں۔

اور آپ کی نظروں سے کوئی غلطی گزرے تو برائے شفقت اس ناکارہ کو مطلع کر دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت علی میاں رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

والسلام

محمد رمضان میاں نیپالی

خلیج کی جنگ..... کیا کھویا کیا پایا

وہ اہم مقالہ جو قاہرہ، مصر میں منعقد ہونے والی اس کانفرس کے لئے لکھا گیا جو شیخون اسلام کی مجلس اعلیٰ اور وزارت اوقاف حکومت مصر نے اپریل ۱۹۹۱ء سے ۲۶/۲۷/۲۸ مارچوں میں بلائی تھی اور جس میں خلیج کی جنگ اور اس سے پیدا شدہ حالات و نتائج کا حقیقت پسندانہ اور متعصفانہ جائزہ لیا گیا ہے اور مسلم قیادتوں اور ذمہ داروں کو دیا گیا ہے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا الله و نشهد ان محمدا عبده و رسوله الذي ارسله الله تعالى بالحق بشيرا و نذيرا و داعيا الى الله باذنه و سر اجاميرا O

چند سبق جن سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، چند خامیاں جن کا دور کرنا ضروری ہے۔

حضرات! ”خلیجی جنگ کے بعد امت اسلامیہ کا مستقبل“ کے موضوع پر منعقد ہونے والا یہ اجتماع بروقت بھی ہے اور بر محل بھی، بروقت اس لئے کہ یہ بے سبب اور لا حاصل جنگ ابھی ختم ہوئی ہے، اس کے اسرار کھل رہے ہیں اور نتائج سامنے آ رہے ہیں نہ تو اس کا کوئی جائز اور معقول سبب تھا نہ اس کے ممکنہ نتائج و عواقب کو سامنے رکھا گیا تھا اس کو ایک مجنونانہ جست حصول قیادت و عظمت کا جنون یا جنگی دماغی دورہ (Hysteria) ہی قرار دیا جاسکتا ہے، اور شخصی و انفرادی قیادتوں، سطوت و اقتدار کے جذبے، بڑے ہوئے شوق اور نخوت و غرور کے مظاہروں کی تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں، اس طرح کے قائدین کی فہرست پیش کر کے اور ان کے زمان و مکان کی تفصیلات بیان کر کے اس محترم و موثر مجلس پر چھائی ہوئی سنجیدگی اور شائستگی کو نہ مجروح کرنا چاہتا ہوں اور نہ معزز حاضرین کی کبیدگی خاطر کا سبب بننا چاہتا ہوں اور

جن میں عالم عربی و اسلامی کے قابل احترام علماء اور اصحاب فکر و نظر، سیاست و انتظامیہ کے ممتاز ترین افراد شامل ہیں بڑے افسوس اور معذرت کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کی شاندار اور طویل تاریخ بھی اس طرح کے مہم جو افراد سے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اس طرح کے سیاسی قمار بازوں سے خالی نہیں رہی۔ حالانکہ اسلام کے پاکیزہ پیغام، اس کی حکیمانہ تعلیمات اس کے عظیم مقصد اور بلند معیار کی روشنی میں بجا طور پر توقع کی جاسکتی تھی کہ اسلامی تاریخ اس طرح کی نامناسب مثالوں اور فاسد نمونوں سے خالی ہو، لیکن انسانی فطرت اپنا کام کرتی ہے، وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے، خاص طور سے ایسی صورت میں جہاں صحیح طاقتور اور مؤثر تربیت کا فقدان ہو، یا، جماعتی و دینی احتساب کا شعور و احسان نہ ہو، یا ”رب العالمین“ و ”ارحم الراحمین“ خالق کائنات پر ایمان رکھنے والا قلب و ضمیر موجود نہ ہو اور آخرت کا خوف نہ ہو، جہاں ہر انسان سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اور اس کا دائرہ اثر و نفوذ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو۔

اسلام سب سے عظیم نمایا دین

بہر حال اب جنگ کے بادل چھٹ گئے ہیں اور بیچانی و ہنگامہ خیز مرحلہ ختم ہو چکا ہے جس میں زیادہ دنوں تک باقی رہنے کی صلاحیت بھی نہیں تھی، نہ دینی اعتبار سے، نہ اصولی حیثیت سے اور نہ عقل اور حقیقت پسندی کی رو سے اور اب اگرچہ حالات اپنی راہ پر آگئے ہیں اور مقدار کو حق مل گیا ہے لیکن دعوت اسلامی اور تحریک ”پیام انسانیت“ کے ایک کارکن و حیثیت سے اب بھی ہندوستان جیسے حساس و رنارز و پیچیدہ حالت میں جہاں اشتہر فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں اور انسانی جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں، یہ کہتے ہوئے میرا دل رنج و غم سے بھرا ہوا ہے اور کلیجہ پھٹ جا رہا ہے کہ اس جنگ نے اسلام کی شہرت کو سخت نقصان پہنچایا ہے اسلام ہی سب سے عظیم و نمایاں دین ہے جو انسانیت کے احترام اور جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی دعوت دیتا ہے، ایسے معبود پر ایمان رکھتا ہے، جو ”رب العالمین“ ہے اور ایسے نبی کا پیرو اور امتی ہے جو ”رحمۃ للعالمین“ ہیں، ایسے دین کی شہرت و عظمت کو اس جنگ نے اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ تاریخ میں ایک مدت سے اس کی مثال نہیں ملتی تاریخ کے ایک طالب علم

اور مصنف کی حیثیت سے اور ہندوستان میں ”تحریک پیام انسانیت“ کے ایک داعی کی حیثیت سے یہ بات میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ رہا ہوں، پیام انسانیت کی تحریک کو اللہ کا شکر ہے، ہندوستان میں توقع سے زیادہ کامیابی ملی ہے، وہ غیر مسلم اکثریت کے تعلیم یافتہ اور صاحب فکر و دانش رہنماؤں کی تائید اور ان کا اعتراف کرنے میں کامیاب رہی ہے اس تحریک کے رہنماؤں نے غیر مسلم دانشوروں اور قائدین کے تعاون کے ساتھ جو اجماعات منعقد کئے ہیں وہ بہت کامیاب رہے ہیں اور ملک کے مختلف طبقات کے ممتاز ترین لوگ ان میں شریک ہوئے اور متاثر ہوئے ہیں اور یلین عراق کے ظالمانہ اقدام نے اس تحریک کی راہ میں مشکلات پیدا کر دیں، کویت پر عراق کا حملہ قزاقی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، اس میں دینی وحدت و اشتراک کا ذرا بھی خیال نہیں رکھا گیا، مال و دولت کے علاوہ بے شمار جانیں ضائع ہوئیں، عزتیں پامال کی گئیں، احسانات کی ناشکری ہوئی اور ذلت و بدکرداری کی آخری حدیں پار کر لی گئیں، جس سے برصغیر کے مسلمانوں کے سرشرم سے جھک گئے، پیشانی عرق آلود ہو گئی اور برادران وطن کو امن و آشتی کی دعوت کے لئے اب زبان کھولنی مشکل ہے، اگر ہمارے غیر مسلم برادران وطن خلیجی جنگ اور کویت جیسے اسلامی اور امن پسند ملک کے ساتھ عراق کے طرز عمل کی طرف اشارہ کریں یا مسلمان کردوں کے ساتھ عراقی حکام کے رویہ کا تذکرہ کریں، جنہوں نے کسی زمانہ میں سلطان سلاج الدین ایوبی جیسے بطل جلیل کو پیدا کیا اور وہ کہیں کہ جناب ہمیں احترام انسانیت کی دعوت دینے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی، اپنے ہم مذہب لوگوں کی خبریں، اور مسلمانوں کی ”مثالی قوم“ کو دیکھیں تو ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

محترم حضرات! جنگ کے بادل اگرچہ چھٹ چکے ہیں اور یہ منحوس مرحلہ اگرچہ ختم ہو چکا ہے، پھر بھی امت اسلامیہ کے حال و مستقبل کی فکر رکھنے والے مصلحین و مفکرین کو یہ جنگ اور اس کے دوران پیش آنے والے واقعات و حالات، چند حقائق کی طرف پوری قوت کے ساتھ متوجہ کر رہے ہیں، جو اس مدت میں واضح ہو کر سامنے آ گئے ہیں بلکہ ان احوال و کوائف نے ہر سنجیدہ و باشعور، اس امت کی فکر رکھنے والے اور تجربات سے فائدہ اٹھانے والے مسلمانوں کی انگلی، اس امت میں موجود کمزوریوں اور اس کی صفوں میں موجود شگافوں (Gaps) پر رکھ دی ہے، بلکہ اس جنگ نے اس سے بھی زیادہ خطرناک دور رس اور امت کے مستقبل پر اثر انداز

ہونے والی خامیوں کو آئینہ کر دیا ہے، جو نو جوانوں صحافت، دیگر ذرائع ابلاغ، اور بہت سی اسلامی تحریکات کے طرز فکر اور ان کے ذہن و شعور میں گھر کر گئی ہیں، ان کا۔۔۔ خاص طور سے اس مؤثر مجلس ہیں اخلاقی جرأت کے ساتھ جائزہ بینا، قوت و وضاحت کے ساتھ بیان کرنا اور مکمل غیر جانبداری کے ساتھ اپنا اور دینی بھائیوں کا محاسبہ کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ (النساء۔۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہتے والے اور اللہ کے لئے گواہی دیے والے بنے رہو چاہے وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو۔

لیکن ہم ان غیر خوش کن حقائق اور امت اسلامیہ کی (جس میں عرب مسلمان بھی شامل ہیں) موجودہ زندگی میں موجود قابل تشویش خلا پر گفتگو سے پہلے اس امر پر قدرے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ یہ کانفرنس جس طرح بروقت ہو رہی ہے اسی طرح صحیح اور مناسب ترین جگہ میں منعقد ہو رہی ہے، اللہ نے مصر کیسے یہ مقدر کر دیا ہے اور اس کو یہ شرف بخشا ہے کہ انتہائی نازک اور خطرناک گھڑی میں اور جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:-

اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۖ وَقِيلَ مِنْ رَاقٍ ۝

اور جب جان حلق میں جا لگے اور جھڑ پھونک کرنے والوں کی تلاش ہونے لگے۔

ایسے وقت میں اسلام کی عزت و شرف اور مقدسات اسلامیہ کی حفاظت کے لئے فیصلہ کن اور قائدانہ کردار ادا کرے، کم از کم تاریخ میں دوبار ضرور ایسا ہوا ہے جن کی طرف مختصر اشارہ کرنا ضروری ہے۔

پہلا موقع تو وہ ہے جب کہ یورپ کے صیبی عیسائی اپنے بادشاہوں، فوجی سرداروں اور پر جوش اور سو فروش سپاہیوں کے ساتھ اور بے نظیر عزم و ارادہ کے ساتھ عالم اسلام پر ٹوٹ پڑے، ان کے عزائم یہ تھے کہ جزیرہ عرب اور حرمین شریفین پر قبضہ کر لیں، وہاں سے اسلام کے آثار و نشانات مٹا دیں، اور ان مقدسات کی توہین کے مرتکب ہوں جن پر مسلمان اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک قربان کرنے پر تیار رہتے ہیں اس

حملہ اور اس کی وجہ سے عالم اسلام کو لاحق خطرات کے سلسلہ میں ہم ایک صاحب اختصاص مغربی مصنف اسٹینلی مین پون، (STANLEY LANEPOOLE) کی شہادت پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں، وہ اپنی مشہور کتاب ”صلاح الدین“ (SALADIN) میں لکھتا ہے۔۔

”صیغی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچر ٹھونکنے تھوڑی دیر کو یہی معدوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھپٹیاں اڑا دیں گے۔

اس موقع پر سلیم و قدیر کا رساز عالم کا یہ فیصلہ سامنے آیا کہ مسلمانوں کو قبلہ اول ”بیت المقدس“ نوے سال صلیبیوں کے قبضہ میں رہنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں رجب ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں اسلام اور مسلمانوں کو واپس ملے۔

صلاح الدین، الملک العادل نور الدین زنگی کے سپہ سالار اور ان کی طرف سے مصر کے حاکم تھے اس طرح اس عظیم کارنامہ اور شاندار فتح کے ساتھ مصر کا نام ہمیشہ کے لئے وابستہ ہو گیا اور یہ فضیلت صلاح الدین کی صورت میں مصری قیادت کے حصہ میں آئی ظاہر ہے کہ اس نے اللہ کی مدد کے ساتھ مصر کے بہادر مسلمان مجاہدین کے ذریعہ یہ کارنامہ انجام دیا، لیکن پول لکھتا ہے۔۔

”نور الدین سلطان شام کے سپہ سالار (صلاح الدین) کا رودیل پر قبضہ ہو جانا یہ معنی رکھتا تھا کہ یروشلم کی مسیحی سلطنت ایک چری ہوئی لکڑی کے بیچ میں آگئی تھی، وہ دونوں طرف سے دب رہی تھی، اور دونوں طرف جو چیز اسے بھینچ رہی تھی، وہ ایک ہی طاقت کے دو لشکر تھے، و میاط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر قابض ہو جانے سے مسلمانوں کا قبضہ ایک بحری بیڑے پر بھی ہو گیا اور انہوں نے مصر کے صلیبیوں کا تعلق یورپ سے منقطع کر دیا۔

سلطان صلاح الدین خود اس کا اعتراف کرتے تھے کہ اس کارنامہ میں مصر کا اہم حصہ ہے، ایک مرتبہ انہوں نے کہا:-

”جب خدا نے مجھے مصر دیا تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی اللہ کو مجھے دینا منظور ہے۔

ایک تاریخی المیہ

دوسرا موقع ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاریخی یورش کا ہے، یہ یورش عالم اسلام

کے سنے ایک بلائے عظیم تھی جس سے دنیائے اسلام کی چولیس ہل گئیں، مسلمان مہبوت و ششدر تھے، ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر اس اور یاس کا عالم طاری تھا، تاتاریوں کو ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا، ان کا مقابلہ ناممکن اور ان کی شکست ناقابل قیاس سمجھی جاتی تھی، یہاں تک کہ ضرب المثل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا۔ ”اذا قیل لک ان التو اہنز مو افلا تصدق“ (اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کو شکست ہوئی ہے تو یقین نہ کرنا۔)

میرے بھائیوں، دوستوں اس نازک موقع پر جو صیبی حملوں سے بھی زیادہ خطرناک تھے، مسلمان بادشاہ، حکومتیں، اور قیادتیں تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سامنے نہیں آئیں، انہوں نے تاتاریوں غلبہ و استیلاء کو تقدیر کا فیصلہ اور عذاب الہی سمجھ رکھا تھا اس موقع پر ایک بار پھر مصر سامنے آیا اور تاتاریوں کے مقابلہ اور شکست دینے میں سبقت حاصل کی مصر کے حاکم الملک المعظم سیف الدین قطز اور اس کی بہادر مصری مسلمان فوجوں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ تاتاریوں کے شکست نہ ہانے کا مقولہ غلط ثابت کر دیں مورخین کہتے ہیں۔

”شام کے قبضہ کے بعد تاتاریوں کا رخ قدرتی طور پر مصر کی طرف تھا۔ اور وہی تھا اسدای ملک تھا جو ان کی غارتگری سے بچا ہوا تھا، سلطان مصر امب المعظم سیف الدین قطز کو معلوم تھا کہ اب مصر کی باری ہے اور تاتاریوں کی چڑھائی کے بعد ملک کی حفاظت مشکل ہے، اس لئے مناسب سمجھا کہ وہ مصر میں مدافعت کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر شام میں تاتاریوں پر خود حملہ کرے چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو عین جاوت کے مقام پر تاتاریوں اور مصر کی اسدای فوج میں مقابلہ ہوا اور سابق تجربوں کے بالکل خلاف تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی وہ بری طرح بھاگے، مصریوں نے ان کا تعاقب کیا اور بڑی تعداد میں گرفتار کیا۔

علامہ سیوطی ”تاریخ الخلفاء“ میں لکھتے ہیں:-

”تاتاریوں کو شرمناک ہزیمت ہوئی اور خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں نے ان پر فتح پائی، تاتاریوں کا قتل عام ہوا اور وہ اس طرح سرا سیمہ ہو کر بھاگے کہ لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئیں، وہ آسانی سے ان کو پکڑ لیتے تھے، اور لوٹتے تھے

عین جاوت کے معرکہ کے بعد سلطان الملک الظاہر بیہر اس نے متعدد بار تاتاریوں کو شکست

دی اور سارے ملک شام سے ان کو بے دخل کر دیا اور اس طرح وہ کہاوت غلط ثابت ہوئی کہ
تاریخوں کی شکست ممکن نہیں۔

ان دو غیر معمولی مثالوں کی روشنی میں مصر کو اسلامی تاریخ میں اپنے کارناموں اور خدمات پر
فخر کا حق حاصل ہے اس کو اللہ کی تائید و نصرت اور مقدس و نازک فریضہ کے لئے انتخاب پر بارگاہ
ابھی میں شکر گزار ہونا چاہئے، اسلام اور مقدسات اسلامیہ کے تحفظ میں مصر کی شاندار اور قابل
فخر تاریخ کا تقاضا ہے کہ اس دور میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے سامنے آئے، قائدانہ
کردار ادا کرے۔ اور اپنے ترکش کے تیروں۔ مثبت اور تعمیری تیروں کو سامنے لائے مصر کو قدیم
زمانہ سے ”کننتہ الاسلام“ اسلام کا ترکش کہا گیا ہے، اور اسلام کے ترکش کے تیر نہ کبھی ختم
ہوتے ہیں نہ نشانہ خط کرتے ہیں، آج کے نازک دور میں ”کننتہ الاسلام“ سے جو تیر مطلوب
ہے، اور اس ملک سے جس کردار و عمل کا انتظار ہے وہ ہے نئے حقائق کا شعور و ادراک اور ان کا
اعتراف و اظہار، کویت پر عراق کے ظالمانہ حملہ، صدام حسین کے غیر عادلانہ اور مغرورانہ طرزِ عمل
اور عرب اور دیگر مسلمان اقوام کے ردِ عمل کے نتیجہ میں بہت سے نئے حقائق سامنے آئے ہیں،
امت اسلامیہ، اسلامی تنظیموں اور مسلم صحیفت کے ذہن اور طرزِ فکر میں بہت سی خامیوں اور
دراڑوں سے پردہ ہٹ گیا ہے۔

محترم حضرات! یہاں میں عام مسلمانوں کے طرزِ فکر، ملک کی صحیفت و ذرائع ابلاغ یا
زیادہ وسیع اور واضح الفاظ میں ان کی زندگی میں موجود خامیوں اور ان کے علاج، امت کی صفوں
میں پڑنے والی دراڑ اور ان کے پر کرنے اور قرآن و حدیث اور تاریخ انسانی کی شہادتوں کی
روشنی میں امت کے مستقبل پر مرتب ہونے والے خراب و خطرناک نتائج و عواقب سے محفوظ
رکھنے کے اصولوں کی طرف امت کا ذہن بنانے والے تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں صحافیوں
دعوتِ اسلامی اور ”صحوۃ اسلامیہ“ کی خدمت انجام دینے والوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا
ہوں۔

۱۔ عام مسلمانوں، خاص طور سے نوجوانوں کی ایک اہم کمزوری جو اس جنگ کے دوران
بہت نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے وہ ہے پر جوش نعروں، بلند بانگ دعوؤں اور سحر انگیز وعدوں
سے فریب کھانے کا مزاج یا مستقل صلاحیت ہے، اس سلسلہ میں عام مسلمان نہ تو نعرہ لگانے

والوں کے افکار و عقائد دیکھتے ہیں، نہ ان کے ماضی کا جائزہ لیتے ہیں، نہ ان سے سیاسی و فکری تحریکات اور ان کے فکر و فلسفہ اور مقاصد و اعمال کو دیکھتے ہیں جن سے یہ نعرہ لگانے والے پوری طرح مربوط و ہم آہنگ ہوتے ہیں خاص طور سے اگر یہ نعرے اور ڈینگیں کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرتی ہوں اور ڈینگیں مارنے والے جرأت و حوصلہ مندی کا مظاہرہ کریں تو عام مسمان اور خاص طور سے نوجوان شہید تاثر، جذباتی اہل اور ایک طرح کے دماغی دورہ (HYSTERIA) کا شکار ہو جاتے ہیں جس کو کسی طرح قابو میں نہیں لایا جاسکتا ایسی صورت میں نہ دینی احکام و مصالح کا پاس و لحاظ ہوتا ہے، نہ علمی تنقید و تحلیل اور نہ حالات و حقائق کا اور نہ حالات و حقائق کا دیدار نہ اور غیر جانبدارانہ تجزیہ ہی کچھ مفید ثابت ہوتا ہے، بلکہ کھولتی ہوئی ہانڈی کی طرح جذبات میں اہل آجاتا ہے جو اکثر دین، عقائد اور شعائر اسلام سے اعراض بلکہ ان کی اہانت تک پہنچا دیتا ہے اور دین کے نمائندہ علماء اور اصحاب اختصاص تو سب سے پہلے زد میں آتے ہیں، اس طرح کے جذبات کی رو میں بے سوچے سمجھے بہہ جانے والوں کی بلیغ ترین صفت سیدنا علی بن ابی طالبؑ نے ایک جملہ میں بیان فرمائی ہے، جن کو اس صورت حال کا بار بار سامنا کرنا پڑا تھا اور جنہیں دوسرے ائمہ اسلام کے مقابلہ میں اس طرح کے حالات سے زیادہ سابقہ پڑا تھا، آپؑ نے اہل عراق کے بارے میں فرمایا تھا۔ ”اتباع کل ناعق“ (ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے بھاگنے والے ہیں۔)

لہذا امت کے مختلف طبقوں میں یہاں تک کہ دیندار اور تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی ضرورت اس بات کی ہے صحیح دینی، سماجی اور سیاسی شعور پیدا کیا جائے، نیک و بد کو سمجھنے کی صلاحیت کو تقویت پہنچائی جائے، نئے مسائل پر غور کرنے، ان کی گہرائیوں تک اترنے اور ان کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ لگانے کی قوت میں جلا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور ان کو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلایا جائے کہ عقائد و افکار کے اصل اور صحیح مخذ کون سے ہیں اور قوت و نشاط کے حقیقی چشمے کہاں ہیں۔

مسلم عوام کو اس بات کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کو سمجھیں، زمانہ کے مشکلات و مسائل اس میں جاری و ساری رجحانات، تحریکوں، اسلام کے بارے میں ان کے رویہ زندگی پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات، دین کے مستقبل کے لئے ان سے لاحق

خطرات اور نئی مسلم نسل کے ذہن پر پڑنے والے سایوں کو ذہن میں رکھنا سیکھیں، ان قیادتوں کے مطمع نظر اور ان کے اغراض و مقاصد سے ناواقف نہ رہیں، جو ملکوں پر اور سماج پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں جو سماج کو اپنے عقائد اپنے افکار و نظریات اور اپنے آدرشوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، جو زندگی کو نئی راہ اور نیا رخ دینا چاہتے ہیں، ان طاقتوں، رجحانات، افکار اور قیادتوں کو نظر انداز کرنا اور دینی جماعتوں کا اپنے خول میں بند رہنا خود ان تحریکوں کے لئے خطرہ بن سکتا ہے، ان تحریکوں کی دینی دعوت ان کی سرگرمیاں اور فرائض و واجبات، طہارت و عفت کی زندگی اور نوافل کے اہتمام تک محدود رہیں تو خطرہ اس بات کا ہے کہ کچھ مدت گزرنے کے بعد دین پر عمل اور شرعی احکام کے نفاذ کی آزادی سب کر لی جائے اور حالات ان کے لئے اس قدر دشوار ہو جائیں جس کی تصویر کشی قرآن نے اپنے بلیغ اور معجزانہ اسلوب میں کی ہے کہ:-

ضاقَت علیہم الارض بما رحبت و ضاقت علیہم انفسہم

زمین ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو گئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آ گئے۔

جذبائی نعروں، دعوؤں، وعدوں اور کھوکھلی شجاعت کے مظاہروں سے فریب کھانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا زبردست خطرہ ہے (خاص طور پر اس امت کے لئے اپنے عقیدہ پر اور اپنے پیغام پر قائم رہنے کے لئے اور نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ کی انجام دہی کے لئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آسمانی شریعت اور اس آخری دین پر قائم رہنے کیلئے اس طرح مسلمانوں کا یہ رویہ قرن اول سے لے کر اس وقت تک کے ان کے مصلحین و مجددین، مجاہدین اور دعوت اسلامی کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والے شہداء کی تمام کوششوں پر پانی پھیر سکتا ہے، اس سے خطرہ اس بات کا پیدا ہو گیا ہے کہ اس امت میں اور قدیم ترین اسلامی ممالک میں بھی مغربی عیسائیوں کا یہ تصور کارفرما نظر آنے لگے کہ ”دین ایک ذاتی معاملہ ہے، جو اللہ اور بندہ کے درمیان محدود ہے، قانون سازی، سیاست اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں اس کا عمل دخل نہیں۔“

امت اسلامیہ کو صحیح قیادت کی ضرورت

اس امت میں عرصہ سے ایسی طاقتور اور جرات مند قیادت کا فقدان ہے جس کے اندر جہاد کی روح کا فرما ہو، جسے اپنے عقیدہ پر فخر ہو، دنیا کی رہنمائی کے منصب اور اس کی ذمہ داریوں کا شعور ہو اور بڑی حد تک مغربی یا مشرقی بڑی طاقتوں کے سہارے سے بے نیاز ہو، یہ بڑی طاقتیں ہی اسلامی کوششوں اور وسیع تر حلقہ و اثر رکھنے والی اسلامی تحریکوں کو کامیاب بنانے اور اسلامی ممالک کو ایسی عظیم، موثر اور قومی شخصیتوں سے جن پر اپنی فکر غالب ہو، جو اپنے ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ چاہتی ہوں، جو اسلامی عظمت اور مسلمانوں کی قوت و شہادت کے عزائم رکھتی ہوں، محروم کرنے کی ہر طرح کی سازشیں کرتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورا عالم اسلام ماضی قریب میں بہترین رہنماؤں سے محروم ہوتا رہا۔

پھر بھی یہ نظر رہے کہ قوت و شہادت اور کبھی کبھی خطر پسندی سے متاثر و مرعوب ہونے فطری بات ہے جن صفات سے انسان خود محروم ہوتا ہے، ان سے متاثر ہوتا ہے اور اسلام کی تاریخ شجاعت و شہامت اور بڑے سے بڑے خطرہ و خطر میں نہ لانے کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اس دور کے باضمیر اور غیر متمذ مسلمان کمزور حکومتوں اور آمرانہ طلب قیادتوں سے تنگ آ گئے ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر مسلمان اور خاص طور سے نوجوان بڑی طاقتوں کی سرگرمیوں اور ان کی سازشوں سے واقف ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی قیادت کو سامنے لانے پر توجہ دی جائے جو طاقتور ہو، جرات مند ہو، صاحب ایمان اور ہوش مند ہو، اللہ نے ان کے ملک کو جو طاقت و ثروت عطا فرمائی ہے، ان پر اعتماد رکھے، ان میں اضافہ کی کوشش کرے، ٹیکنالوجی صنعتوں اور فوجی قوت پر توجہ دے ممکن حد تک غیروں سے بے نیاز ہو، ایمانی قوت، قوم و ملت کے اخلاص اور ایمان و عقیدت کے دفاع کے لئے قربانی کے جذبہ پر اعتماد کرتے ہوئے اسلامی مصالح اور صحیح و منصف قیادت کے خلاف کسی بھی سازش کے مقابلہ میں یا اسلامی مسائل و ممالک میں کسی بھی داخل اندازی کے سامنے جم کر کھڑی ہو جائے۔

۳۔ اسلامی ممالک میں مثبت اقوال اور متحرک اور طاقتور دینی تحریک کے قیام و استحکام پر توجہ

دینا بھی ضروری ہے اور اگر کوئی ایسی تحریک موجود ہو تو اس سے خطرہ محسوس کرنے اور اس کو ختم کرنے اور کرنے کی کوشش کے بجائے اس کی قدر اور ہمت افزائی کرنی چاہئے، اسلامی معاشرہ کی تشکیل و تکمیل اور اس کے استحکام و بقا کے لئے ایک ایسی اسلامی دعوتی تحریک بڑی مفید ثابت ہو سکتی ہے جو مردانگی، جرأت و ہمت، بلند ہمتی اور پیش بینی کی صفات سے متصف ہو، جو ایسی طاقتوں اور قیادتوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت و صلاحیت رکھتی ہو، جنہوں نے بد کسی استحقاق و جواز کے نوع انسانی کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور جو اسلامی ممالک و اقوام کی قسمتوں کی مالک بن بیٹھی ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوم مسلم اپنی بیماریوں اور کمزوریوں کے باوجود جنت میں بعض کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا۔ مشرقی و مغربی تمام اقوام کے مقابلہ میں بعض صفات کے اندر بہت ممتاز ہے۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

یہ صفات ہیں اللہ اور آخرت پر ایمان، زندگی کی حقیقی کاشف و جہد فی سبیل اللہ کے لئے زندگی کی لذتوں اور آسائشوں کی قربانی، شہادت کا شوق، جنت اور رضائے الٰہی کی امید، اللہ کے وعدہ کئے ہوئے اجر و ثواب کا یقین اور اس کے سنے جان و ماں سب کچھ لٹا دینے کا تڑپ، بے مثال صد ہمتوں کی یہ چنگاریاں منتظر ہیں کسی طاقتور شخص داعی کی، جو ان کے اسلامی جوش کو ابھار دے، اشارہ ایمان و شہادہ جو الہ بنائے اور ابھی ماضی قریب تک بعض شخص اللہ و اولوں نے یہ کار نمایاں بردھایا ہے، قرآن کریم نے بھی مسلمانوں کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو انہیں دیرمدی قوم و مل کے سورماؤں اور بہادروں سے بن کا رابطہ آسمانی پیغام اور ایمانی سرچشموں سے منقطع ہو گیا ہے کے مقابلہ میں ممتاز کرتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

و لا تھوا فی ابتغاء القوم ؕ ان تکونوا تالمون فایہم یالمون کماتالعمون

و ترجون من اللہ مال یرجون

اور مخالف قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو اگر تمہیں (دوسری) دکھ پہنچتا ہے تو ان کو بھی دکھ

یہو نچتا ہے (لیکن) تم اللہ سے (اجر و ثواب کی) وہ امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔
 یہ ایسی دولت ہے جس کی کوئی مثال نہیں، ایسی طاقت ہے جس کا کوئی جواب نہیں اور
 مسلمان ملکوں اور قوموں پر زیادتی ہوگی بلکہ ان ملکوں اور قوموں میں قائم حکومتوں اور قیادتوں
 کے حق میں بھی یہ زیادتی ہوگی کہ وہ اس سے گھبرائیں اور اپنی قیادت و حکومت کے لئے ان سے
 خطرہ محسوس کریں، ان کو اپنا حریف سمجھیں اور بات یہاں تک پہنچ جائے کہ ان کو ختم کرنے اور
 ان کے اثر و نفوذ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ساری طاقتیں اور سارے وسائل جن میں
 صحت، دیگر ذرائع ابلاغ اور نظام تعلیم و تربیت وغیرہ بھی شامل ہیں، وقف کر دی جائیں، یہ
 ایک بے محل جدوجہد ہے اور قوم و ملک کے ان عزیز ترین فرزندوں کے خلاف جنگ کی ایک
 شکل ہے، جو نازک گھڑی میں ان کے کام آسکیں۔

ان مسلمان اقوام کا ایک نمایاں اور معروف وصف اللہ اور اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص بھی
 ہے، شرط یہ ہے کہ اس کے اظہار کا صحیح موقع و محل فراہم ہو، کوئی اللہ کے نام پر اور اسلام کے نام
 پر آواز لگاتا ہے تو مسلمان اس کی طرف ایسے جوش اور جذبہ کے ساتھ لپکتے ہیں جس کی اس
 زمانہ میں نظیر نہیں ملتی۔ مسلمان حکومتوں اور قیادتوں کی کمزوری ہے کہ وہ حقائق کو نظر انداز کر تی
 ہیں اور اس قیمتی سرمایہ اور زبردست طاقت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کو دوبانے اور
 ہٹانے کے لئے ساری طاقت، ذہانت و وسائل صرف کرتی ہیں۔

اسلام ہی عرب قومیت کی اساس و بنیاد ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی روح ہیں،
 اس کے قائد اور امام ہیں اور ایمان کی طاقت ہی عربوں کی اصل طاقت ہے، عربوں نے جب
 اس طاقت سے فائدہ اٹھایا تو پوری دنیا پر چھا گئے، آج بھی اس کے اندر وہی قوت و صلاحیت
 موجود ہے عرب اقوام آج بھی اس کی مدد سے اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتی ہیں اور اپنا تحفظ
 کر سکتی ہیں۔ اسلام اور ایمانی قوت کے بغیر عربوں کا نہ کوئی امتیاز ہے نہ وقار و اعتبار، نہ کوئی
 تشخص اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا

محمد عربی سے ہے عالم عربی

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عربوں کو دنیا کے سامنے ایک حقیقت اور ایک ممتاز و شخص قوم

کی حیثیت سے پیش کیا، یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور قومیت اور وطنیت کے مقابلہ میں اس حقیقت کو تسلیم کرنا، اس کو اپنانا اور اس کا پر جوش داعی بننا چاہئے۔ عالم عربی کو پورے عالم اسلامی سے مربوط کرنے کا یہی سب سے مضبوط و مستحکم ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے پوری دنیا کا مسلمان عالم عرب سے محبت و ہمدردی رکھتا ہے، اس کی مدافعت اور اس کے لئے قربانیوں کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے یہ سب سے بڑی حقیقت ہے جو عالم عربی کو مغربی اور غیر اسلامی قوموں کی نظر میں بھی ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

ممکن حد تک ناز و نعمت اور عیش و عشرت کی زندگی سے دور رہنا چاہئے، ترقی و تمدن کے مظاہر میں مبالغہ، بے ضرورت کے اخراجات، لذت و شہوت اور شان و شوکت کے اظہار کے لئے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کوئی پسندیدہ بات نہیں، ایسے اعمال و اخلاق سے پرہیز لازم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہ ہو اور تائید و نصرت الہی سے مانع بن سکتے ہوں۔

چھٹی صدی عیسوی کا رومی اور ایرانی تمدن جو زینت، دولت و ثروت اور پر تکلف زندگی کی آخری حدوں تک پہنچ رہا تھا اس کے مقابلہ میں قدیم عرب مسلمانوں نے اپنے اسلامی اخلاق، سادگی فضول خرچی سے اجتناب، محبت و مشقت کی زندگی اور شہسواری کی خصوصیات کو باقی رکھا تھا آج بھی اس زندگی کو اپنانے کی ضرورت ہے اور اگر تمدن کو اختیار کرنا کبھی حد تک ضروری ہو تو اسے ان تعلیمات کے سانچہ میں ڈھال دینا ان اخلاق و آداب کے رنگ میں رنگ دینا اور ان مقاصد اور نشانوں کے تابع بنادینا چاہئے۔ جن سے اسلام کے ذریعہ اللہ نے اس امت کو نوازا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم بھی عیش و عشرت، آسائش حیات کی کثرت اور ناز و نعمت میں ڈوب گئی، اس میں جاہلیت کی عادتیں پھیل گئیں اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئیں، وہ دوسروں کے ظالمانہ حملوں کا نشانہ بن گئیں۔

سنة الله في الذين خلوا من قبله وكان امر الله قلوا مقدورا

یہی اللہ کا معمول رہا ہے ان لوگوں کے بارے میں جو پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔

حضرات! ساتویں صدی ہجری میں اسلامی معاشرہ میں عام طور سے یہی اخلاقی خرابیاں پیدا

ہو گئی تھیں جب تاتاریوں کا سید ب عام اسلام پر امنڈ پڑا، جس نے نسلی اور دینی قتل عام کی شکل اختیار کر لی، تاتاری حملہ سے پہلے بغداد کے مسلم معاشرہ کے حالات کا اندازہ لگانے کے لئے ہم یہاں؟ صرف ایک بڑے مؤرخ کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں، اس زمانہ میں دوسرے مسم ممالک اور شہروں کے حالات اس سے زیادہ مختلف نہیں تھے، مفتی قطب الدین نہروالی اپنی کتاب ”الاعلام بآلام بیت اللہ الحرام“ میں لکھتے ہیں۔

مرفہون بلبس المہاد، ساکنون علی شط بغداد فی ظل نخین و ماء معین،
وفاکھة و شراب و اجتماع احباب و اصحاب، ما کابلو احربا ولا دافعوا
طعنا ولا صربا۔

عیش و عشرت کے مڑے لوٹ رہے تھے، بغداد میں (دجہ کے) ساحل پر آباد تھے، جہاں
گھن سایہ تھا، بافراط میٹھا پانی تھا میوے اور مشروبات کی کثرت تھی، دوست احباب کی
مجھسیں تھیں، جنگ کی مصیبتوں سے سابقہ نہیں تھا، نہ نیزے اور تلواریں اٹھانے کی توت
آتی تھی۔

مسلمانوں کی طویل تاریخ کے اندر بہت سے مسم معاشرہ مسلمانوں قوموں اور وسیع اور
ترقی یافتہ حکومتوں میں خوش عیشی اور فارغ البالی کی یہی کہانی دہرائی گئی اور اس کا نتیجہ وہی نکلا ہے
جو بغداد میں ظاہر ہوا شدت و وسعت میں اگر کچھ فرق رہا ہو تو ان معاشرہ کے قد و قامت یا
ان حکومتوں کی قوت و حیثیت اس کا سبب بنی ہے۔

اس مرحلہ پر اس امر کی ضرورت واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ عرب اور اسلامی حکومتوں اور
قوموں کی اپنی ایک موثر اور فعال تنظیم ہونی چاہئے جو اسلامی ممالک اور ان میں عرب
ممالک سرفہرست ہیں کی بین الاقوامی سیاسی دفاعی ضرورتوں کی دیکھ رکھ میں اقوام
امتحدہ (UNITED NATIONS) کی جگہ لے سکے، آزادی اور عزت و وقار کے تحفظ میں ان
کی ہمت افزائی کرے، اگر کوئی بڑا ملک کسی چھوٹے ملک پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کا
فریضہ انجام دے، اس طرح کے معاملات میں اقوام متحدہ یا کسی بڑی طاقت کی جگہ اس کی
طرف رجوع کیا جاسکے اور اس سے مدد لی جاسکے، ایسی کسی تنظیم کو اتنا احترام اور وقار اور اتنی
حاکمیت حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اسکی بھی اسلامی ملک پر جارحیت کا مناسب جواب دے سکے۔

اور انہیں پسند استبدادی قیادتیں اور دنیا کی بڑی طاقتیں اسے نظر انداز کر سکیں۔

اس طرح کی کسی تنظیم کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہونی چاہیے کہ وہ حجِ زمقدس اور حرمین شریفین کی حاصل طور پر اور پورے جزیرۂ عرب کے تحفظ و دفاع کی عام طور پر ذمہ داری سنبھالے کیونکہ یہی اسلام کا اصل مرکز اور دعوتِ اسلامی کا اصل سرما ہے مسلمان کی زمانہ میں بکھرے ہوئے اور کسی جگہ بھی ہوں، ان کا حلقہ شرفِ حجِ زمقدس کی عزت و عظمت کے ساتھ وابستہ رہنا۔

حجّل اللہ الکعبة المست الحرام قسم للباس و السہر الحرام (۱۹۷۷ء)

اللہ نے حج کے مقدس مقامات کو ہر قسم کے مادی رشتہ ایات پر حرمت و اعلیٰ ہدیہ سے۔ یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ نظامِ عام و حقیقتِ بیتِ اللہ حرام کے ساتھ وابستہ ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ عقدِ بدو و عمال و اخلاق کا نتیجہ مسلمانوں کی وابستہ ہے جس کے لئے اس گھر کی تعمیر ہوئی ہے، مسلمان دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہوں، ان کے لئے مرکزِ اسلام۔ جہاں اللہ کی آخری وحی نازل ہوئی اور جہاں نوعِ انسانی کے لئے نئی صیقلی صیقلی طور پر ہوئی۔ اس بارے میں انتہائی حساس اور غیہ مند ہونا اسلامی فریضہ ہے اور جیسا کہ یہ مذاقوں سے ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تاجخاک کا شہر

اخیر میں اسلامی ممالک کے ممداروں اور براہوں کی خدمت میں بھی ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں:-

محترم حضرات! قرآن، سنت، دعوتوں اور دنیا کی تبدیلیوں اور انقلابات کی تاریخ کی روشنی میں سب سے بہتر اور مفید چیز ہے اللہ کے ساتھ صدق و اخلاق، اس کی طرف رجوع و وابستہ، ساتھ ہی فرد و رسالت کی زندگی میں یہ ممکن اصدان، مانع سے منہرت، اللہ کی تائید و نصرت سے محروم رہنے والے اخلاقِ اعمال کا ازالہ اور کامیابی، سیاسی و انتظامی اور فکری زندگی سے سستی و کاہلی اور تقاضات سے اجتناب، قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں، سیرتِ مبارکہ، خلفائے راشدین اور صالح بادشاہوں کی زندگی میں اس کے بے شمار نمونے موجود ہیں ان کی تفصیل اور

واقعات و احوال کے تذکرہ قیمن کی یہاں ضرورت نہیں، خلاصہ یہ کہ اثابت الی اللہ اور احد بن امت و ازالہ منکرات کی جدوجہد میں اللہ کی رحمت و متوجہ کرنے مصیبتوں اور دشواریوں کے وقت قوموں اور معاشروں کو برے نتائج سے محفوظ رکھنے کی موثر ترین قوت ہے اور عام فرائض و اسباب فوجی طاقت یا بڑی طاقتوں کی تائید و حمایت یہ ساری چیزیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

وما علیا الا اللع المسین

والسلام علیکم

یورپ امریکہ اور اسرائیل

ایک اظہار حقیقت، انکشاف اور تنبیہ

نازل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہمہ گیر و ہمہ گیر تہذیبی سے ہو کر یہ سلف
 و رعدہ تہذیبہ اعلیٰ عالم میں معہدہ عدلی کے طلبہ کے سامنے فہانی کی گئی تھی۔ اس خطبہ سے
 آگاہ کیا گیا ہے اور یہ صاحب علم و فکر بندہ مومن کو خصوصاً علماء، مدرّس اور طلباء مدرّس کو اس سے واقف ہونا

—۱۰۰—

الحمد لله و سلام علی عبادہ الدین اصطفیٰ اما بعد!

عزیز و ور بھیو! یہ معلوم کر کے کہ یہاں ’معہدہ اندعوۃ‘ کے نام سے دعوت دینی و دعوت
 نصرت دین اور اعتزاز باندین کے لئے ایک شعبہ قائم کیا جا رہا ہے اس کے مستفیدین خود بھی
 مطمئن ہوں ان کو پورا اپنی اعتماد حاصل ہو، دوسروں کو بھی مطمئن کر سکیں جو اس وقت کا خطرہ
 اور اس وقت کا چیلنج ہے اس کو سمجھیں اور اس وقت کی جو سازش ہے اور جس کا مرکز مغرب ہے
 اس کو سمجھیں، خصوصی الفاظ میں امریکہ اور اسرائیل دونوں اس نتیجہ پر متحد ہو گئے ہیں کہ ان کے
 نئے سیاست دان کے نئے مفکران کے عوامی استیلاء کے امکان کو کوئی چیز چیلنج نہیں کرتی
 سوائے مسلمانوں کے متحد و موثر وجود کے اس وقت اس شعبہ کا قائم ہونا تہذیبہ اعلیٰ کے بنیادی
 مقاصد میں ہے اس لئے کہ اس کے بانی اور مولانا سید محمد علی صاحب مونیر رحمۃ اللہ علیہ کو
 عیسائی مشنریوں سے واسطہ پڑتا تھا وہ ان سے منظر کے رتے تھے ان کو اس سے منظرہ
 کرنے میں یہ محسوس ہوا کہ اب ہمارے فضلاء مدرّس و اور علماء کو جدید خطرات سے واقف
 ہونا چاہیے اور ان میں تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDY) ہونا چاہیے ان کے
 اندر اس جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر سے (جو عام طور پر فکری، علمی اور سیاسی قیادت پر فائز ہوا
 کرتا ہے) اسلام کے بارے میں احساس بہتری کو دور کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے اور

اسلام کی ابدیت اس کے خود اور ہر زمانہ اور ہر دور میں اس بظرف و کون کی حقیقت اور اس نجات کا کامیابی کا صحیح انسانیت کا واحد اور ابدی راستہ ثابت رہے پر یقین اور اس کی یہی صداقت ہو اس لئے کہ یہ شعبہ (اس شعبہ کے مستقل نام ہے) تائید کے قابل ہو۔ ایک بڑی ضرورت اور تدوین العلماء کے ہاتھوں سے تشریح ہو۔

اصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ کا دین ابدی ہے۔ "ان الدین"۔ "منہ"۔ زمانہ اخلاص ہے اور یہ حق حقیقت ہے کہ اللہ پاک و تعالیٰ کی مصلحت و سیاست بھی انہی ہیں یہ حق حقیقت نام ہیں اس لئے کہ وہ یہ کہ ہدایت کا راستہ ابدی راستہ ہے دین ایک حقیقت ہے کہ زمانہ متغیر ہے زمانہ اگر متغیر نہیں تو پھر زور کی نہیں زمانہ ہوتی جا رہی ہے نہیں زمانہ بدلنے والا ہے زمانہ بدلتے رہتا ہے میں مضامین میں بھی بدلتے رہتے ہیں تاثرات کے سرچشمے ہیں وہ بھی بدلتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بھی بدلتے رہتے ہیں مختلف زمانوں میں مختلف تحریکیں پیدا ہوتی ہیں اور دین کے خلاف تحریکیں ہوتی ہیں سازشیں ہوتی ہیں منصوبے تیار ہوتے ہیں ان کی سلطنتیں قائم ہوتی ہیں ان کے مصالح و مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ انہیں میں سیاسی مصلحتیں بھی ہیں جنہیں مصلحتیں بھی ہیں اور معاشرتی مصلحتیں بھی ہیں اور یہ سب کچھ ہے کہ جو نظریہ سلطنت قائم ہوا طبعی بات ہے کہ اس کا مقصد و مقاصد پہنچنے کے لئے اسے بدلائی جائے یعنی جو اس کے محکوم ہیں وہ اس کے خلاف ہوتے ہیں اور اس کے حساب سے اقتدار ہوتا ہے اور اس کی حکومت و اور اس کی تہذیب کو یہاں تک کہ اس کے اندر اس کی معاشرت تک وہی تیریں اور قابل تنقید سمجھیں۔ اس کے لئے نئی تدبیریں ہوتی ہیں اور ہمیشہ کی جاتی رہیں اور خاص طور پر اس زمانہ میں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کے خلاف جد و جہد و قسم و رانیوں اور منصوبے جو پہلے تیار تھے وہ ناکام بن گئے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے لئے وسیع اور عمیق اور فیصلہ کن حیثیت سے تاریخ میں وہ خطے پیش آئے ہیں جن سے اندیشہ تھا کہ اسلام بحیثیت عالمیہ دعوت سیاسی قوت اور مذہبی آزادی کے اتنا کمزور ہو جائے کہ وہ حدود و رقبہ میں اور خاص نسل و قومیتوں کے دائرہ کے اندر ہی نافذ اور کار فرما رہے۔ لیکن عالمی پیمانہ پر اس کا وجود اور نفوذ ختم ہو جائے ایک صلیبی حملہ جو پانچویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی

عیسوی میں پیش آیا دوسرا تاریحہ جو ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی عیسوی میں چنگیز خان و ربل کوئی قیادت میں ہوا۔

صدیوں کا شمار پر محمد ہو اور وہ بیت المقدس پر قبضہ ہو گئے ان کے ذمہ اور ان کے منسوبہ میں حرمین شریفین بھی شامل تھے یمن اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین ایوبی کو کھڑا کیا۔ جس کی نظیر احسان اللہیت جذبہ جہاد سرفروشی، غیبت، حمیت دینی اور طہارت و تقویٰ میں امتیاز نامیں رھتی تھیں اور اس کی نظیر ارنایب نہیں تو مایاب ضرورتاً انہوں نے صدیوں کو ناکام بنایا مسلمانوں کا ان کے جھنڈے کے نیچے اتری و ہوا اور وہ خطرہ ٹل گیا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس وقت تک اور صلیبی حملہ آوروں کے ملک میں نہ اتنی تمدنی و تہذیبی ترقی ہوئی تھی اور نہ سامنس و رتجربہ کی سوسائٹی فروغ ہواتھا جو بعد کی صدیوں میں ہوا انہ ان سے منہ دنیا کی تفہیم نواہر دینی و تہذیبی انقلاب کا وہ نقشہ تھا جو بعد میں مغرب کی فاتحانہ اور استعماری طاقتوں کے سامنے آیا اور ان کے پروگرام میں شامل ہوا یہ محض ایک فوجی یلغار اور مقدمات مقدمہ پر قبضہ کرنے کی ایک کوشش و عزم تھا اس سے اس سے وہ خطرات نہیں تھے جو پندرہ صدیوں کے بعد یورپ اور امریکہ کی سیاسی و تمدنی باادستی اور مشرقی ملکوں کے یورپ اور امریکہ کے خدام بن جانے اور زیر اثر آ جانے سے پیدا ہوئے۔ (۱)

رحمن مذکورہ ترک نے حرمین شریفین پر بھی چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت بقول لینا پانچ ہندوستانین زندگی نے اس خطرہ کے مقابلہ کا ارادہ کیا جس کی تکمیل اس کے فرزند الملک اعدول نور الدین زندگی نے کی لیکن اس میں پوری کامیابی نور الدین سلطان شمس کے فوجی جنرل صلاح الدین ایوبی نے حاصل کی (جو منبر کی حکومت و قدار پر قبضہ ہو گئے تھے) اور

نبی سین یلغار شمس پر 490ھ میں ہوئی 492ھ (۱۰۹۹) یا ۱۱۰۰ عیسوی سے آخر میں صلیبیوں کے ریت، "تندس پر قبضہ یا" "سلاویڈیا بریا کا" کی جلد 6 میں صلیبیوں کی تعدیات و مظام، خونریزیوں و قفسیں و بھی باستی بنائندہ کارسلہ صلاح الدین ایوبی ابطل انتاصہ الدین "مطبوعہ و طغات (رہ بریلی) کا مطبعہ بھی مسعود سوگا اردو میں بندہ کی تصنیف "تاریخ دولت و عزت" کی جلد ۱ میں 303 سے 334 تک تاریحہ صلیبیوں کے وحشت ناک مظالم عام اسد مسموم زندگی شد اس دور بغداد کی تباہی و زوال نیز قسیر و تاریحہ یوں سلام کی اشاعت کی معصومات و قفسیات و بھی جاسوسی میں راودہ و معارف سلامیہ شام اردو و شام کا جنوب اہور کی جلد 7 میں بھی "چنگیز خان" کے عنوان کے ماتحت تاریحہ تمدنی انہیوں و وحشت انہیوں کی تصنیف و بھی جاسوسی میں۔ (۱۰۶۹۱-۷۳۴)

انہوں نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے نکال ان پر جذبہ جہاد حمیت دینی اور غیرت اسلامی کا پورا استیلا اور غلبہ تھا۔ 583ھ (1187ء) میں حطین کے معرکہ میں انہوں نے کامل فتح حاصل کی اور صلیبیوں کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔ (۱) معرکہ حطین کے بعد بیت المقدس کی مسلمانوں کے ہاتھوں میں بازیابی ہوئی اور صلیبیوں کا منصوبہ اور نقش کار ناکام اور بے اثر ہوا یہ سلطان صلاح الدین کی وقت 28 صفر 589ھ کو ہوئی۔

بارہویں صدی عیسوی میں مسیحی یورپ علوم سائنسی تحقیقات و انکشافات اسحق کی تیسری استعماری عزائم اور اپنے مادی اور دینی منصوبوں کی ترویج و تنقید میں اس مقام تک نہیں پہنچا تھا جس مقام پر وہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں پہنچا اس لئے اس کے غائب سے سوائے مسیحیت کی اشاعت مقامات مقدسہ پر غلبہ اور مسلمانوں کی سیاسی ہزیمت و ذلت کے وہ خطہ نہیں تھا جو انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ اور (بالخصوص برطانیہ اور فرانس کے) ان مسلم و عرب ممالک پر اپنی تہذیب و فلسفہ حیات کو غالب کرنے و ران کو قابل تقلید اور علامت ترقی بنا دینے سے پیش آیا۔

تاتاریوں کا حملہ اگرچہ فوجی تھا لیکن تجربہ ہے کہ کامیاب حملہ آور اور فوجی فتح فوجی حدود کے اندر محدود نہیں رہتا بلکہ اس کا طرز عمل اس کے افکار اس کے عقائد اس کا طرز معاشرت اثر انداز ہوتے ہیں۔ تاتاریوں کی کامیابی سے صرف اتنا ہی خطرہ تھا کہ مسلمان غلام بن جائیں گے۔ انہوں نے بڑے مظالم کئے کبھی کبھی تو دجہ کا پانی سرخ ہو جاتا تھا جب مسلمان بڑی تعداد میں شہید کئے جاتے تھے ورنہ دجہ میں ڈال دیا جاتا تھا تو ن کی خون آلود ریشوں سے پانی سرخ ہو جاتا تھا ورنہ کبھی اس کا پانی سیاہ ہو جاتا تھا کہ وہاں جو بڑے بڑے تباہ خانے تھے (اور بغداد اس میں سب سے زیادہ امتیاز رکھتا تھا) ان کی کتابوں کے انبار اس میں ڈال دیے جاتے تھے تو پانی سیاہ ہو جاتا تھا۔ مسلمان شہیدوں کے سروں کے مینارے بنانے کے یہ مینارے دور سے دکھائے دیتے تھے سر پر سر رہا ہوا ایک نہیں ہوتا تھا ایک رکھتے تو سر جاتا وہ سروں کا ایک چبوترہ ہوتا تھا ایک چبوترہ پر دوسرا چبوترہ یہاں تک کہ بہت دور سے نظر آتے تھے

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کی جائے مین پوں کی کتاب "سلطان صلاح الدین" (ص 155)

ان کے حملہ کی دہشت کا یہ حال تھا کہ تاریخ میں عام مقولہ درج ہے۔ ادا فیل لک ان السرا
بھرمو مو افلا تصدق۔ یعنی ہر بات مان لینا کہ ممکن وقوع ہے لیکن یہ بات بھی نہ ماننا کہ
تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی۔

لیکن اس تاتاری حملہ میں خاص بات یہ تھی کہ تاتاریوں کے پاس کوئی تہذیب نہیں تھی
کوئی ثقافت (CULTURE) نہیں تھی۔ مٹی، دعوت نہیں تھی اور کوئی متوازی نہ تھا نہ بھی نہیں
تھا اس سے ان کا حملہ اگر کامیاب بھی ہو جاتا تو وہ بہت دنوں تک کامیاب نہیں ہو سکتا تھا لیکن
اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنی رحمت و قدرت سے حارق حادث طریقہ پر سامان کیا کہ ایک
طرف مسلم فضلاء اور شریعت کے ماہرین۔ تاتاریوں کے اندر کسی اسلامی تہذیب اور
اسلامی قانون کا تعارف کرایا اور جو خلائان کی زندگی میں ان سے علم و واقفیت اور تہذیب و تمدن
اور دعوت میں تھا اس کو اسلام نے پر ریا یہ ایک طبعی اور فطری بات بھی تھی کہ ایسی فتوحات و
انقلاب میں خدا بہت دنوں تک باقی نہیں رہ سکتا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ قانون الہی یہ ہے کہ
خدا کا پر ہونا ضروری ہے قانون کا خدا تہذیب کا خدا تھا علم کا خدا تھا ان کے سے ان
کے پاس کوئی دعوت نہیں تھی۔ اس خدا سے مسلمان اہل فکر تے اور مبصرین نے فائدہ اٹھایا۔ اور
نہوں نے تاتاریوں کو ایک طرف اسلام کی دعوت دی اور ایک طرف بتایا کہ اس خدا کو پر کرنے
کے لئے ہمارے پاس پورا سامان موجود ہے نہ موعودہ موجود ہے ورنہ دنیا کے لئے دعوت
بھی موجود ہے۔ اس سلسلہ میں اہل دل مخلصین اور اہل اللہ کا بڑا حصہ ہے ایک واقعہ جو بار بار
بیان کیا جا چکا ہے لیکن بڑا مؤثر ہے وہ نقل کیا جاتا ہے۔

آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام (PREACHING OF ISLAM) میں لکھا ہے کہ
ایران و ترستان کی طرف کی جوشائے تاتاریوں کے قبضہ میں آئی اس میں تاتاریوں کے سو
فیصد مسلمان ہو جانے کی تقریب یہ ہوئی کہ تعلق تیمور جو ولی عہد سلطنت تھا وہ شکار پر نکل اور
آپ کو معصوم ہے اور ہمیں بھی اس سے واہ پڑا ہے ہم نے شہنشاہ کی بھی مشق کی ہے اور شکار بھی
کھیے ہیں کہ شکاریوں میں چھ روایات ہیں نخست دن اور کامیابی و ناکامی کی مشابہتیں میں نہ
کرت تھے کہ جمعرات کو شکار کامیاب نہیں ہوتا اگر شکار نے لئے چنے کے وقت کسی نے لہہ دیا
چاقو ہے؟ تو اب شکار نہیں ملے گا چاقو کا نام نہیں مینا چاہیے اسی طرح تاتاریوں میں ایران اور

اس کے باشندوں سے متعلق نحوست کا تخیل تھا کہ ایرانی منکوس ہوتے ہیں (اور مخصوص قوموں کے بارے میں ہمیشہ اس طرح کے تاثرات و روایات رہی ہیں) تعلق تھا اس کا یہ انتظام کیا کہ کوئی ایرانی نہ آنے یا نہ جانے پہرے بھارت جو ساحلی جہازیں تھیں اور جو نہ تھے ان سب پر آدمی بٹھا دیئے تاکہ کوئی ایرانی نہ آنے پائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ پتھر اور منکوس تھا۔ اللہ تعالیٰ کو تاریخوں جیسی جنگ آزمائشی قوت اور باندہ و بندہ قوم کو شرف بالاسلام میں اس سے دین کی حفاظت کا کام مینا تھا یہ ایک خدائی انتظام تھا جس سے دین پرانے کے یہ صاحب اس بزرگ تھے جس میں سادہ و سادہ انسان جو پستی و اعلیٰ کے واسطے پیہ و دار ہوا نہیں تھا۔ یہ سب بین القیامات ہوتے ہیں وہاں سے برکت کی پیہ و دار لیا اس نے ان کو پتھر لیا اور تعلق اور تیور کے پاس پتھر کے سیاہ و اٹھ کر اسے بلوں کو کیا اور اس نے سمجھ لیا کہ انہوں نے شکار کے سارے نظامت پر پانی پھیر دیا سب شکار نہیں ملے گا اس نے غصہ میں آ کر کہا کہ تم ایرانی اچھے ہو۔ یہ تو اچھا ہے مگر کون نہیں ہے آرمند نے قوی نہیں ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی قوم کو برکت دی تو یہ نہ افضل تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم ایرانیوں کو عدم تعجب یا تو ہم افضل ہیں اس نے کہا اسلام یہ ہوتا ہے؟ وہ صاحب اس بھی تھے اور صاحب علم بھی تھے۔ انہوں نے اسلام کا مختصر اور بلیغ و مؤثر تعریف کر دیا و متاثر ہوا اور اس کے اس واسطے پر شریک اس نے کہا کہ برا بھی میں اپنے اسلام لانے کا حاکم نہ تھا تو کوئی فائدہ نہ ہوتا جب میری تان پوشی ہو جائے تو مجھ سے آ کر ملیں میں اسلام کا احسان کروں گا۔

یہ تو رنڈ کی تاریخ میں ہے لیکن ترقی و فوری ماحخذ جو (ORIGINAL) میں ان میں زیادہ مؤثر انداز میں اس واقعہ کو پیش کیا گیا ہے اس میں ہے کہ اس نے پوچھ کہ آپ افضل ہیں کہ یہ سکتا افضل ہے، انہوں نے کہا کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا یہ تو جیسے کہ یہ تھا افضل ہے یا سب کے میں افضل ہوں انہوں نے کہا کہ اگر میں دنیا سے ملے پڑتے ہوئے رخصت ہوا ایمان پر میرا خاتمہ ہوا تو میں افضل ہوں ورنہ یہ تھا افضل اس سے کہ وہ دنیا و اس کے دس پر پوٹ پڑی اس نے کہا کہ جب آپ سنیں کہ میری تاج پوشی ہوئی ہے تو مجھ سے میں یہ برابر دے سکتے رہے اور کان ان کے گھر رہے کہ نہ رہے لیکن ان کا وقت آخر آ گیا انہوں نے اپنے بیٹے و

بایا اور کہا کہ عزیز فرزند! شاید یہ سعادت تمہاری قسمت میں لکھی ہوئی ہے تم جب سنن کے تعلق
 تیورن تاج پوشی ہوئی ہے تو اس سے منہ اور یہ واقعہ یاد دہانا چنا نچہ جب انہوں نے تاج پوشی کی
 خبر سن کر یہ کہنے اور بڑے اہم اور اہل دل دیا۔ ان دونوں اندر جہان دیتا وہاں ہر نماز پر جھٹکتے رہے
 ان دنوں دیتے رہے اور وقت تو اذان کی آواز میں نہیں پہنچی مگر اس وقت اذان کی آواز پہنچی
 تو اس نے کہا کہ یہ صدائے بے شکامی ہے، مگر اس وقت چلاتا ہے اور نیند خراب کرتا ہے
 کہا یہ کہ ایک شخص ہے جو اٹھتا ہے جینتتا ہے اور یہ آواز گاتا ہے اس نے کہا کہ جو اٹھتا ہے
 اور اس نے کہا کہ میں ان کا (شیخ جمال الدین کا) فرزند ہوں جو آپ
 کے لئے آپ نے سوال کیا تھا اور یہ کہا کہ آپ افضل ہیں یا یہ کتا؟ انہوں نے کہا تھا کہ اگر
 میرا خاتمہ یہاں پر ہوا تو میں افضل ہوں مگر تا افضل ہے میں یہ احاطہ دینے آیا ہوں کہ ان کا
 خاتمہ ایمان پر ہو اور وہ قلم یزید سے دیا ہے رخصت ہو کے تعلق تیمار کے قلم شہادت
 پڑھ کر اپنے اسد کا اعلان کیا۔ اس نے اپنے وزیر اعظم کو بولایا اس نے کہا کہ میں تو بہت دنوں
 کے مسلمان ہوں میں ایران گیا تھا وہیں اسدام قبول کیا تھا آپ کے ڈر سے بتاتا تھا اس کے
 بعد چوکی برائی تا تاری شیخ مسلمان ہوئی پھر دوسری شاخوں میں بھی اسدام مہمیت کے
 ساتھ پھیل گیا۔

ایک باخبر تاریخ داں نے بتایا کہ دوقو میں ایسی ہیں جو ہر فیصد مسلمان ہوئیں ایک عرب اور
 ایک ترک یہ بھی سو فیصد مسلمان ہوئے صورت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ضرورت ہے داعیوں کی
 وردہ عوین کی نفسیت کو سمجھنے کی اور حکمت کے ساتھ بات کرنے کی خود قرآن مجید میں ہے۔

”ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وحاد لہم مالی ہی

احسن۔ (۱)

لیکن اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ پینٹن اور خطہ ہے کہ پورے مغرب وریسائی دنیا اور
 اس کے ساتھ خاص طور پر یہودی عنصر (جوان مغربی ملک کی شانہ بٹانہ ہے) و شش ہے
 کہ تمام اسلامی ملک میں دین کی حمیت ختم ہو جائے دین سے انقباض پر جو فتنہ ہے وہ ختم ہو

۱۔ سورۃ نساء آیت ۲۵ (ترجمہ) آپ نے رب کی راہ میں صرف مومن باتیں اور اچھی باتیں سے امر و نہی
 کی ہے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بات کی ہے۔

جائے دین کا جو سرچشمہ ہے (یعنی ایمان) ختم ہو جائے اور اس کے اندر اس کے متبادل طریقہ پر احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) پیدا ہو۔

ہم نے دارالمصنفین میں استشراف و مستشرقین کے بارے میں جو مجلس مذاکرہ سیمینار (SEMINAR) ہوئی تھی اس میں ہاتھ بٹھائی مغربی طاقتوں نے اپنی ذہانت سے باطل کی سمجھا کہ مغربی برتری و اقتدار اور محض سیاسی تنظیم و استحکام و مرنے اور مٹنے والی صورتیں دنیا ہی نہیں کسی ملک و مستقل طور پر قائم رہنے والے ضروری ہے۔ وہاں کا خیمہ یافتہ و رہتلاف طبقہ (INTELLECTUAL CLASS) قوت حاکمہ سے اپنی صورت پر مرعوب ہو اس کے لئے انہوں نے مستشرقین (ORIENTALISTS) کو تیار کیا بہت کم لوگوں نے اس راز کو سمجھا ہے کہ مستشرقین محض اپنے علمی ذوق کی بنا پر تحقیق و تصنیف کا کام نہیں کرتے۔

علمی ذوق تو محدود ہوتا ہے مین استشراف سے پیچھے سیاسی و استعماری مقاصد اور سرپرستی کا مرتبہ ہے۔ یہ اس زمانہ کا بڑا خطہ ہے اور اس خطرہ کا جو مرتبہ ہے اس کو اور اس کے ہتھیار اور نتائج کا رو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مستشرقین کا یورپ و امریکہ میں ایک پورا شکر تھا اور اس کو ہر طرح کی پشت پناہی حاصل تھی۔ انہوں نے اپنی پوری ذہانت صرف کر دی ایسی کتابوں کے لکھنے میں جس میں صاف صاف اسلام پر حملہ کیا جائے ان کی ذہانت و سمجھنے کی بات تھی کہ اسلام پر حملہ کر ہو گا تو مقابل طاقت پیدا ہو جائے گی اس میں ایسا ہو کہ وہ پڑھ کر اعلانِ روشنی میں (جو پا کی کے ساتھ کتاب میں شامل کئے ہیں) کتاب الہی کے بارے میں حدیث کے بارے میں ہم فقہ کے بارے میں ہم عالم کے بارے میں پھر آخری درجہ میں اپنی تہذیب و معنویت کے بارے میں احساسِ متری کا شکار ہوں جو شخص یہ کتابیں پڑھے گا وہ سمجھے گا کہ ہم تو بہت نیچی سطح پر زندگی گزار رہے تھے ہمارے علماء نے ہمارے مریوں نے اور ہمارے مصنفین نے ان کمزوریوں کا اظہار نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت تاخیر سے حدیث کی تدوین شروع ہوئی بہت تاخیر سے اسلامی قانون بنایا گیا یہ سب ان سمجھوں نے دکھایا ہے۔ حالانکہ اس تاخیر میں بھی نامتبع تھیں حدیث کی تدوین جب شروع ہوئی تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تاخیر الہی شامل تھی۔ بعد وہ یہ مجزہ تھا مجزہ سمائی تھا کہ بخاراے اور ترکستان کے ایسے ذہین ترین اور قوی حلفاء افراد نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا جن کی مشن دور دور اور

دیر دیر تک تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کی شہادت کے لئے صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ امام بخاری کے تذکرہ میں آتا ہے:

”امام بخاری جب بغداد آئے تو علمائے بغداد نے ان کے امتحان کا یہ طریقہ تجویز کیا کہ سو حدیثوں کی سندوران کے متن (مضمون حدیث) واثبات دیں۔ ایک حدیث کی سند دوسرے متن کے ساتھ اور ایک حدیث کا متن دوسری سند کے ساتھ لگا دیا اور وہ دس حدیثوں کو ایک ایک شخص کے حوالے کیا کہ وہ ان سے سو سو روئے امام بخاری جب شخص میں سے تو ایک ایک شخص نے دس دس حدیثیں سنیں اور ان کی رائے دریافت کیں۔ وہ سنتے اور فرماتے کہ میں ان حدیثوں سے واقف نہیں اہل علم اس راز کو سمجھے اور واقف اشخاص ان کی اہمیت پر مسترا رہے جب سب نے اپنے اپنے حصہ کی حدیثیں سنیں تو امام نے باری باری ایک ایک کی طرف توجہ فرمائی اور کہا کہ آپ نے جو دس حدیثیں سنیں ان میں تھیں ان کا متن یہ ہے اور ان کی سند یہ ہے پھر دوسرے تیسرے کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ سب کے احادیث تصحیح کر دی اور جس سند کا جو متن تھا اور جس متن کی جو سند تھی وہ بیان کی اور ان کی وسعت نظر حاضر دماغی اور حافظہ پر انکشت پیدان رہ گئے۔“

اسی طرح جب فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو خدا نے ائمہ اربعہ اور ان کے بلند مقام اور دائرہ روزگار خلفاء و تلامذہ اور مجتہدین کی شکل میں ایسے افراد پیدا کئے اور ان کو توفیق دی جن کی مثال دنیا کی قانون سازی اور مسائل حیات سے حل کرنے کی کوششوں میں نہیں ملتی۔

ی طرح جب یونانی فلسفہ اسلامی مملکت ہا خصوص حراق اور دارالخلافہ بغداد میں سامنے آیا اور اس نے ذہین اور صاحب فکر طبقہ پر اثر ڈالا اور اپنی علمی برتری اور باریک بینی کا سکہ جمایا اور اس سے ایک سطحی افکار طبقہ کے عقائد میں تزلزل پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ شہری امام ابو منصور، تریکی امام غزالی اور شیخ اسد حافظ ابن تیمیہ کو پیدا کیا جنہوں نے ان کے اثرات اور مرجعیت کو زائل کر دیا۔

اسی طرح غلط عقائد، جاہلی رسوم و عادات شرک و بدعات اور رسوم قبیلہ کو دور کرنے کیلئے اور دین صحیح اور عقائد صحیح اور سنت و شریعت کے حیا و ترویج کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر ملک میں مصححین و مجددین اور ایسے آئمہ دین اور داعیانِ تصحیح پیدا کئے جنہوں نے عود الی الجہلیۃ

اولی اور این کے مستحق تحریک کے نظر وہ وہاں مروی اور این شیخ و گدراچ اوقت کی طرح عام ہے۔
 دیا۔

مستشرقین اور ان کی تحقیقات و ادبی اور مباحث سے مغربی استعمار WESTERN IMPERIALISM نے جو کام کیا اور وہ ان کے لئے مفید ثابت ہوا اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب سے استعمار شرقی ممالک کے بس نسل بولیا بعض جدید باطل مذہب و یاس و ملت کے تشریفین کا کام بھی اھیوا یہ یہ تحریکات تشریفین نے نہ سمجھتا تھا کہ وہ اس کے اندر یہ یوں اور جو صریح ہیں دنیا سے دور وہاں تک پہنچانے کے لئے اس میں صرف کچھ طاق نہیں ہے۔ انصاف سے نہیں سمجھتا رہے ہیں کہ مستشرقین کا کام بالکل باکاپڑا یہ ہے بھی وہی کتاب آجاتی ہے اس میں وہ حاکم نہیں ہوتی وہاں سے اس میں نہیں ہوتا جو پہلے ہوتا تھا۔ مستشرقین کا وجہ بعض کام اسلامی کے مبنی مذہبی بقولہ۔ مگر وہاں متغیر اس کے لئے اس کے اندر اپنے دین کے بارے میں دین کی تاریخ کے بارے میں یہ تشریفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اور قرآن مجید کے بارے میں اور فقہ و حکم کے بارے میں اس کے متغیر اس کے لئے اس کے اندر اس وقت کا سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ہمارا جو جو ن قیام یافتہ طبقہ ہے اس کے اندر احساس کمتری پیدا ہو رہا ہے وہ جو کہتا ہیں پڑھتے ہیں فرنی میں فرنی کی میں یہاں تو اس کام روان ہے بعض دوسرے ملکوں میں خاص طور پر فرانس کے متبوضات میں (مغربی شاہ افیقہ کا علاقہ یہ فرانس کے ماتحت رہا ہے مراکش اجزا بھی فرانس کے ماتحت رہے ہیں، یہاں تک۔ یہیں طرابلس تک فرانس کے ماتحت رہا ہے) تو یہاں فریچ سٹیچ و دیگر دوسرے ملکوں میں آہش سٹیچ چسپا ہوا ہے اور اس میں یہ سب اثرات تھے۔

سب سے زیادہ قبل تشویش و رازن فکر کی بات یہ ہے کہ ملک عربیہ اس وقت امریکہ اور سرکٹیل کا نشانہ ہیں اور ان کا یہ حملہ بہت حد تک کامیاب رہا ہے وہاں کا اسی قیام یافتہ طبقہ (جو قیادت کے منصب پر عام طور سے فخر ہوتا ہے) احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا ہے وہ اسلام کے مستقبل کے گویا یوں ہوتا رہا ہے۔ خاص راجہ امر اور مصر پیش پیش ہیں وہاں قیادتیں اور حکومتیں دینی دعوت اور تحریک سے بہت زیادہ خائف ہیں وہاں اصل کمر اور دینی نشاۃ تانیہ کی تحریک دعوت سے حکومتوں اور دین پسند اسلام پسند طبقوں کے درمیان محاذ قمر ہے۔

حالیہ جزائر مصر اب مصر یہ وہ ملک ہیں جن میں تحریک آزادی کی قیادت عام ہے۔
دن میں آج یہ ممالک سب سے زیادہ خطرہ ہیں۔ انہیں اور مدنی قادیان اور ترکیوں
میں ہیں مصر میں شیخ حسن البنا کو خطہ بھی یہ درود شہید ہوئے بعد نہ صرف نازمانہ آید ویر
قطب و شہید یہ۔ اور کتنی چائیں شہید ہوئیں مصر و الجزائر کی حکومتیں خاص طور پر دین کے
بندہ کے بیدار ہونے کی حمایت کو اور یہ کہنے کو کہ یہ دین شریعت کے خلاف ہے۔ یہ
حکومت کیوں کر رہی ہے اس کو اپنے ساتھ سب سے بڑا خطرہ ہے۔ یہ دین و خطہ و اب
اسرائیل سے ہے اور نہ کسی اور غیر مسلم طاقت سے ہے اب یہ خطہ ہے۔ یہ دین شریعت سے
بے پروا ہے۔ یہ مہیاں جہاں جاتا نہ رہتا ہے۔ یہ دین شریعت کے جبر پر ہے۔ فریقہ اور اسلامی
ممالک کے ختم جگر ہزاروں کی تعداد میں پرستے ہیں۔ یہ مہیاں اسلام میں جاتا نہ رہتا ہے۔ یہ دین شریعت سے
بڑا دینی و علمی ادارہ اور جامعہ سمجھا جاتا ہے۔

اس وقت کا جو چیلنج ہے اور تشویش کا حقیقت ہے کہ وہ یہ کہ ہمارے عرب ممالک اسلامی
دعوت سے خائف ہیں۔ کوئی طاقتور تحریک نہیں ہے اور کشش رکھنے والی جہد مت اور اہیوں سے
یہ ممالک محروم ہیں۔

عرب ممالک جن سے ہم کو ایمان کی دوستی اور انسانیت کی حقیقت ملی اور جو ہمارے
لئے ہدایت کا سبب بنے جن کا ساری دنیا پر وہ احسان ہے جو کسی بڑے سے بڑے فرمانروا و اقوام
کی بڑی سے بڑی عالمی مرتبہ تہذیب کی بڑے سے بڑے کلچر و ثقافت کا وہ احسان نہیں جو
عربوں کا احسان ہے ان ہی کی وجہ سے ہم صاحب ایمان ہیں احساس و فرض شناس انسان
ہیں۔ ان عربوں میں اس وقت دعوت کی آواز ہے کہ وہ یہ کہ دین کی ہے پست ہوئی ہے پست ہو
دن ہے اور تحریک اخوان المسلمین کے بعد سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ یہ مہیاں جو
مطلوبہ ہے اس کی بنا پر وہاں جو اس کے ہیں تھے وہ اب ملک چھوڑ چکے ہیں۔ یہ مہیاں
کافیہ یہ ہو کہ نو مصر میں ایک ایسا اور مزار ہے کہ ان کے ذہن میں یہ نہیں آتا تھا کہ مسلمان
دنیا میں اثر انداز ہو سکتے ہیں چنانچہ جب ہماری کتاب "ماہ الاسر بآل محمد" ص ۱۰۰ "مسلمان
قابہ سے شائع ہوئی (جس پر ڈاکٹر احمد امین نے ایک مکرر مقدمہ بھی لکھا تھا چہرہ دومہ اس کا
مقدمہ سید قطب نے لکھا تھا اور ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کا مقدمہ بھی تھا) جب ہم مصر گئے تو ایک

اخبار نے لکھا کہ کیا مسلمانوں کے عروج و زوال سے دنیا پر اثر پڑ سکتا ہے؟ کیا نامہ رہا ہے اس کتاب کا؟ اس نے انگلی اٹھائی اور تعجب یا حائلہ میں نے قبیل کے شعر سے کام لیا ہے اور بالکل یہ شعر اس کا جواب ہے جو انہوں نے انہیں کی طرف سے نقل کیا ہے۔

ہنفس دوتا ہوں اس مت کی بیدار سے
ہے حقیقت اس کے آئین کی احتساب کائنات

مسلمان اس پوزیشن میں کہاں ہیں کہ اس عقد و میں کہاں ہیں کہ دنیا پر اثر انداز ہو سکیں یہ ہے مہم کا یہ کمال وقت سب سے برامرض، بڑا خطرہ کہ عدم کے مستقبل سے وہ مایوس ہوتے جا رہے ہیں ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اسلام ہی انہیں سے فزونیجات ہے۔ مذہبی طور پر اخلاقی طور پر دنیوی طور پر بھی۔ معاشرتی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی یہ وہ کام ہے جو اس وقت قدر و قیمت کے لحاظ سے درہمیت کے لحاظ سے اہم ترین اور موثر ترین کام ہے۔

آپ اپنے اندر وہ قہر بیت پیدا کریں کہ آپ عربوں کو متاثر کر سکیں اس کے لئے ضرورت ہے کہ آپ کی زبان و تحریر میں وہ اثر ہو اور وہ شیفٹنگی جذبیت والا بیت ہو کہ عرب نہیں کہ یہ خوب لکھا ہے چنانچہ احمد لہد یہاں سے ندوۃ احمدی "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" سے وہ ٹریچر عرب مہمک میں جاتا ہے جسے عرب میں جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں اور سناتے ہیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ مولوی عبداللہ عباس ندوی صاحب کے مکان پر مکہ معظمہ میں ہم بیٹھے ہوئے تھے استاذ عبدالکیم عابدین ایک رسالہ پڑھنے لگے ہم کو ضرورت پڑی ہم نے کہا کہ ہم ابھی آتے ہیں واپس آئے تو دیکھا کہ وہ پڑھ رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ یہ امام حسن ابناء کے بہنوئی تھے اور بڑے خطیب و تعلیم یافتہ جب ہم آئے تو ہمارا نام لے کر کہا کہ یہ کس کی لکھی ہوئی کتاب ہے؟ ہم نے کہا کہ ہمارے برادرزادہ محمد کسینی کی تو انہوں نے کہا کہ ان کو میرا سلام کہنا یہ کتاب "الاسلام بین لا و نعم" تھی۔

آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی یہاں کے وسائل کے اعتبار سے یہ عظیم کارنامہ ہوگا کہ آپ عربوں میں دین کی دعوت کو پہنچانے کی صلاحیت پیدا کریں اللہ تعالیٰ نے اس کے اسباب مبیا فرمائے ہیں۔ ایک ہدف و نشانہ بنائیں کہ ہم اپنے اندر قابلیت و صلاحیت پیدا کریں جس سے ہم عربوں کو دین پر زیادہ جمنے کی دعوت دے سکیں۔ ہماری کتابوں میں سے "الی الاسلام

من جدیدہ“ اجاہلیۃ بعد الاسلام الیہا العرب؟“ الی الراۃ محمدیہ ایہا العرب،، (۱) یہ سب وہ کتابیں ہیں جو عربوں کو چونکا دینے والی اور جھنجھوڑنے والی ہیں وہ کہیں گے کہ ایک عجیبی ایک ہندی ثقافت ہمیں خطاب کر رہی ہے اس کے اندر اسلام کا اتنا اعتماد ہے جو اعتماد ہمارے اندر نہیں رہا ہے اللہ تعالیٰ اُرفع پہنچ دے تو اس سے بڑھ کر تقرب الی اللہ کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کے ذریعہ سے اس امت کے افراد میں دین پر عقائد پیدا ہو جن نے ذریعہ سے یہ نعمت اور یہ دولت ساری دنیا میں پھیلی ہمارے مدارس عربیہ کے فضلاء میں یہ جذبہ دوسروں سے زیادہ ہونا چاہیے کہ ہم جن کی زبان کے ذریعہ سے دین کو سمجھ رہے ہیں جن سے ہم کو یہ دولت علم ملی ہے اور مل رہی ہے ان کا حق ہے کہ ہم اس کو پھر ان کے پاس سے بائیں ان کے اندر اس کا احساس پیدا ہو اور ان کے اندر یہ غیبت پیدا ہو وہ سنتا ہیں ہم شہر دوہ پیہ ہیں ہم مرید اور وہ ہمارے ہادی ہیں اور ہم مہمدی تو اس سے ”کلیۃ الدلوۃ“ کم ہوا ہے وہ ایک بڑے نیک شخصوں کی بات ہے اور مبارک باد دینے کے لائق ہے اللہ تعالیٰ ہمارے عزیزوں اور رفقاء کے کار کو جزائے خیر دے۔

اپنے اس عہد میں اپنے اس ملک میں اپنے ماحول میں آپ یہ کیجئے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کو خاص طور پر اور مسلمانوں کو بطور پر سامنے رکھ کر اس حقیقت کو ذہن نشین کریں کہ زمانہ کثافت ہی بدل گیا ہے لیکن دین بدلی ہے اور آج بھی وہ دین صحیح و کامل اور زندہ ہے اور آج ہی اس زمانہ کی رہبری کر سکتا ہے اور اس آئین کے ذریعہ ہی سے ہم اس زمانہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ فقیہ ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کے تحت ہو سکتے ہیں۔

یہ تو کام آپ کا ہر جگہ ہے مقامی طور پر بھی ہے شہر میں بھی ہے تعلیم یافتہ طبقہ میں خاص طور پر جو پہلے انگریزی تہذیب سے متاثر ہونے لگا ہے اور خطرہ ہے کہ وہ ہندو یوگا اور تہذیب سے متاثر ہو اس کو بھی آپ ذہن میں رکھیں عربی زبان کی تعلیم حاصل کرنے سے یہ فائدہ ذہن میں نہ رکھیں کہ ہم باوجود عربیہ میں جائیں گے۔ اور کہیں جگہ مل گئی تو نوکری کر لیں گے نہیں تو مؤذن بن جائیں گے۔ امام بن جائیں گے۔

۱۔ ان عربی دعوتی رسائل و کتب کی فہرست مجس تحقیقات و نشریات سے طلب کی جاسکتی ہے۔

یہ قیمت نہیں ہے آپ کی اور نہ یہ موانع محمد علی مونیر کی صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ و موانع سید
ظہور اللہ سدر فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ موانع خلیفہ سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ اور دارالعلوم کا منصوبہ
بناے ہاؤس و ترقی دینے و ہوس میں عدم شبہی نعمانی اور موانع سید سیمان ندوی اور ان
کے اہل اللہ و عارف باللہ رفقاء و معاونین کے مقاصدِ خیراتوں اور قربانیوں کی ہے اس کی رسید و
رسید یہ ہے کہ آپ اہلِ نبیٰ محض کے سامنے ہوں گے سید ہوں گے ہر ایک کی ہر ایک
غیر نبی تحریکوں کے خلاف سید ہوں گے ہر ایک کی ہر ایک تحریکوں کے

مجلسه ششم

تدقیق پس از این تحقیق می باشد که در این باره پرسشنامه تدقیق نیز تهیه شده است.

صدر ناصر کی مخالفت کیوں؟

۵ جون ۱۹۷۷ء جنگ اور عربوں کی شکست — سب سے میں مصنف نے یہاں جو تنقیدی مضامین لکھے وہ عالم عربی کے مختلف شہروں میں جو تقریریں میں اس میں قدرتا صدر ناصر کی قیادت اور ان کے رویے اور رداء پر بھی تنقید تھی، اس سے ہندوستان کے بعض اعلیٰ سطحوں اور سمجھدارت میں یہ سوال اٹھایا گیا — صدر ناصر کی تنقید اور پیہم مخالفت کیوں؟ یہ تقریریں — جو اب میں دیکھتی —

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين
ومن نعمهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين اما بعد

مجھے اس کا اقرار ہے

میں ہندوستان میں صدر ناصر کا بہت بڑا مخالف سمجھا جاتا ہوں اور تعجب نہیں اگر بہت سے لوگ مجھے اس ملک میں ان کا سب سے بڑا مخالف سمجھتے ہوں، مجھے بھی اس کا اقرار ہے کہ میں دس بارہ برس سے ان کا شدید مخالف اور ناقدر رہا ہوں، اور عربی، اردو دونوں زبانوں میں، نیز تقریر تحریر کے ذریعہ ان پر شدید تنقید کرتا رہا ہوں، میں اپنے اس طرز عمل کے بارے میں کسی معذرت اور تاویل کی ضرورت نہیں سمجھتا، البتہ بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے کسی قدرت وضاحت و تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس سلسلہ میں اگر اپنی حقیر ذات سے متعلق بھی کچھ عرض کرنا پڑے اور ”جَب جَبی“ میں تھوڑی سی ”سپ بیتی“ بھی آجائے تو امید ہے کہ اس کو ایک ضرورت و مجبور سمجھ کر گوارا کیا جائے گا۔

نہ غلط فہمی نہ خام خیالی

صدر ناصر سے میری مخالفت کی بنیاد عام طور پر یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ قومیت عربیہ کے اس وقت سب سے بڑے علمبردار ہیں، اور میں اس کا شدید مخالف، اس کا کوئی شبہ نہیں کہ میں قومیت عربیہ کو اس کے اعتقادی اور فلسفیانہ تصور کے ساتھ، جو مغربی ”نیشنلزم“ کا حقیقی

مفہوم اور مزاج ہے، عالمگیر اخوت اسلامی اور ”جامعہ اسلامیہ“ کا رقیب اور حریف سمجھتا ہوں، اور اس بارہ میں تاریخ و سیاست کے ایک صاحب علم اور دنیا کے تجربات و واقعات سے سبق لینے والے ایک انسان کی حیثیت سے کسی غلط فہمی و رخ مخیالی میں مبتلا نہیں ہوں، اور نہ کسی مذہبی تعصب اور فقیہانہ تشدد کا شکار ہوں، اس اندیشہ و تصدیق کے لئے عرب قوم پرست رسندوں کی تحریروں، تقریروں اور نئے اعلانات و بیانات و شہادت کافی ہے، جس کا ایک حصہ میں نے اپنے اس رسالہ میں بھی نقل کیا ہے جو ”عرب قوم پرستی اسلامی نقطہ نظر سے غلط ثابت کیوں“ کے نام سے ۶۴ء میں شائع ہوا تھا، اور میں نے اس کی چند محدود کاپیاں حاکم بنی میں مخصوص اہل علم اور ممتاز اصحاب کے پاس بھیجوائی ہیں، اس قوم پرستی کی تخریبی صلاحیت اس کی بدست آفرینی، اس کی اثبات پروری، اور اس کی جرحانہ فطرت کے متعلق جدید سیاسی سٹریٹجی میں اتنا لکھ چا چکا ہے کہ اس پر اب کسی اضافے کی گنجائش نہیں، ہمارے اس دور میں خود مغرب میں اس کو رجعت پسندی اور فرسودہ خیالی کی علامت سمجھ گیا ہے، ایک مسلمان کی حیثیت سے جس کا عقیدہ ”ان ہدا امتکم امة واحدة واما ربکم فاعلین“ کا قائل ہے۔

یہ فرض ہے کہ دنیا کے کسی گوشے اور خصوصیت کے ساتھ وسیع دنیائے اسلام کے کسی دور دراز حصے میں بھی قومیت کا نعرہ بلند کیا جائے تو وہ اس سے بُر دا آزمائش اور ہر پرہیزگار ہوجائے، اس بنا پر ان قائدین نے جن کو اسلامی جمعیت اور ایمانی فراست نے حصہ وافر مدد تھ، ترک قوم پرستی، ایرانی قوم پرستی، افغانی قوم پرستی، یہاں تک کہ ہندوستانی نیشنلزم تک کی مخالفت کی۔

چوکفر از کعبہ بر خیزد

لیکن یہ نعرہ جب اس سرزمین سے بلند کیا جاتا ہے، جہاں دنیا کے ہنگاموں کے بجائے خدا کا گھبراہٹ بنایا گیا تھا، اور جس کو ان دعوت اخوت و یغیہ انسانیت کا آخری اور سب سے مضبوط دھار قرار دیا گیا تھا تو ایک ایسے شخص کے لئے جس کا اس یو یقین ہے کہ اسلام خدا کا آخری دین اور عرب اس کے حامل و امین ہیں، یہ بات برداشت سے باہر ہو جاتی ہے کہ وہ اس کو کسی بڑے سے بڑے سیاسی یا مادی مفاد کی خاطر نظر انداز کر دے، اور وہ ایک وحشی و روحانی کرب سے ساتھ بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی؟

اخوت اسلامی کی حریف نبوت محمدی کی رقیب

اس قوم پرستی میں جب قدیم تہذیب کے احیاء کی سرمستی، اور آباء پرستی کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اخوت اسلامی کی حریف، بلکہ نبوت محمدی کی رقیب بھی بنتی نظر آتی ہے۔ جس رفتار سے ترقی کرتی ہے، اس رفتار سے محمد رسول اللہ کی سیدت و امامت کا عقیدہ، اور ان کے ”نامے سب“ اور ”موا“ کے ”کل“ ہونے کا اعتقاد بھی کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ سب اندیشہ ”ماتہ دور“ راز اور تخیل پر روزہانت کے کرشمے نہیں ہیں، وہ حقائق ہیں، جن کا غالی عرب قوم پرستی کے مضامین پر جوش عرب نوجوانوں کی مجلسوں اور مصروفیات کی ادبی اور سیاسی مجلسوں میں ہر وقت مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، اور ہمارے محدود علمی ذخیرے میں اس کا خاص حصہ محفوظ ہے۔ صدرنامہ کی ذات سے اس عرب قوم پرستی و جو قوت و تازہ اور جو بین القومی اہمیت، اس کوئی اس سے کوئی انصاف پسند انکار نہیں کر سکتا، اس بن پر روئی ایسا شخص جو عربوں و مسلم کارکنان اسلام، اور ان کی مقدس سرزمین کو دنیا کے اسلام کا روحانی دارالاستقامت، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلعہ ٹھہرتا ہے، بچھنی محسوس کرے، اور اس کے قلب و قلم سے کچھ آہ و فغان نکل جائے تو تعجب کی کوئی بات نہیں کہ۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھرنا آئے یوں“

ایک بڑی دینی سعادت

میرے لئے اس عرب قوم پرستی کی بیدار پر صدر ناصر کی مخالفت ایک بڑی دینی سعادت تھی ورنہ، اور میں اس پر کوئی شرمندہ محسوس نہیں کرتا، لیکن میری مخالفت کی بنیاد تنہا یہ بات نہیں، انصاف کی بات یہ ہے کہ شام کے بغشی یڈر اور عراق کے متعدد قوم پرست مفکرین اور صاحب قلم، اس بارے میں صدر ناصر سے زیادہ منور رکھتے ہیں، انھوں نے اس کو ایک فلسفہ کے طور پر اور اسلام کے متوازی ایک نظام کی حیثیت سے پیش کیا، اس کے متعدد نمونے میری کتاب، ”مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش میں آچھے ہیں لیکن میں ان میں سے

کسی کو عالم عربی کی روح، اور دنیا کے عرب کی آئندہ نسلوں کے لئے خطِ ناک نہیں سمجھتا کہ ان کو اپنی مخالفت و تنقید کا مستقل موضوع بنائیں، اور ان پر بارِ توجہ کروں۔

نامدہ بیت، مادیت اور کمیونزم کا نقیب اور داعی

صدر ناصر سے میری محبت کی بنیاد اس سے کہیں زیادہ گہری، مانع و ممانعت خیز ہے، وہ تہذیبِ قومیت عربیہ کے علمبردار نہیں، وہ عالم عربی میں ایک بنیادی، ہمہ گیر و نہایت دور رس تبدیلی کے داعی اور علمبردار ہیں، وہ عالم عربی کا رخ اس مرزئی نقطہ سے ہٹا کر، جو اس کے فکر، عمل، شوق و تمنا اور جذبہ و جوش کا قبضہ رہا ہے، ہمہ گیر مادیت اور نامدہ بیت کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں، اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ایسے دور رس اور وسیع انتظامات اور تبدیلیاں کر رہے ہیں، جن کا اثر (اگر کوئی عظیم انقلاب اور غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تو) نسلوں اور صدیوں تک قائم رہے گا، ان کو اس مقصد کے حصول کے لئے وہ وسائل و مواقع اور وہ اثر و رسوخ بھی حاصل ہو گیا ہے، جو اس وقت تک مالِ اتاترک کی ترکیبیں قیادت کے مختصر دورِ کوشش کے لئے بھی تک کی اسلامی ملک کے قادیان سربراہ و حاصل نہیں ہو تھے، اور وہ پورے عزم و تنظیم اور ایک سوچھی سمجھی اسکیم کے ساتھ اس منزل کی طرف رواں دواں ہیں، وہ نہ صرف مصر بندہ پورے مشرق وسطیٰ میں کمیونزم سے سب سے بڑے نقیب و رعب سے موثر دلی ہیں، وہ اگرچہ ہمیشہ ”اشترکیت عربیہ“ اور اب چھڑے سے ”اشترکیت عربیہ“ کا نام دیتے ہیں لیکن حقیقت ان کی منزل مقصود اور ان کا منہاٹا ہوا نظر، اشترکیت یا کمیونزم ہے۔

ہندوستان کے طبقہ علماء سے گلہ

افسوس ہے کہ ہمارے ہندوستان کے بہت سے اہل علم، اہل ملک عربیہ نے جدید تغیرات و تازہ واقعات سے پورے طور پر واقف نہیں، ان کا اندازہ نہیں کہ اس مدت میں وہاں کیا فکر، اور ذہنی انقلاب رونما ہو گیا، اور معاملہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے، ان کا ذریعہ معصومیت زیادہ سے زیادہ مصر و شام کے چند مذہبی رسالے اور علمی و فقہی تصنیفات، یہ وہ معصومیت ہیں، جن کی ان ملکوں کے سفارت خانے اشاعت کرتے رہتے ہیں، وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہاں جو کچھ ہو رہا

ہے، وہ صرف سرمایہ دار طبقے کی چند اوصافوں کا خاتمہ، مصری معاشرہ کی صدح اور معاشی زندگی کی تنظیم ہے، ان میں سے بہت سے لوگ اب بھی اس طرز عمل کے لئے قرآن مجید کی آیات سے استدلال اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کی زندگی سے مثال پیش کرتے ہیں۔

مصر کی اشتراکیت کو روس کی سند قبولیت

حاکم نامہ، بے مصر کی ”اشتراکیت“ کو خود سوویت میں کے ذمہ دار اور سربراہ سند دے چکے ہیں، وروہ اس کی پیش رفت و ترقی اور حکمت عملی سے بالکل مطمئن ہیں، میں یہاں پر روسی ذمہ داروں اور کمیونزم کے سرکاری نمائندوں کے چند بیانات پیش کرتا ہوں۔

”متحدہ عرب جمہوریہ نے اپنے جن اہم و بنیادی منصوبوں کا اعلان کیا ہے، اور جن میں سوشلسٹ سماج کی تعمیر بھی شامل ہے، ان کو سوویت عوام کی مکمل تائید و حمایت حاصل ہے اور وہ اس کی پوری طرح قدر کرتے ہیں۔“

آگے لکھتا ہے:

”اتحاد یہ ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ و روسویت یونین کے تعلقات عام تعاون کے دائرے سے بلند ہیں، وہ سیاست خارجہ میں یونین کے اصولوں کی بنیاد پر قائم ہیں۔“

مصر کے قومی منشور ”امیثاق لوطنی“ پر تبصرہ کرتے ہوئے کوئی ان نے اپنی جو رائے ظاہر کی تھی، اس کو مصر کے مشہور اخبار ”الہامہ“ (یاد رہے کہ مصر میں تمام اخبار قومیاے جچکے ہیں) نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

”امیثاق لوطنی کی ایک اہم اور صوں دستہ ویز کی حیثیت سے ہماری نظر میں بڑی ہیئت ہے۔“

(۱۱ مارچ ۱۹۶۶ء)

”سوویت نیوز“ یہ بھی شائع ہو چکا ہے کہ انقذاب مصر کے چودہویں جشن کے موقع پر

صدر برزنیف اور وزیر اعظم کوئی گن نے جو تہنیتی پیغام بھیجے ان میں کہا گیا ہے کہ

”روسی، مصری قوم اور حکومت مصر کی ان کامیابیوں پر دن مصرت کا اظہار کرتے ہیں، جو

نھوں نے ایک اشتراکی اور جمہوری سماجی کی تعمیر میں اپنی انتھک اور پیہم کوششوں کے ذریعہ حاصل کی ہیں۔“

مساجد اور مدارس دینیہ اشتراکی سماج کی معمار

ان کوششوں کی تفصیل کے لئے، جو خالص مذہبی اداروں (مساجد و مدارس دینیہ) سے کر، ادب، صحافت، سیاست کے حقوق اور میدانوں تک پھیلی ہوئی ہیں، اور یہ معلوم کرنے کے لئے موجودہ نسل کو نئے قالب میں ڈھالنے اور آنے والی نسلوں کو اسی معیار کے مطابق پیدا کرنے کے لئے کیسی پر عزم اور منظم کوشش ہو رہی ہے، اس کی ضرورت تھی کہ ماسے آج اس دس برس کے عرصہ کے مصری اخبارات و رسائل کے قلموں اور سرکاری منشورات و مطبوعات پر نظر ڈالی جائے، لیکن یہ بات چونکہ ہندوستان میں آسانی سے ممکن نہیں اس لیے یہاں صرف چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

مصر کے سرکاری اخبار ”الجہوریہ“ میں ۱۵ جولائی ۱۹۶۶ء کے شمارہ کے مذہبی ضمیمہ (الملاحق الدینی) میں وزارت اوقاف کے ترجمان کا حسب ذیل بیان شائع ہوا:

”وزارت اوقاف قدرتی طور پر ایسی یونیورسٹی میں تبدیل ہوئی ہے جس کا مقصد اور جس کا مشن، عرب سماج میں سوشلسٹ اصولوں کا نافذ ہے۔“

وہ آگے کہتے ہیں:

”جدید انقذاب کا مقصد یہ ہے کہ مساجد کو ایسا کر دیا جائے کہ، وہ سوشلسٹ سماج میں اپنا کردار ادا کر سکیں، اور ایسا فرد صالح تیار کر سکیں جو جدید ترقی پسندانہ اور اشتراکی سماج میں حصہ لے سکے۔“

ڈاکٹر احمد کمال، مصر کے سرکاری مذہبی رسالہ ”منبر الاسلام“ میں لکھتے ہیں:

”ہر مسجد ادارے کے ماتحت ہوگی، اور اس ادارے کی نگرانی عرب سوشلسٹ یونین کی مقامی شاخ کے سپرد ہوگی، اور یہ شاخیں ایک عمومی تنظیم کے ساتھ مربوط ہوں گی، جن کا کام یہ ہوگا کہ وہ اپنے حلقوں میں سوشلسٹ ثقافت کے پروگراموں اور منصوبوں کو روشناس کرائیں۔“

کیونز م کا عربی ایڈیشن

ان اقتباسات میں اگرچہ جد شتر آیت کی اصطلاح آئی ہے اور نظام کیونز م سے ایک مختلف نظریہ نظر آتا ہے، جس میں کیونز م کی انتہا پسندی اور غلو نہیں ہے، لیکن یہ درحقیقت شتمیت اور کیونز م کی پہلی منزل اور اس کا عربی ایڈیشن ہے، جس وجوہات کی مجبوری کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے ذمہ دار اور رنج عقیدہ رہنما بھی اس پر اظہار اطمینان و خوشنودی نہ کرتے۔

اشتر آیت اور ناند بہیت کی ہمہ گیر روشنی کا نتیجہ

اشتر آیت اور ناند بہیت کی سب سے بڑی اور منظم روشنی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس بارہ برس کے عرصہ میں مصر و شام اور عراق میں خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے عرب ممالک میں عمومیت کے ساتھ نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ، ندر سے اتنا بدل چکا ہے اور اس تیزی کے ساتھ بدلتا چلا جا رہا ہے کہ اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر کرنا مشکل ہے اگر ہمارے علماء دین ان کی بے تکلف مجلسوں میں شریک ہو کر ان کے اصلی خیالات اور اندرونی جذبات سنیں تو شاید وہ سر پٹر بیٹھ جائیں کہ اس عرصہ میں اسلام کے اس بنیادی مرکز میں اتنا عظیم انقلاب رونما ہو چکا ہے، وہ انقلاب جس کو بعض اوقات صرف دینی و تہذیبی ارتداد نہیں بلکہ (سخت قلبی افیت کے ساتھ) اعتقادی ارتداد بھی کہنا پڑے گا۔

اولاد ابراہیم کی آذری ویت تراشی

یہ انقلاب جہاں بھی رونما ہوا، اور جہاں بھی اس کے رونما ہونے کا خطہ محسوس ہوا، افسوس کہ تشویش انگیز ہے، لیکن جب یہ انقلاب ایسے میدان میں رونما ہونے لگتا ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صبیحہ کرام کی اولین و بہترین کوششیں صرف ہوئیں، اور جوان کی تمنوں کا مرکز اور قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کی امید گاہ ہے، تو معائنے کی شیننی اور تشویش کا پہلو بہت بڑھ جاتا ہے، جب ایک مسلمان، اولاد ابراہیم کو آذری ویت تراشی کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اور جن کو خدا نے دنیا کا مرکز اور زمین کے شہر کو عالم اسلام کا قہر

یہ تھا، وہ عبد کا طواف کرنے کے بجائے بار بار ماسکو کا حرام باندھتے، اور کریمین کا طواف کرتے ہوئے اچھے جاتے ہیں، تو یہ کاموں میں اندھیر ہو جاتی ہے، اور بے اختیار زبانِ قلم سے یہ نکل جاتی ہے۔

میں ثابت ہوں کہ شکوہ، اندھندہ
شیشہ تانہ شند صدا نہ ند

عام عربی سے میرے گہرے روابط

میں نے اپنی بد قسمتی سمجھوں یہ خوش قسمتی کہ مجھے عام عربی کی ضروریوں اور یہاریوں اور اس کے سر پر منڈانے والے خطرات سے واقفیت کے وہ مواقع حاصل ہوئے جو ان میں سببِ وحالت کی بنا پر (ہندوستان میں میرے محدود مہم میں بہت کم دیکھ سکتے ہوئے) ہوں گے، میری تعلیم و تربیت شروع سے عرب اساتذہ کے ماتحت ہوئی اور بدو شعور ہی سے اس سرزمین سے اپنے وطن کا سانس اور واقفیت پیدا ہو گئی، اے ۴۷ سے پہلے مجھے ہندوستان سے باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا، میں عرب کی سرزمین پر قدم رکھنے سے پہلے میں وہاں کی تحریکات، روایات، مکتب خیال اور شعیتوں سے تواقف نہ کیا تھا کہ مجھے کسی عرب ملک میں کبھی اذیت اور بیگانگی کا احساس نہیں ہوا، اس کے بعد بار بار مجھے مشرق وسطیٰ کے دورے کا موقع ملا، ورتقریب پوری عرب دنیا کی سیاحت کی، سیاحت بھی، زائرانہ نہیں ٹھہرنا، میں عربی دنیا سے تمام اہم مرزوں میں مہینوں اور ہفتوں رہا ہوں، اور یہ فرخاندن کی حیثیت سے ان کی زندگی کے محافل اور ان کے حقیقی دنیا سے جذبات سے واقفیت کا موقع ملا ہے، معذرت اور اس ندامت کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ مجھے ان کے فطری محسن ان کے قومی خدائیں، ان کے خدا و اکملات، ان کی حسن طبیعت، ان کے سوز و رول، اس کے ساتھ ان کی مشکلات، ان آزمائشوں، ان کے مسائل اور ان کے مصائب کا جیسا علم ہے، قدرتی طور پر بہت سے ان اصحاب و نہیں ہے، جو اپنے علم و فضل، دین و تقویٰ، علمی کمالات یا سیاسی خدمات میں مجھ سے بدرجہا فوق و میرے سے انق صد عزت و احترام ہیں، یہ بولی ماں نہیں، حکمت الہی کی مرثیہ ساری ہے، محض نعم نہیں، امتحان و آزمائش بھی ہے، عربوں کی علمی ظرفیت، طبعی شرافت و یریم

انفسی، اور اخوت اسلامی کا کرشمہ تھا کہ انھوں نے مجھے ایک فرد خاندان کی طرح اپنے حیات پر تبصرہ و تنقید کرنے، اپنے مسائل پر بحث کرنے، اور ان کا حل پیش کرنے کی اجازت دی، اور اس نے صرف خندہ پیشانی و ریشہ رشت سے ساتھ، بلکہ ان خیالات کی اشاعت اور توسیع کی مخلصانہ کوششیں کیں۔

عربوں کی کمزوریوں، خامیوں اور کوتاہیوں پر آزادانہ تنقید

۲۳ جولائی ۱۹۵۱ء کو میں نے دمشق یونیورسٹی کے ہال میں ممبران پارلیمنٹ، اساتذہ، جامعہ علماء اور علمائے شہر کے جلسہ میں جس کی صدارت یونیورسٹی کے عیسائی واس چانسلر مشہور عرب فاضل فلسطینی زریق کر رہے تھے، فاضلین نے مسئلہ اور اس کے حل پر بحث کیا یہ تھا جو فلسطین کے ایسے کے بنیادی سبب کے نام سے دمشق، بیروت اور بغداد میں بار بار چھپا ہے، میں نے اس مقدمہ میں موجودہ عربوں کی بنیادی کمزوریوں، ان کے رہنما کی خامیوں اور کوتاہیوں پر آزادانہ تنقید کرتے ہوئے مسئلہ فلسطین کا حال پیش کیا تھا، عربوں نے اس مشورے کو جو ایک مسافر اور غیر ملکی کی زبان سے پیش ہوا تھا، اور جس میں تنقید کی تہنی بھی تھی، نہ یہ بردہ کر دیا کہ ”یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے، بابہ کے کسی آدمی کو مشورہ دینے کا کیا حق ہے؟“ اور نہ وہ اس صاف گوئی اور احتساب پر چسپاں رہے، ان طرح ۵۶ء میں موتمر اسلامی دمشق کے جلسے میں ”مسئلہ فلسطین کا تعلق مردم کے دینی شعور کی بیداری سے“ کے عنوان سے میں نے پھر ایک مقدمہ پڑھا اور اس کی انی طرح پذیرائی ہوئی، اسی طرح دمشق، بیروت، عمان، بغداد اور مکہ معظمہ میں عرب دوستوں کے سامنے پنے ناقدانہ خیالات، پنے مخلصانہ مشورے اور پنے تاثرات و جذبات پیش کرنے کا بار بار اتفاق ہوا اور انھوں نے ہمیشہ فراخ دلی اور عادی نظری دیتے ہوئے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا۔

”نوا مری عربی رہی“

یہ ذاتی داستان جس کا سنا نامیرے لئے پڑھ زیادہ خوشگوار و آسان کا نہیں ہے، اس نے پیش کی تھی کہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ میں نہ عربی دنیا سے بیگانہ اور اجنبی ہوں نہ میری

معمومات سکند ہینڈ ہیں، اور نہ میں نے عرب رہنماؤں پر تنقید کا کام اور عربوں کی زندگی سے احتساب کا فریضہ، ان کے مصائب اور ان کی ناکامیوں کے اسباب پر بحث کا سلسلہ صرف عرب و اسرائیل کی اس جنگ سے موقع پر شروع کیا ہے، اور نہ میں اچانک اور بے وقت اس میدان میں آ گیا ہوں، میں اپنے کو (ایک مسلمان کے رشتے سے بھی اور عربی ثقافت کے ناطے سے بھی) اس وسیع و عظیم عرب خاندان کا جو مآثر سے بعد اوتھک پھیلا ہوا ہے، ایسا فہم سمجھتا ہوں، نہ لے دکھ سکھ میں شریک ہوں، میری قسمت ان کی قسمت سے وابستہ ہے، ان کی عزت سے میری عزت اور ان کی اذیت سے میری اذیت ہے، میرے تحیات کی دنیا، میری تمنوں کا مرکز، میرے حاضروں کا حقیقی نشیمن، عرب کی محبوب سرزمین، اس کی زبان و ادب اور اس کی تہذیب و ثقافت رہی ہے، عربی دنیا کے اس چارے اثاثہ اور سرمایہ پر (جس کی حفاظت اور سر بلندی کے لئے قومیت عربیہ کا غرہ بلند کیا جاتا ہے) میرا حق، سب سے حسین، سب سے عقائد، سب سے حمدا میں یا سب سے سرد ملی سے منہ نہیں، میرا خیمہ اور میرا آب و گل ہندوستان کی سرزمین سے ہے، مجھے اس کا اعتراف بھی ہے اس پر فخر بھی، لیکن میں نے اردو سے زیادہ عربی زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا، اور مجھے اقبال کے الفاظ میں یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ

میرا سرزگرچہ ستم رسیدہ زخمبائے عجم رہا
وہ شہید ذوق و ذہنوں میں کہ نوامری عربی رہی

عرب دنیا ایک فیصلہ کن دور ہے پر

مجھے بار بار جو چیز ہندوستان میں اس فغاں سختی اور تلخ نواں پر مجبور کرتی ہے، اور جس کی وجہ سے میں عالم عربی کی ان شخصیتوں پر بھی تنقید سے باز نہیں رہ سکتا، جن کو عربی دنیا اور یہ دنیا مر ملک میں بھی بڑی مقبویت حاصل ہے، وہ میری یہ مجبوری ہے کہ میں ان خطرات سے ہمکنار نہیں ہند رہ سکتا، جو موجودہ عالم عربی میں اسلام کو بحیثیت مکمل اور آخری دین کے اور عربوں کو اس کے پر جوش، اعلیٰ، اور وفادار سپاہی کے درپیش ہیں، آج عالم عربی (ان نقابوں پر) رہنماؤں اور فوجی ڈکٹیٹروں کی بدولت جو مصروف و شام، عرق اور اجزاز پر قابض ہیں، افسوس کہ اب اس فہرست میں لیبیا اور سوڈان کا بھی اضافہ ہو گیا (ایک ایسے ذہنی بحران سے دوچار ہے،

جس کی مثال ظہور اسلام کے بعد سے اس وقت تک نہیں ملتی، آج عرب دنیا ایک فیصلہ کن دور ہے پر کھڑی ہے، اگر موجودہ انقلابی قیادتیں، جو صرف، سکو کی خیمہ بردار ہیں، کامیاب ہو گئیں تو خدا نخواستہ عرب دنیا اسلام سے اتنی دور ہو جائے گی کہ پھر اس کو اسلام کی طرف آنے کے لئے کسی معجزے کے ظہور اور کسی مسیحی تنس داعی اور مجدد کے پیدا ہونے کی ضرورت ہوگی، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی خدا داد صلاحیتیں اور اس کی بے نظیر قوت عمل، اسلامی اثرات کے ازالہ میں صرف ہوں گی، جس کے آثار اس وقت بھی ان ممالک میں دیکھے جاسکتے ہیں، آج وہاں این کے داعیوں کی ”سرکوبی“ اور دینی شعائر کے مٹانے کے لئے اس عزم و مصداقیت کا اظہار کیا جا رہا ہے، جس کی نظیر غیہ اسلامی ملکوں میں مٹی مشکل ہے، میں اس حقیقت کے اظہار کے لئے دل سے معذرت خواہ ہوں۔

علماء کی اکثریت سطحیت کی شکار

ہمارے ملک کے بہت سے علماء کی سطحی قسم کی سیاسی اچسپیاں ترکی کے پچھلے دور کے علماء کی طرح اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ان کو فکر و مطالعہ اور رد و مراد کے واقعات و حقائق کے ساتھ اپنے وہم آہنگ رکھنے کا موقع نہیں ملتا، اس کا نتیجہ ہے کہ ان کو بہت سے انقلابات کی اس وقت خبر ہوتی ہے، جب وہ اپنے نقطہ عروج پر پہنچ جاتے ہیں، اور ان کے فطری نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں، یہی معادہ ترکی کے انقلاب کے موقع پر پیش آیا کہ ہمارے علماء عرصہ تک (اور شاید بعض اب بھی) کمال اتاترک کو اسلام کا جصل، عظیم اور مجدد سمجھتے رہے اور ان کو اس کے دورس اقدامات اور ترکی کو معروف سانچے میں ڈھالنے کی کوششوں کا علم اس وقت ہوا، جب وہ اپنی آخری شکل کو پہنچ گئیں اور اس کا خطرہ محسوس ہونے لگا کہ ترکی کا رشتہ نامکملہ اسلامی برادری، یہاں تک کہ اپنے ماضی اور اپنی قدیم ثقافت سے بالکل منقطع ہو جائے گا۔

اس طبقہ کی دوسری کمزوری

علماء کے اس طبقہ کی، جو سیاسی مزاج رکھتا ہے، دوسری کمزوری یہ ہے کہ وہ جب کسی مسلمان قائد کو کسی مغربی طاقت کو چیلنج کرتے ہوئے اور اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے دیکھتا

ہے۔ یہ وہ ہی موقع پر کسی مغربی طاقت کا مخصوص برطانویہ وارک پہنچا دیتا ہے، تو پھر وہ اس کارنامہ واس کی عظمت کے لئے کافی سمجھ دیتا ہے، اور پھر وہ نہ صرف اس کی وین کو تباہیوں اور ناہمیوں سے پشیم پوٹی نہ وری سمجھتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس کی اسلام دشمنی بھی اس کی نظر میں پتہ چڑیہ وقت بل کا ظواہی اتفاقات نہیں سمجھتی، اور وہ اس پر اپنی ہی تنقید بھی کرنا نہیں کرتا، بلکہ جس وقت تنقید کرنے والے کو پوری ناخدا تری کے ساتھ خیمہ فروش و برطانویہ نواز پامریں سے زرخیز کا خطاب دینے لگتا ہے۔

اصل معیار اسلام سے وابستگی اور نا وابستگی

کی حقیقت پسند و متوازن انسان کے لئے بھی یہ راہ منہ سب اور درست نہیں چاہئے۔ کہ ان لوگوں کے لئے جن و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور ان کے دین و شریعت کے وارث و مین ہونے کا دعویٰ ہے، جو چاہتے ہیں کہ دین ان لوگوں کا ہست و نیکہ دین کا اس طبقہ سے انتساب و تعلق ہے، جس کی پسندیدگی و نا پسندیدگی تمامیت و مخالفت کا اصل معیار، ایمان و عقیدہ کا مسد و رمد سے وابستگی و نا وابستگی کا سواں تھا، ان کے سامنے تو حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کا سوہ ہونا چاہئے جن کے نزدیک حدود و شریعت کی حفاظت کے لئے ایک قیمتی سے قیمتی شخص کا ضائع کرنا، وراثی ہوئی سلطنت کو ہوا دین کا نزا و حقوق تھا۔

”یہ تو آباؤ اجداد تھے تمہارے“

اور سنی بہ اور ائمہ اسلام کے اس عمومی نمونے کے علاوہ خود ان کے اکابر کا اسوہ ان کے سامنے ہونا چاہئے، انھوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک، اصول و عقائد کو الگ رکھا، بدعت و رسوم کے ساتھ بھی رواداری نہیں برتی، و بہت سے اصلاحی و تبلیغی فرائض کو باوجود جو ان کے اختیار میں متوقع تھے، ان سے اختلاف ہی کرتے رہے، اور عوام کی ایک بڑی تعداد کی خدمت و امتداض کا نشانہ بننا گوارا کیا، انھوں نے کسی شخص کی خطہ ہی ترقی، مادی کامیابی، اور اس کی سیاسی فتوحات کی بنا پر اس کے دینی خرافہ یا عمل تحریف کو معاف نہیں کیا، اور اس کا پوری اخلاقی جرات کے ساتھ انتساب کیا و بعض اوقات ان کو یہ فرض، لوام کے جذبات اور زمانے

کے سیلاب کے خلاف ادا کرنا پڑتا، اور وہ ”کلمہ حق عند سلطان حائر“ کے ثواب کے مستحق ہوئے۔

صدرنا صرنا کام ترین لیڈر

جہاں تک صدرنا صر کی ذات اور قیادت کا تعلق ہے، ان وقتہ اتاترک کی طرح کوئی ایسی ”فتح مبین“ بھی حاصل نہیں ہوئی، جس کی وجہ سے کسی کو صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا، بدعہ معاہدہ بالکل برعکس ہے، اس پندرہ سولہ برس کی مسلسل تیشہ زنی اور ”وہ کنی“ کا حاصل اور خلاصہ ”وہ سندن وکاکہ برآوردن“ کے سوا کچھ نہیں نکلا، یہ مملکت جوان ڈکٹیٹروں کے قہدار ہیں ہیں، اپنے بہترین فرزندوں اور منتخب مردان کار سے محروم ہو گئے ہیں، دینی اخلاقی، علمی و روحانی یہ ہے کہ سیاسی و معاشی حیثیت سے بھی ناکام، یوایہ ورہو کھے ہیں، عام زندگی پورے طور پر مفقود ہو کر رہ گئی ہے، جمہوری زندگی کوئی نشان و علامت و رخصت و رخیال کی کوئی آراہی پائی نہیں جاتی، معاشی حیثیت سے سخت تباہ حال، خستہ ہیں، ملک کی آمدنی کے تمام وسائل و ذخائر، ایک ذات کے پروپیگنڈے اور اس کی پارٹی کی تشبیہ اور حفاظت میں صرف ہو رہے ہیں، ایک عام شہری اس سے زیادہ تباہ حال ہے، جتنا استعمار کے منحوس دور یا شخصی سلطنت کے معتبوب عہد میں تھا، زندگی، ضمیر، روح کسی کو بھی کوئی آسواہی اور لذت حاصل نہیں، چشم دید گواہوں کا بیان ہے، کہ ایک فداوق کے بجائے اب ہر بڑا فوجی فسر اور پارٹی کا لیڈر فداوق بنا ہوا ہے، یہ وہ سب حقائق ہیں جو اب دنیا کے سامنے آچے ہیں، مان پر پردہ نہیں، ہر زبان پر

امید کی ایک کرن تھی مگر.....

امید کی صرف ایک کرن تھی، جوان ساری تاریخوں پر حاوی و غالب ہو سکتی تھی، وہ یہ کہ فلسطین (۲۰۰۳ء) کو الیا جائے گا، اسرائیل کو آبر پورے طور پر تباہ نہ کر دیا جائے گا تو کم سے کم اس کو اس کے جرائم کی ایسی سزا دی جائے گی کہ وہ برسوں تک عربوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکے گا، اس پندرہ برس کے عرصہ میں سب سے زیادہ اسی کی امید رکھی جاتی رہی، ان دنوں عربوں کو اتنی دلی دعوت اور قومیت عربیہ کے جھنڈے کے نیچے آنے کا پیغام دیا گیا، اسی کی خاطر، سکوا اور

کیونست ملک سے روابط پیدا کئے گئے اور عربی خودداری، اسلامی غیرت اور کمیونسٹ ملک سے تعلقات کے نتائج کو نظر انداز کر کے سوشل جنگی وسائل و حربی ذخائر کی دروازہ دہری میں کوئی اہمیت نہیں اٹھا رکھا گیا، مصر کی قیادت میں اخیر دنوں میں بیلنگ ڈیل یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ہم اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیں گے، اور ایسا ہونا ان تیاریوں کے پیش نظر ورنہ تھائیروں اور اعدان کی راشنی میں جن سے زمین آسمان بھرے تھے، یقیناً قیاس تھا، اس میں تو کسی کو بھی شبہ نہ تھا۔ اسرائیل کو اس مقابلہ میں ایسی زک اٹھانی پڑے کہ وہ برسوں جنگ کا خوب بھی نہ دیکھ سکے گا، بات صرف یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ مصر نے آبنائے تیران اور خلیج عدن کی ناکہ بندی کر دی اور اسرائیل کے ہمارے ہونے کی اجازت منسوخ کر دی، قوم متحدہ کے فوجی حفاظتی دستہ کو بہت ہانا پڑا۔

شہر مناک ہریمیت

مصر میں جنگ ہمارے لئے متحدہ اتحادیوں کی دنیا کی نمایاں اس کی افق پر علی ہوئی تھیں۔ اسرائیل نے حمد ر دیا، ملک ان ڈائریسوں کی تیاری کے نتیجہ دیکھنے کے سے مرایا شہنشاہ تھے کہ اچانک مصری فوجوں کی پسپائی کی خبریں آئے ہیں، اسرائیل کے دوائی کے لئے پیدا منوں میں مصر کی فضائی طاقت کا ناقصہ ر دیا، یہ دوائی (جن کی بیانی کے لئے مصری ممبران میں نہ بامثل تھی) بیخار رست ہوئے چلے آئے اور ان کو بھی روکا نہ جا سکا، جزیرہ مناک میں پر یہود کا قبضہ ہو گیا، تیران و عقبہ کے مصری فوجیوں کے داخل ہو گئے، نہر سدر و بندر دینا پڑا ورائی پر یہودیوں نے اپنے حق کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا، اس طرح صدر نامہ کے اس سب سے بڑے کارنامہ پر جی پائی پھر یہی ارادہ تھا کہ میں انہیں کامیاب ادا کی شہر جس مدفن خلیج ہونے کا شرف حاصل ہے، اور نامہ کا کھڑا رہا، رفتی شہر یہودیوں کے قبضے میں چلے گئے، سوئز کے پار کے مشرقی ساحل پر اسرائیل کا اس طرح قبضہ ہوا کہ سہز کا مغربی ساحل اور اس کے مصری شہر ہر وقت اسرائیل کی زد میں آئے ہیں اور پورا ملک خطرہ میں۔

اندوہناک بات

سب سے زیادہ اندوہناک بات یہ ہوئی کہ مسجد اقصیٰ آٹھ سو برس تک مسلمانوں کی تولیت میں رہنے کے بعد یہودیوں کے قبضے میں چلی گئی اور پورے دو ہزار برس کے بعد یہودیوں اس پر قابض و متصرف ہوئے دو ہزار برس سے یہودی بیت المقدس کی دیوار سریہ کے نیچے کھڑے ہو کر اپنی بداعلیوں اور مراویوں کا ماتم کرتے تھے، اور یہ ان کی ایک دینی سنت اور موروثی فریضہ تھا، اس فتح کے بعد ان کے سب سے بڑے مہم و مذہبی پیشوا خاتم نے اس رسم کو موقوف کیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں۔

بدترین خود پرستی اور بے دانستی

جنگوں میں بہت سی خلاف قیاس باتیں پیش آئیں ہیں اور ملکوں اور مملکتوں کی شدت تاریخ کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، مگر ایک صاحب عقیدہ اور صاحب راہ قوم کی قوت مدافعت، اس کی معنوی طاقت، اس کا اپنے عقائد کی صحت، اپنے مقاصد کی عظمت پر یقین، نیز قائد کی قائدانہ صلاحیت، ہر سوں ایک اقلیت کو ایک اکثریت کے سامنے، ایک چھوٹے ملک کو بڑے ملک کے سامنے صف آرا اور نہ آزا رکھتی ہے، اور جس اوقات اس سے جنگ کا پانہ پلٹ جاتا ہے، یہاں تو ایک وسیع عرب دنیا کا مقابہ چھوٹی اسرائیلی ریاست سے تھا، جو عرب ملکوں سے گھری ہوئی تھی، لیکن دنیا نے بڑے استعجاب و مسلمانوں نے بڑے سرب و ام کے ساتھ پانچویں دن یہ سن لیا کہ عربوں کی مرکزی قیادت (مصر) نے جنگ بندی منظور کر لی، اہم اسلام کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور مسلمانوں کا سر نہ مت و ذات سے بھٹ گیا، میں اپنے محدود مظلوم تاریخ کی بنا پر یہ عرض کر سکتا ہوں کہ سقوط بغداد کے بعد کے پوری دنیا کے اسلام میں مسلمانوں کو اتنی بڑی ذلت کا کبھی اور نہیں سامنا نہیں ہوا، اس لحاظ سے یہ بات اور بھی سنگین تھی کہ نیم وحشی، صحرائشین تاتاریوں کے برخلاف یہودی اپنی بڑی، زندگی اور دولت کی محبت اور اپنی طویل و ممتد مہم کے سارے دنیا میں بدنام و ذلیل تھے، مسلمانوں کی گھٹی میں یہ بات پڑی ہوئی تھی کہ ہم ہمیشہ مذموم اور ذلیل رہیں گے، اور وہ مرد میدان

واہل شمشیر و قنک نہیں، اس واقعہ سے مسلمانوں کے قلب و دماغ اور ان سے تاریخی حاسہ اور تجربہ جو صدمہ پہونچا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ان کے اعتقاد بھی انفس اور احساس عزت پر (جس پر صدا حیت کا ر اور عز م و وولہ کا انحصار ہے) اس واقعہ سے جو چوٹ پڑی اس کے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں، مصر میں اس سے جواں شکستگی، حس بہتری اور افسردہ پیدا ہوئی اور جس طرح مصریوں کے قدم مختلف محاذوں سے اٹھنے لگے، کامیابی کے مشہور شہر کی آبادی جس طرح عظیم تعداد میں تخیل رقی نظر آئی، عازم زندگی پر یوسی کی جوتاری چھائی، اس کا اندازہ نہ مشکل نہیں، یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ صدیوں سے عالم اسلامی میں کسی ایک شخص کی خواہستی و بے دانی سے اتنا نقصان نہیں پہونچا اور اس سے اتنا بڑا رقبہ زمین اور اتنا وسیع حقہ متاثر نہیں ہوا، جتنا کہ صدر ناصری خود پرستی و رعب دانی سے۔

احساب قوم کی زندگی کی علامت

قومیں اپنے اور اپنے قنہ دین کے احساب سے زندہ اور باقی رہتی ہیں، بعض جمہوری مزاج قوموں نے تو جنگ کے جیتنے و ہاروں اور اپنے ملک کی عزت بچا لینے والوں تک کہ احساب کیا ہے، اور ان کو اپنا کام ختم کر لینے کے بعد ریٹائر کر دیا ہے، قومیں بڑی بڑی شکستیں کھانے کے بعد سنبھل گئی ہیں، جرمن قوم ایک تباہ شدہ ملک کے مہم کے نیچے سے زندہ و توانا نمودار ہوئی، جاپان نے ہیروشیما اور ناگاساکی کے ایسے کے بعد اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کیا، یہ سب بے لگ احساب، بے لوح اعتراف اور قیادت کی صالح تبدیلی سے عمل میں آیا، ہم کو امید ہے کہ احساب کا یہ فرض خصوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے گا، ایک غیر جانبدار نقد، اور ایک بلاگ مورخ کی طرح ان نصیحوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی، جن کی وجہ سے سنت اللہ کے مطابق یہ شکست برداشت کرنی پڑتی، اور پھر زندگی کی تبدیلی، ایمانی قوت، حقیقت پسند، اور اس ابدی آئین کی پابندی کے ساتھ جو قوموں اور جماعتوں کی فتح اور ارجحندی کے لئے خدا کی طرف سے مقرر ہوا ہے، اور جس کا تعلق عام غیب سے بھی ہے، اور عام اسباب سے بھی، زندگی کا نیا سفر شروع کیا جائے گا، اور پھر یہ سب واقعات داستان پارینہ اور بہن بن کر رہ جائیں گے۔

وَلَا تَهْوُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْدَاءُ أَنْ كُتِبَ مُوْمِنِينَ، إِنْ يَمْسَسْكُمْ
قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ مَدَاوِلُهُمْ فِيهَا يَكْتُمُونَ لِلَّذِينَ
الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذُ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ۔

(آل عمران ۱۳۹، ۱۴۰)

اں شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مومن ہو، اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے
تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے، یہ تو زمانہ کے نشیب
و فراز ہیں، جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تم پر یہ وقت اس لئے آیا گیا ہے
کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ بیٹھا تھا جو واقعی
(راستی کے) گواہ ہوں، کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترکی کی مجاہد ملت اسلامی

۲۱ ستمبر ۱۹۸۹ء تا ۱ اگست کے دوران ترکی کے دارالسلطنت، استنبول کے ایف نوحی محمدی یف مسجد و عریض مسجد و مدرسہ میں منعقد کی گئی یہ کارنامہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستعيره وبعونه الله من سرور انفسنا ومن
سينات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يصله فلا هادي له وشهد
ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبدا ورسوله الذي ارسله الله تعالى
بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا

ترکی کی تاریخی حیثیت

میرے دینی بھائیوں اور دوستو!

میرے سنے بڑی مسرت اور عزت کی بات ہے کہ میں فتھین اور شہداء کے شہر میں ہوں،
حرمین شریفین کی زیارت کے بعد میری سب سے بڑی آرزو شام و ترکی کو، بیٹھے کی تھی، اللہ
تعالیٰ نے کئی بار مجھے اس کا موقع عطا فرمایا، اس ملک کے سب سے بڑے شرف کی بات یہ
ہے کہ اس سے میزبان رسول (اور عصر حاضر کے عظیم یہ تہ نگار نبوی علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ
میں "میزبان عالم کے میزبان، سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کی آرام گاہ ہونے
کا فخر حاصل ہے یہ میزبانی اتنا بڑا شرف تھا کہ یہ تمہارا ان کی عزت و جدالت شان کے کافی
ہو سکتا تھا اس کے بعد صرف فرائض و روایات کی ادائیگی کافی ہوتی، لیکن آپ کی ہمت بندہ
نے (جو صحبت نبوی اور قرب خاص کا ثمرہ تھا) اس پر قناعت نہیں کی، آپ عہد نبوی کے تقریباً
تمام اہم غزوات اور خلفائے راشدین کے زمانہ کی اہم بری و رجسہ بغری جنگوں میں شریک

ہوئے اور یہ روح جہاں دمرتے دم تک باقی رہی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے مہم بھیجی گئی تو آپ اس مہم میں شریک ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف پچھتر سال کے قریب تھی۔ اس وقت قسطنطنیہ کے فتح کی نوبت نہیں آئی، آپ اسی حالت حصار میں بیمار ہوئے، مسلمانوں کے لشکر کی فروگاہ میں جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو امیر جیش (یونین) عیادت کے لئے آئے، اور آپ سے دریافت کیا کہ ماہاجنک؟ (آپ کی کیا خواہش ہے؟) آپ نے جواب میں فرمایا

حاجتی اذا انا مت فارکب ثم اسع فی ارح العدو، وما وجدت مساعا فادفنی ثم ارجع۔ میرے دل کا تقاضہ اور خواہش یہ ہے کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے گھوڑے پر سوار کر کے لے جایا جائے اور دشمن کی سرزمین میں جتنی دور لے جایا جاسکے لے جایا جائے، پھر اگر اس کے آگے جانے کا موقع نہ ہو تو مجھے وہیں دفن کر دیا جائے، اور واپس آ جایا جائے۔

چنانچہ آپ کو موجودہ شہر قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے دفن کر دیا گیا۔ یہ بات پورے ملک کی آبادی کے لئے عزت و افتخار کی بات ہے کہ اس کو میزبان رسول اللہ ﷺ کی آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، لیکن اسی کے ساتھ بڑی ذمہ داری اور امتحان کی بھی، جس شہر کے دروازہ پر میزبان رسول کی قبر مبارک ہو، اس شہر کے اندر کفر و ای و اور فسق و فجور و دھس ہونے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

اس شہر قسطنطنیہ (اور موجودہ عرف و رواج کے منطبقاً استنباطاً) کے لئے دوسرے شرف و امتیاز کی بات یہ ہے کہ تنہا اس شہر و دار اسطنت کیلئے آنحضرت ﷺ کے نام سے فتح کی پیش گوئی فرمایا اور اس کی بشارت دی، اور اس کے امیر لشکر کی تعریف کی۔ حدیث ہے۔ لتفتحن القسطنطینۃ، فعم الامیر امیر ہا ولعم الحیش ذالک الجیش۔ تم ضرور قسطنطنیہ فتح کرو گے، اس مہم کا امیر بہترین امیر ہے اور یہ لشکر بہترین لشکر۔

قسطنطنیہ عہد نبویؐ میں اور اس کے عرصہ بعد تک قیصرہ کی عظیم الشان سلطنت رومۃ الکبریٰ (THE GREAT ROMAN EMPIRE) کی جانشین مشرقی شاخ بازنطینیہ (BYZANTINE EMPIRE) کا دار اسطنت تھا، جس کی مملکت اور نوآبادیات (ماتحت صوبوں) میں شام،

فلسطین۔ مصر و حبشہ وغیرہ مشرقی ممالک بھی تھے، اسی کے حکمران شہنشاہ، ہرقل اول (HERACLIUS THE FIRST) کے نام وہ فرمان نبوی بھیجا تھا، اور اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی، جس کا ذکر احادیث و سیرت کی مستند کتابوں میں آتا ہے، اور جس پر اس کا ابوسفیانؑ کے ساتھ (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) مفصل مکالمہ ہوا، اس نے اپنی معصومات کیلئے یہ سوالات کئے اور ابوسفیانؑ نے ان کا صحیح جواب دیا، صحیح بخاری کی کتاب الوحی میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

اسی بازنطینی سلطنت کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جنگیں ہوئی، جن کے نتیجہ میں پورا ملک شام اور مصر و حبشہ فتح ہو کر اسلام سلطنت اور خلافت راشدہ کے قلمرو میں شامل ہوئے بعد کی صدیوں میں بازنطینی کی وسعت و قوت بہت گھٹ گئی، لیکن اس حالت میں بھی اس کے در السلطنت قسطنطنیہ (استنبول) کا وجود ہی کے خود نہایت اہم تھا، اس سے مسیحی یورپ اور ایشیا، بلکہ پوری مسیحی دنیا کی عزت و آبرو قائم اور اس کو اس کے دینی و سیاسی مرکز ہونے کی حیثیت حاصل تھی، مسیحیت کے قصر سلطنت کی یہ پہلی اور آخری اینٹ اپنی جگہ قائم تھی، عربوں اور مسلمان فاتحین نے کیا رہ بار اس کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بے نظیر اور قبل صدیوں کا موجب ہزار شکر سعادت و عزت جو اس سال عثمانی سلطان محمد الثانی افغان ابن مراد الثانی (۸۳۳ھ - ۸۸۶ھ ۱۴۲۹ء - ۱۴۸۱ء) کے حصہ میں رکھی تھی، انتظامی، سیاسی و حربی مصالحوں و ضروریات کے علاوہ جن کا تقاضہ تھا کہ ایشیائے کوچک اور یورپ میں نوزائید عثمانی سلطنت کے بقاء و استحکام کے لیے قسطنطنیہ کو عثمانی سلطنت کے زیر نگیں لایا جائے کہ وہ اس کا فوجی و سیاسی لحاظ سے موزوں ترین اور ضروری حد تک دار السلطنت بن سکتا ہے، بلکہ پولین کے بقول ”اگر دنیا کبھی ایک متحدہ سلطنت کی حیثیت اختیار کرے گی تو قسطنطنیہ اس کا (اپنی قدرتی قلعہ بندی اور جائے وقوع کی بناء پر) بہترین دار السلطنت ہوگا“ سلطان محمد کے لئے جس کی عمر ابھی تیس چوبیس سال ہی کی تھی قسطنطنیہ فتح کرنے کا سب سے بڑا محرک اور قلبی ایمانی داعیہ (جو بعض اوقات سیاسی مصالح و منافع پر بھی فوقیت رکھتا ہے) اس بشارت اور پیشین گوئی کا مصداق بنا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے لشکر کا امیر بہترین امیر ہوگا، اور وہ شہر بہترین شہر ہوگا، اس نے ۱۱/ربیع الثانی

۱۵۷ھ (اپریل ۱۳۵۳ء) میں قسطنطنیہ پر اپنے اس وقت کے ۶۱۰ سالہ سلطنت اور تہ (تاریخ نوئل) سے چل کر حملہ کیا اور اس کے سب سے وہ پوری حربی و انتظامی تیاری کی جو اتنی بڑی حربی مہم کیلئے کرنی چاہئے تھے اور اس وقت جدید ترین آلات حربی استعمال کئے، اور خاص طور پر سب سے بڑی ویرمار اور وقت و روپ جو اس وقت تک ایجاد ہوئی تھی اور یہی قرآن مجید کی تعلیمات اور ایک حقیقت پسند اور تجربہ کار مجاہد کا شیوہ ہے۔

”واعدو لهم ما استطعتم من قوة“ (سورۃ انفال ۶۰)

اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمیعت کے) زور سے ویر گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلہ) کے لئے مستعد رہو۔

محمد الثانی کے اس دینی جذبہ، بشارت نبوی پر اعتماد اور اس کا مصداق بننے کے شوق کا اندازہ اس کے طرز عمل اور جذبات سے ہوتا ہے جو اس جنگ میں ظاہر ہوئے۔

مورخ لکھتا ہے کہ: ”فتح اپنے خیمہ میں آیا فوج کے سپہ سالاروں اور شکر کو جمع کیا اور ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر قسطنطنیہ کی فتح ہمارے ہاتھوں تکمیل پائی تو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوگئی، آپ کے ایک معجزہ کا ظہور ہوگا، اور ہمارے حصہ میں یہ عزت و شرف آنے کا، ہمارے فرزندوں (اہل شہر) کو فردا فردا سند دیجئے، اور تاکید کیجئے کہ شریعت غریبی تعمیرات کو ہر شخص مد نظر رکھے اور کوئی کاروائی اس کے خلاف نہ ہو، مگر جوں اور مبادت گاہوں کے ساتھ کوئی اہانت آمیز سلوک نہ ہو، پادریوں، کمزوروں اور معذور لوگوں سے جو جنگ نہیں کرے ہیں تعرض نہ کیا جائے۔“

محمد فتح جب قسطنطنیہ میں فاتح نہ داخل ہوا اور اس نے وہاں کے تاریخی و مقدس مرکز صوبہ قابوکی (TOP KOPI) پر ترکی بھنڈ ہراتے ہوئے دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اتر آیا، زمین پر سر رکھ کر سجدہ شکرانہ ادا کیا، اور اپنے ہاتھوں رسول ﷺ کی پیشین گوئی کی تکمیل پر اللہ کی حمد و ثناء کی، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ فتح نے زمین پر سجدہ کیا اور اپنے سر پر اس شکر میں مٹی ڈالی کہ اللہ نے یہ شرف اس کو نصیب فرمایا۔

محمد الفتح ظہر کے قریب اپنے وراء و امراء سلطنت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تھا، سینٹ صوفیا کے رجب کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر آیا، اس عالی شان معبد میں داخل ہو کر جس

میں یہ رہ سو برس سے تین خداؤں کی پرستش ہوتی تھی، خدائے واحد کی تقدیس کے لئے یہ بہ جود ہوا، اس نے ایک عالم کو جو اس وقت اس کی رفقت میں تھے، حکم دیا کہ وہ بند آواز سے اذان دیں، نماز عصر پڑھی گئی اور اعلان ہوا کہ جمعہ کی پہلی نماز جامعہ صوفیہ میں پڑھی جائے گی۔

حضرت اور ترک نہ ادا بھی یوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ محمد افاتح مرحوم کا قسطنطنیہ میں فتح نہ داخلہ اس طرح ہو لیکن اس کو پھر یہاں اپنی ضرورت ہے کہ خلیج کوزنجیروں سے ناقابل عبور بنا دیا گیا تھا، اب جو حصہ غلط ہوا، تاجیہ، اس پر اہل و عیال کا قبضہ تھا، قدیم قسطنطنیہ پر بیزنطینیوں کا ادھر حصار سخت تھا، محمد افاتح کا بحری بیڑا، بحر اسود کی طرف سے بیڑہ مرمرہ (MARMARA) سے آ رہا تھا، خلیج قرن مذہبی کے دہانہ کو بیزنطینیوں نے اس ڈر سے لوہے کی زنجیروں سے بند کر دیا تھا کہ ان کو بحیرہ مرمرہ کی طرف سے محمد افاتح کی فوجوں کے آنے کا ڈر تھا، محمد افاتح نے غلطی کشتی پر پچاس کشتیوں کو پھسل کر قسطنطنیہ کی طرف سے خلیج اقرن الذہبی (GOLDEN HORN) میں اتار دیا۔ اور اس طرح ایک ناممکن عمل کو ممکن کر کے دکھا دیا، صبح بیزنطینیوں کو اچانک معلوم ہوا، کہ محمد افاتح کی کشتیاں خلیج میں موجود ہیں، لیکن یہ بات قسطنطنیہ کی فتح کے لئے کافی نہ تھی، محمد افاتح سخت مزاحمت کر کے تقریباً ایک ہفتہ میں اپنی فوجوں کے ذریعہ سیدنا ابویوبؓ کی طرف سے قسطنطنیہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا، شہنشاہ قسطنطنیہ خود معرکہ کی قیادت کر رہا تھا، اس نے اپنی مرثیہ جو یہ صرہ کی امتیازی پوشاک تھی، تار سر پھینک دی، اور ترکی فوج کے بڑھتے ہوئے صوفیان میں ہنس کر رڑتا ہوا مارا گیا۔

حضرات! مجھے بڑی خوشی ہے کہ ابھی ترکی میں محمد افاتح کا نام زندہ ہے اور شاید کسی ترکی سلطان اور ترک شخصیت کا وہ احترام اور اس سے وہ محبت نہیں جو سلطان محمد افاتح سے ہے، میں جب بچوں کا نام پوچھا تو اکثر ”محمد افاتح“ سننے میں آیا، میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس نام کو زندہ رکھیں اور اپنے بچوں کا نام تین و تہ کا محمد افاتح رکھا کریں، شاید کسی سعید بچہ اور نوجوان کے دل میں وہ جذبہ پھر انگڑائی لے اور فوجی و سیاسی حیثیت سے نہ سہی اور دینی و دعوتی اور فکری اور اصلاحی راستہ سے پھر وہ اس ملک کا محمد افاتح ثابت ہو ایک فرانسیسی مؤرخ صبیہ GIYAH نے سلطان محمد افاتح کے دو سو سال بعد اس کی حکومت کی تاریخ پر کتاب لکھی ہے، اس

میں لکھا ہے کہ ”دنیا کی تمام مسیحی اقوام کو یہ تمنا اور دعا کرتی چاہئے کہ دوبارہ روئے زمین پر سلطان محمد فاتح جیسا حکمران اور فاتح نہ پیدا ہو“ محمد افغانی کتاب کے مصنف ڈاکٹر سام ابرشید اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”اس نے مقصد میں ہر مسلمان کو یہ تمنا اور دعا کرتی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دوبارہ سلطان محمد فاتح جیسا طاقتور اور عبقری شخص نصیب فرمائے۔“

دوستو اور بزرگو!

محمد فتح کی اس تاریخ ساز اور عہد آفرین کامیابی اور فتح کے بعد پچھو وہ دور آیا کہ اس ملک نے پورے عالم اسلام کی تولیت کی ذمہ داری اٹھائی، تاریخوں کے حمد (ساتویں صدی ہجری، تیرھویں صدی عیسوی) سے عالم اسلام پر مال ہو گیا تھا، اس وقت تاریخی خاتمہ مسلمان ہوئے، وسط ایشیا کی تاریخی اہل قومن کی ایک شاخ نے ترقی میں اسلامی حکومت قائم کی، یورپ سے ایک بڑے رقبہ پر اس عثمان نے قبضہ کر لیا، سلطان سیم اول (۹۱۸ھ - ۹۲۶ھ - ۱۵۱۲ء - ۱۵۲۰ء) نے زمانہ میں مصر کی فتح کے بعد ترکوں کا حجاز پر بھی قبضہ ہو گیا، اور اس نے خاندانِ حرمین الشریفین کا لقب حاصل کیا، یہ شرف سیم کے بعد اس کے جانشینوں کو چار سو برس تک حاصل رہا، حرمین شریفین کی خدمت کا شرف جب سیم کو حاصل ہوا تو آخری عباسی خلیفہ الملوکل نے جو قہر میں مملوک سدھین کے زیر سایہ خاموشی و شہوت کے ساتھ مکر حقیقتاً بغیر کسی اختیار و اقتدار کے زندگی بسر کر رہا تھا، خلافت کے تمام حقوق و امتیازات بھی اسے تفویض کر دیے اور مقامات مقدسہ، حرمین شریفین کی کنجیاں، نیز آثار نبویہ (تلو، راسم و رچا دار) کو بطور سند خلافت اس کے حوالہ کر دیئے، اس تاریخ نے سدھین عثمانی ”خلیفہ“ کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے اور خطبوں میں ان کا ذکر بے حیثیت امیر مومنین کے ہونے لگا۔

ڈاکٹر عزیز صاحب مصنف ”دولت عثمانیہ“ لکھتے ہیں کہ ”اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت دنیا نے اسلام کی خلافت کا حق بھی ترکوں کو یہ ہو نچتا تھا، کوئی دوسری اسلامی سلطنت طاقت و وسعت میں دولت عثمانیہ کے برابر نہیں تھی، یہی سلطنت تمام دوسری سلطنتوں سے زیادہ شریعت و ملت کی حفاظت کی طاقت رکھتی تھی، ورنہ تقریباً ڈیڑھ صدی سے جہاد کا فرض دے کرتی آ رہی تھی چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سلطان سیم کی خلافت کا اعلان کیا گیا، تو دنیا بھر کے اسلام کے کسی گوشہ

سے اس کی مخالفت نہیں ہوئی۔“

اس وقت سے مصر و شام، فلسطین، حجاز، ویمین اور عراق سب خلافت عثمانیہ کے دائرہ میں داخل ہو گئے، اس چار سو پانچ سو برس میں ساری دنیا میں اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، سلطان عبدالحمید ثانی کے وقت تک کوئی مقامات مقدسہ پر نظر اٹھانے کی جرأت نہ رکھتا تھا، ترکوں نے حجاز مقدس کی بھی خدمت اور توہیت کا فرض انجام دیا، مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی موجودہ عمارت سلطان مراد کی بنائی ہوئی، اور مسجد نبوی کی تعمیر و تزئین سلطان عبدالحمید اول کا کارنامہ ہے جو ۱۲۶۵ھ-۱۲۷۱ھ میں انجام پایا۔

حرمین شریفین کے ساتھ ترکوں نے مسجد اقصیٰ و ربیت المقدس کی بھی حفاظت کا فرض انجام دیا، میں نے ان ج سید امین احسین مفتی اعظم فلسطین سے خود سنا ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک وفد سلطان عبدالحمید خان سے ملا، اور اس نے کہا کہ اگر آپ قدس اور فلسطین میں ہمیں اپنا مرکز و وطن بنانے کی اجازت دے دیں تو ہم ترکی سلطنت کا سارا قرضہ ادا کر دیں گے۔ سلطان عبدالحمید خان نے زمین سے مٹی کی ایک چٹنی اٹھائی اور کہا ہم فلسطین کی خاک میں سے اتنا بھی تم کو دینے کے لئے تیار نہیں، پھر اپنے محافظ قسر پر خطاب آمیز نظر ڈالے اور کہا اس کے کوس نے میرے پاس آنے کی اجازت دی؟

آپ یاد رکھیں کہ یورپ نے ترکی کو کبھی قبول نہیں کیا، یہ وہ نواہ ہے جو اس سے نہ نکل گیا، نہ اگلا کیا، پہلے اس نے بلقان کی ریاستوں کو بغوت اور اس سے جنگ پر آمادہ کیا، اور ترکی کے بہت سے علاقے یورپ کے قبضہ میں چلے گئے، پھر جنگ عظیم اول (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) میں اتحادیوں نے ترکی کو اپنے ساتھ شامل نہیں ہونے دیا، وہ مجبور جرمنی کے ساتھ شامل ہوا، اتحادیوں نے اس کے حصے بحرے کرینے اور اس کے بیرونی مقبوضات پر قبضہ کرینے کا پورا منصوبہ بنایا، جس کے نتیجے میں شام، فلسطین، لبنان، اردن (جو سب شام کا جزو تھے) اور عراق پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا، یمن ترکی کا مرکز و راست یورپ کے قبضہ میں کبھی نہیں گیا۔

لیلین اب یورپ نے اپنا نقشہ جنگ بدل دیا ہے اب اس نے حملہ اسلحہ جنگ اور فوجی طاقت کے ذریعہ سے نہیں، کلچر، ذرائع ابلاغ (PUBLIC MEDIA) نظام تعلیم اور افکار و نظریات کے ذریعہ شروع کیا ہے یورپ، ترکی کو مسلمان نہیں دیکھنا چاہتا، اس نے زیر زمین

سرتک بچھ رکھی ہے، جو کام وہ اپنی فوجوں اور توپوں کے ذریعہ نہیں کر سکا وہ اندرونی ذرائع سے کر رہا ہے، عصر حاضر کے مشہور فلسفی مورخ (ARNOLD TOYNBE) نے لکھا ہے کہ عربوں کے کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی روایت تاریخی طور پر صحیح ہو یا بے بنیاد، اب کسی کو تاریخی ذخیرہ کو جلانے یا کسی زبان و ثقافت کے مٹانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط کا بدل دینا کافی ہے، اس طرح ملک و قوم کا رشتہ ماضی سے کلی طور پر منقطع کیا جاسکتا ہے، یورپ و امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کی کوشش ہے کہ ترکی و دوسرا اسپین بنادیا جائے، اس لئے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، فتح مصر صحابی رسول سیدنا عمرو بن العاصؓ کی اس حکیمانہ وصیت اور تلقین و ہمیشہ زمانہ اور ہر اسلامی ملک میں یاد رکھنے کی ضرورت ہے جو انہوں نے مصر و کلیہ فتح کرینے کے بعد ایسی حالت میں کی کہ مصر کے قدیم باشندے جو ق درجوق، سلام قبول کر رہے تھے اور "ید حلوان فی دین اللہ افواحا" کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا، ملک کی زبان، تہذیب و رہنمائی ختم کر دیا، خطا بھی بدل رہا تھا، مساجد تعمیر ہو رہی تھیں اور شعائر اسلام بند، جزیرۃ العرب سے قریب ہونے و اسلامی فتوحات کے سیلاب اور اس کی پے درپے کامیابیوں کے پیش نظر بظاہر اس کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ مصر اسلامی اقتدار کے دائرہ سے خارج ہوجائے گا، لیکن انہوں نے اپنی اپنی ذہانت، دور بینی اور اس فراست کی بنا پر جو صحبت نبویؐ کی برکت سے ان کو حاصل ہوئی تھی، مسلمانوں اور عرب فتحین سے کہا "انتم فی رباط دانہ" تم انکی صورت پر سرحد و محاذ جنگ پر کھڑے ہوئے ہو اور دانگی نہ کہ بندی کی حالت میں ہو، اس لئے کہ براعظم افریقہ کی ساری قوموں، غیہ مسلم حکومتوں اور آبادی کی نکالیں تمہارے اوپر ہیں، ان کے دل میں اس طرف مائل ہوئے ہیں کہ ملک کو پھر قدیم حالت میں لے آیا جائے۔

اب سوال یہ ہے یہ اس ملک و ملت کو اسلام سے وابستہ پیوستہ رہنے کی ترایب یا ہے اس کے لئے دعوت کے میدان کے تجربہ کاران کے تدبیر اور تاریخ کے وسیع و عمیق مطالعہ کی بنا پر تین باتیں عرض کرتا ہوں، ان کو غور سے سنئے۔

ترکی کے مسلم عوام میں ایمان و عقیدہ کی طاقت و طاقت پہنچا دیے (جس کی یہ ٹرپیں اس نے خاستر میں بہر حال موجود ہیں) ان کے دینی شعور کو بیدار و متحرک بنانے کی ضرورت ہے ان مسلم عوام کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کے لئے نرم جوشی یک ایسی بند اور مستحکم فسیل

اور اسد م کا آہنی حصار ہے، جس کی بدولت بہت سی مسلم (یہودی اسلام) قیدیوں اور حکومتوں کو کھل کر کفر کا راستہ اختیار کرنے اور اپنے ملکوں اور ماتحت مسلم قوموں کو فکر والی دے کے آغوش میں ڈال دینے کی ہمت نہیں ہو سکتی، خدا نخواستہ اگر کسی دن یہ حصار ٹوٹ گیا اور مسلم عوام کا رشتہ اور ان کی روحانی وابستگی اسلام سے ختم ہو گئی تو پھر ان ملکوں میں اسد م کے بقا اور تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں، اور ان ملکوں کو اسپین اور روسی ترستان بنا دینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، یہ خام مال ہے جس سے بہترین انسانی مصنوعات تیار کی جاسکتی ہیں (RAW MATERIAL) ہے، جس سے بہترین انسانی نیری کام لیا جاسکتا ہے، صد ماحمیوں اور قابل اصلاح پہلوؤں کے باوجود یہ وہ انسانی مجموعہ ہے جس پر پیغمبرانہ توجہات اور اہل قلوب اور اہل خصوص کی تخیل صرف ہوئیں ہیں، اور وہ آج بھی اپنے خصوص قلب، اپنی محبت، نرم جوش اور ایثار و قربانی کے جذبہ اور صلاحیت میں دوسری انسانی جماعتوں اور مذہبی قوموں سے فائق و ممتاز ہے۔

اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ ان عوام کی زندگی میں سد م پورے طور پر کار فرما اور حکمران ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يا ايها الدين اموا! ادخلوا في السد م كافة ولا تتعوا خطوات الشيطان

انه لكم عدو مبين (سورۃ بقرہ ۲۰۸)

مومنو! اسد م میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح

دشمن ہے۔

کامل ایمان مطلوب ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی میں سو فیصد مسلمان ہونا چاہئے، دس فیصدی بیس فی صدی اسلام پر عمل کرنے سے کام نہیں چھے گا، یہ نسبت تعظیم میں، مذمتوں میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں چل سکتی ہے، عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنا، فرائض و عبادات کا پابند ہونا، اور بعض اسلامی شعائر و علامتوں کا مل ہونا کافی نہیں، ضروری ہے کہ معاشرت بھی اسلامی و تمدن بھی اسلامی ہو عائلی قانون (PERSONAL LAW) میں بھی شریعت کے احکام پر عمل ہو، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کئے جائیں، پھر اسکے ساتھ دین کی محبت کے

ساتھ دیہ کی حمیت بھی ہونی چاہئے۔

ایمان عوام کا بڑا محی فہم اور تفصیل ہے، یہ وہ قلعہ ہے جو آسانی سے فتح نہیں ہو سکتا، اس سے پہلے کام یہ ہے کہ پوری قوم کو پوری طرح مسلمان بنانے کی کوشش کیجئے، اس کے لئے دعوت عام کا راستہ اختیار کیجئے۔ نقل و حرکت، خطاب و دعوت اور سفر و ان کی صعوبت برداشت کیجئے۔ اور حضرت ابو ایوب انصاری کے کلمے سے ہلق نیٹے کہ انہوں نے (حبیبہ کہ میں نے عرض کیا ہے) آنحضرت ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہونے پر ہمہ وقت صحبت اور محبات حبیبہ کے ساتھ (جن کی اللہ نے ان کو توفیق دی) اب مکملہ اندازہ دین کی اشاعت کے لئے بڑی عمر میں بھی باہر نکلنا ضروری سمجھا اور مدینہ سے چل کر (جس میں بہ مسلمان بزم کرنے اور اس کی خاک پاک میں جگہ پانے کی آرزو ہوتی ہے) بحر و بر طے کر کے قسطنطنیہ جیسے دور دراز مقام پر تشریف لائے اور اس کو اپنا آخری مرقد بنایا۔

آئندہ نسل کی فکر کیجئے

دوسرا کام یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی کوشش کیجئے، ایسا نہ ہو کہ آپ کی آئندہ نسل صرف ترقی زبان جانے، صرف سرکاری اسکولوں میں اس کے تعلیم پائی ہو، دین کے بارے میں اس کی کچھ معلومات نہ ہوں، اگر آپ سب کے سب ولی اللہ اور تہجد گزار بن جائیں (اور خدا ایسا کرے) تب آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم سے غفلت برتی تو خطہ موجود ہے، آپ کے بعد مسجدوں کو نواہر کے، کامیابیت کا یہ تسلسل جو کومن جانب اللہ و رحمتی داعیوں اور مبلغوں، علمائے ربانین و رفقاء و سر فروش مجاہدین اور فاتحین کے ذریعہ حاصل ہوا، ایسے قائم رہے گا؟ آپ دیکھتے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جو خود انبیاء کی قیامی پشت میں تھے، ان کے والد ماجد حضرت اسحاق پیغمبران کے عم نامدار حضرت اسماعیل پیغمبر اور ان کے جد بزرگوار حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی مرتبت پیغمبر اور انبیاء تھے، ان کے گھر میں سوائے توحید خاص اور عبادت الہی کے اور کسی چیز کی فضا اور ہوا نہ تھی، شرک اور بت پرستی کا سایہ بھی اس گھر پر ایک صدی سے نہ پڑا ہوگا، لیکن بقول شاعر

مشق است و ہزار بد کمائی

انہوں نے اس کو کافی نہ سمجھا اپنے فرزندوں و اسول اور پوتوں کو جمع کیا اور ان سے کہا،

ماتعدون من بعدی

(تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے)

وہ زبانِ حال سے کہا، میرے پیاروں! میری پیٹھ قبر سے نہ لگے گی، جب تک میں یہاں سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں کہ تم میرے بعد کسی کی بندگی کرو گے؟
مجھے یقین ہے کہ ان کے ان سب فرزندوں اور فرزندوں کے فرزندوں نے یہی کہا ہوگا کہ
واہ صاحب! داداجن! نانا جان! یہ بھی کوئی چوچھنے کی بات ہے۔؟ آپ نے ہمیں تعلیم یہ دی؟
اور ہم نے ساری عمر کیا دیکھا اور کیا کیا؟

بعدالہک والہ ابائک ابراہیم و اسماعیل و اسحاق الہا واحدا

ونہن لہ مسلمون

(ہم آپ کے معبود، آپ کے چچا اور دادا اسماعیل و اسحاق اور آپ کے دادا جان حضرات
ابراہیم کے معبود کی پرستش کریں گے، جو اکیلے پرستش کے قائل ہے اور ہم اس کے آگے
سر جھکانے والے اور فرماں بردار ہوں گے۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے اس نازک وقت میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو
عام طور پر بزرگ خاندان اپنے وارثوں سے سکرات کے ایسے نازک وقت میں کہا کرتے ہیں،
نہ اتنا اتفاق کی بات، نہ کسی دفتینہ اور خزانہ کی خبر، نہ قرض و مطالبات کے بارے میں ہدایت، نہ
شریعت نہ زندگی گزارنے کے متقین، اس آیت بات "ماتعدون من بعدی؟" انہیں صرف
ایک بات کی فکر تھی کہ ان کے بعد ان کی اولاد ایمان اور دین صحیح پر قائم رہے، اور خدا کے واحد
کی بندگی کرنے اور انہیں اس وقت تک اطمینان نہیں ہوا۔ جب تک انہوں نے اپنی اولاد
سے اس پر قائم رہنے کا اقرار نہیں کر لیا۔ ہر ملک کی موجودہ مسدس کے لئے یہی اسوۂ نبویؐ
، سنت انبیاء اور دین و ایمان کا تقاضہ ہے۔

تیسری بات جو مجھے یہی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا دین پر عمل کرنا مبارک، یہ نقل و حرکت،
دعوت و تبلیغ مبارک، دینی مدارس میں فقہ و حدیث اور عربی کی تعلیم پانا اور قرآن مجید کا حفظ و تجوید
مبارک اور اپنے بچوں کے دین و ایمان کی حفاظت کی فکر کرنا بھی مبارک لیکن ایک بات اور ہے

جو کچھ ہم اہم نہیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھنی چاہیے کہ جو طبقہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پڑھا ہے، (اور وہی تعداد میں زیادہ وراثت و رسوخ میں بڑھا ہوا ہے) اور جو نوجوان یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس آ رہے ہیں، یہی طبقہ ہر ملک میں ملک پر حاوی اور با اثر ہوتا ہے وہی قیادت کرتا ہے وہی پلاننگ (منصوبہ بندی) کرتا ہے وہی ملک کا رخ متعین کرتا ہے اس کا طرز زندگی ملک کا عوامی فیشن بنتا ہے ملک کا نظام تعلیم ذراغ ابلاغ اسی کے قبضہ میں ہوتا ہے وہی خوب و ناخوب اور ”ناخوب“ کو خوب بناتا ہے اور آخر میں ملک کے نظم و نسق پر حاوی ہو کر آئین سازی اور یقیناً LEGISLATION منصب پر فائز ہو کر وہ جس چیز کو چاہتا ہے اس کو اجازت دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اس کو ممنوع اور خلاف قانون قرار دے دیتا ہے اس طرح پوری قوم اور اس کی معاشرت و تمدن اس کی نسل کا مستقبل، یہاں تک کہ (اللہ محفوظ رکھے) دینی فرائض کی ادائیگی، شہر اسلامی اور مدارس و مساجد اور اس کا ملکی قانون (PERSONAL LAW) اس کے رحم و کرم پر رہ جاتا ہے، یہ بہت سے آزاد مسمک ملک کا تجربہ ہے جن کی کثرت مسلمان ہے، بلکہ وہ ملک تقریباً کلیہً کشتی مسلمان ہے اور ابھی وہ ممالک مسلمین اور دعوت اسلامی کا عظیم ترین مرکز رہ چکے ہیں، اور اب بھی وہاں بڑی بڑی جماعت قائم ہیں، ان کے نام مینے کی ضرورت نہیں آپ خود ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

مسلمانانِ ترکی کی اہم ذمہ داری

اس نئے آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ اس طبقہ کو ہرگز بہتر نظر انداز نہ کیجئے، فکری و فنی ذمہ داری کے ذریعہ موثر رابطہ اور ان کی نفسیات اور جمعی درجہ کے مطابق اسلام کی تفہیم و راستی ضرورت و عظمت کو ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے۔ ورنہ ان کے اوپر و درمیانوں کو یونانی و شعوری طریقہ پر اسلام کی بددلت اور اس کی تعلیمات کی صداقت اور اس کے ہر زمانہ میں قیامت کی صداقت پر مطمئن نہ کیجئے، یہاں رہے یہ زمانہ فطریات و فکر اور چین اقوامی تعلقات کا زمانہ ہے، اس نئے علمی و فکری سطح پر کام کرنے و رجحان یہ طبقہ و (جو بر سر قیادت ہونے کو ہے) اس بات پر مطمئن اور اس کا قائل کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام حق دینی کائنات دہندہ اسلام ہے حق زندگی گزارنے کا واحد راستہ ہے ورنہ یہ دنیا فراق و موتی کے راستہ پر چل کر خود فراموشی اور ہائیر

خودکشی کی منزل کی طرف جارہی ہے۔

و صدق اللہ العظیم

ولا تكونوا كالذين سوا الله فانهم انفسهم اولئك هم الفاسقون
اور ان لوگوں جیسے نہ ہوتا، جنہوں نے خدا کو بھل دیا تو خدا تعالیٰ ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں
بھول گئے یہ بدکردار لوگ ہیں۔ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اجازت چاہتا ہوں

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

المیہ فلسطین سے تین سبق

یہ تاریخ ۱۰ نومبر ۱۹۶۷ء کو مدینہ منورہ میں مدرسہ ثانویہ طیبہ سے ہاں میں ٹی، ان جیسے میں
صدر اسلام سلاوی سے بعض مقتدر ارکان، جامعہ اسلامیہ کے سائنس اور شہر کے حکیم یافتہ اصحاب تھے، ہاں
حاضرین سے پھراتھ۔

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

حقیقی خیر خواہی

میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ سے کچھ صاف باتیں کروں جو باتیں کہیں
پوری قوت، پورے یقین اور پورے اعتقاد سے ہوں، آپ حضرات نے مجھ سے جس حسن ظن
اور مجھ پر جس اعتقاد کا مظاہرہ کیا ہے، آپ کا یہ اعتقاد میری طرف اسی ہوں آپ کی نگاہیں،
میری آواز پر گئے ہوئے آپ کے کان اس کے متقاضی ہیں کہ میں صاف گوئی سے کام لوں،
”محاممت“ اور مدہانت نہ کروں بلکہ سچائی، کھری باتیں کروں اور اپنے گھر اور خاندان کے
افراد کے ساتھ ”محاممت“ نہ کروں۔ سب؟ ہر انسان اپنے بھائی بندوں اور اپنے خاندان
والوں سے اپنی محبت رکھتا ہے یہ محبت کی صاف گوئی پر مشہور رہتی ہے، خاندان کا سربراہ افراد
خاندان سے غاصبیاں نہیں کرتا۔

مجھے اجازت دیجئے کہ آپ سے کچھ صاف صاف باتیں کروں اور پناہ درود دل آپ
حضرات کے سامنے کھول کر رکھ دوں۔

حادثات سے عبرت پذیری

اندھے نے انسانوں کو جن اوصاف اور صلاحیتوں سے آراستہ فرمایا ہے، ان میں سے
سب سے اہم حادثات سے عبرت پذیری اور زندگی کے تجربات سے نفع حاصل کرنا ہے، یہ

صدقہ حیات اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی بہت بڑی اور بہت اہم دوست ہے، اس سے تہذیب و تمدن، علوم و فنون اور صنعت و تجارت تمام میدانوں میں آگے بڑھنے کا راستہ کھولا ہے، اسی نے حفاظت اور دفاع کی راہیں دکھائی ہیں اور عزت و حرمت کی حفاظت کے طریقے سکھائے ہیں اور انسان تو روزمرہ کے معمولی واقعات سے سبق حاصل کرتا ہے، اور نتائج اخذ کرتا ہے، اور پورے طور پر اپنے فرائض کو ادا نہیں کرتا اور اپنے عزت و شرف و راپے دین و ایمان کی مناسبت اور مکمل حفاظت بھی وہی انسان بہتر طریقے پر کر سکتا ہے، جو زندگی کے حادثات، واقعات سے صحیح نتیجہ اخذ کرے، ان سے سبق حاصل کرے، اور زندگی کے میدان میں ان سے فائدہ اٹھائے۔ یہ وصف تو انسان کی فطرت اور اس کے خمیہ میں شامل ہے، ایک بچہ اگر زندگی کا بالکل ابتدائی مرحلہ طے کر چکا ہے اور عقل و شعور کی ابتدا ہو چکی ہے، وہ بھی اگر آگ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے، اور اس کی انگلی جل جاتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے سبق حاصل کرتا ہے، اس کے دوسرے دو ماٹھ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اگر کبھی آگ کی طرف ہاتھ گیا تو انگلی ضرور جل جائے گی اور اس کو خطرہ پیش آئے گا، اسی کو علم استقراء کہا جاتا ہے، جزئیات سے کلیات کی طرف انتقال اسی کا نام ہے اور یہی علم ہے جس نے انسانیت پر بے شمار احسانات کئے ہیں، اور علم و حکمت اور ایجاب و اختراع کے میدانوں میں بہت فائدہ پہنچایا ہے، آپ حضرات تاریخ کا علمی اور تحقیقی مطالعہ کرنے والے ہیں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یورپ نے صنعت و حرفت اور علوم و فنون میں جو طویل مسافت طے کی ہے، وہ ظن و تخمین اور اندازوں سے نہیں بلکہ اسی علم و استقراء کی بدولت کی ہے۔

مومن، انسانیت کا اعلیٰ معیار

ایک مومن تو انسانیت کا اعلیٰ معیار اور مثالی نمونہ ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ عقل سلیم میں سب سے فائق ہو اور زندگی میں پیش آنے والے اور اپنے جھیلے ہوئے یا جانے ہوئے واقعات و حوادث سے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ سرعت کے ساتھ اس کا ذہن صحیح نتائج اخذ کرے اور اپنے آپ بار بار ایک ہی خطرہ کی زد پر نہ آنے دے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے ”لایلدغ المؤمن من جحر مرتین“ (مومن ایک سوراخ سے دوبار

نہیں ڈسا جاتا، عقل و ہوش والے کسی بھی انسان سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایک ہی سوراخ میں دو بارہ یا سہ بارہ ہاتھ ڈالے، لیکن مومن جو انسانیت کا اعلیٰ معیار ہے، جس میں انسانی صفات کے بہترین مظاہر نظر آتے ہیں، تمام انسانی خوبیوں کے جلوے نظر آتے ہیں، اسی سے بدرجہا اس کی توقع کی جانی چاہئے کہ وہ ایک دھوکہ کا بار بار شکار نہ ہو۔

منافق کی نفسیات

اور چونکہ ایک منافق کی نفسیات یک مومن کی نفسیات کے بالکل خلاف اور اس کی ضد ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ حادثات اور انہم اور نتیجہ خیز واقعات سے بہت کم فائدہ اٹھاتا ہے، چنانچہ اللہ کا فرمان ہے ”اولا یروا انہم یفتنون فی کل عام مرة او مرتین ثم لا یتوبون ولا ہم یدکرون“ (کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہ وگ سال میں ایک بار یا دو بار آزمائے جاتے ہیں، پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ سبق حاصل کرتے ہیں) دوسری جگہ ہے ”کلما ردوا الی الفتنۃ ارکسوا فیہا“۔

منافق کی فطرت اور اس کی نفسیات مومن کی صحیح، سیم اور بے داغ فطرت سے متضاد ہوتی ہے، ایمانی فطرت کا تقاضا ہے کہ حادثات سے عبرت حاصل کر کے ایک ہی خطرہ کا دو بارہ شکار نہ ہو، لیکن منافقین کی فطرت، فطرت سیم کے برعکس ہوتی ہے، اسی وجہ سے اندھ تھوڑے سے ان کی صفت بیان کی ہے کہ وہ مصائب، امیوں، جھڑیوں اور سخت سرزنش سے بھی متنبہ نہیں ہوتے، نہ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں، اور نہ ان بڑی بڑی غلطیوں سے ہی کچھ عبرت حاصل کرتے ہیں، جن کے نتیجہ میں بہت دنوں تک تلخ گھونٹ پینے پر مجبور ہوتے ہیں، اور پوری زندگی ان کی بڑی مہنگی قیمت ادا کرتے رہتے ہیں۔

فطرت سلیم کی خلاف ورزی

ایک فرد اگر اس فطرت سلیم کی خلاف ورزی کرتا رہے، اور تجربات کو ہمیشہ پس پشت ڈالتا رہے تو اس سے صرف ایک فرد کو نقصان پہونچے گا، لیکن وہی فرد جتنا ممتاز مقام رکھتا ہے، اور اس کو اپنے ساتھیوں دوستوں اور اپنے معشرہ کا جتنا اعتماد حاصل ہے، اسی قدر اس کو نقصان ہو

کا، اور قوم اور سب کو نقصان پوری قوم پر پوری سب کو محیط ہوگا۔

حالیہ واقعات کا روشن پہلو

جسکی توضیح و تشریح یاں حاشیہ آرائی کے محتاج نہیں، ہم میں سے ہر ایک اس کو اپنی طرف جانتا ہے، اس کی کئی محسوسات ہیں، اور ایک مسکن و ثابت سے ہیں، آپ لوگوں کے تمام مصائب و کیفیات میں شریک ہیں، ان حقائق کی ادرونی قیمت و قدر سے تو یہیں کہ ایمان سے سبق حاصل کریں، اور ان کے صحیح، یقین، احسان اور غور و نظر سے، ان کے المناک حادثہ جس کے ہم نے اپنے ذات و وقار اور اپنے عداوت سے مراد ہے، قیمت ادا ہے، اس کا کوئی مدد دہن لگاتے، اور یہیں کوئی روشن پہلو نکالنا ہے، اس سے محبت، نیکی، و سبق حاصل کریں، میں اس سے بہت سی تفصیلات کر رہا ہوں، جو کہ اس موضوع پر کوئی بھی بات نہ کرے، یہ بات یہاں اور مشہور و معروف مضمون ہے، ممکن ہے اس سے اکتاہٹ پیدا ہو جائے۔

ان المناک حادثات کا سب سے یہ نتیجہ جس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، یہ ہے کہ لادینی اور محمدانہ قیادتیں ناکام ہو چکی ہیں۔

لا دینی اور محمدانہ قیادتیں ناکام

ان حادثات نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے، اس میں شک و شبہ کوئی نہیں رہ گئی ہے کہ لادینی قیادتیں جو عربوں، مسلمانوں، و قبائل پر مسلط ہوئی تھیں، اپنے ناکام ہو گئیں، اگرچہ میں اس کو ترجیح نہیں دیتا، یہ ہے کہ شد و پروگرام سوچے، لیکن اس کا وابستہ اور رادہ کارستانیوں اور سازشوں کا نتیجہ ہے۔

یہ قیادت صرف فلسطین کا مسئلہ نہیں، بلکہ ان کا نہیں، بلکہ ان کے بددینی قوموں کی حفاظت اور ملک کی عزت و وقار و ان کے حدود کی حفاظت میں بھی ناکام رہی۔

کہا جاتا ہے کہ ان ترقی پسندانہ نظریات پرانی قیدوں کو پھیر دیتا ہے، چاہے، بہ ترقی یافتہ، متمدن اور انقلابی عہد کے ہوں، ان کے ساتھ ہم آہنگی کی کوشش کر رہی ہیں، اور یہ مرد

وہیں عوام کو تسلیم نہیں کرتیں، بلکہ صرف موجود اور مرئی حقائق پر یقین و اعتماد رکھتی ہیں، ان کو اس کا موقع ملنا چاہئے کہ وہ درپیش مسائل اور عرب قوم کی قیادت کے میدان میں اپنا کردار ادا کریں، تو یہ بھی ہو چکا، اللہ نے ان کو میدان میں آنے اور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کا پورا پورا موقع دیا، دان و بینا پروردگار کی اس میں بھی ایک حکمت ہے کہ یہ قیادتیں اپنے ترش کا آخری بہترین، تیز ترین اور قوی ترین تیز بھی استعمال کر کے دیکھ لیں، تاریخ کے کسی زمانہ میں بھی ملتا ہے، یا جن تک قرآن کی رسائی ہوسکتی ہے، اور جن کا وجود روئے زمین پر ممکن ہے اور ان تمام اسلحہ سے مسلح ہوں جن سے روئے زمین کی کوئی بھی طاقت بہرہ ور رہی ہے، قدرت نے کسی چیز میں خل نہیں کیا، ان کی آرزوؤں میں رکاوٹ نہیں ڈالی، رائے عامہ کی تشکیں، ادب و سہافت کے استعمار، اداروں کی تنظیم اور نظریات و خیالات کی ترویج و شاعت کے لئے ان کو جدید بہتر اور موثر ذرائع و وسائل مہیا کئے گئے، اللہ کی حکمت بالغہ، جس کی گہرائی اور گیرائی کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا، کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ طاقتیں جو اپنے کو اس مہم کی قیادت کا اہل سمجھتی تھیں اور قوم کی رہنمائی کی دعویٰ کرتھیں اس زمانہ کی بہترین ایجادات و اختراعات ان کی دسترس میں ہوں اور وہ ان کو استعمال کر کے بھی دیکھ لیں، قیادت کا میدان ان کے لئے خالی ہو اور بغیر کسی خطرہ یا رکاوٹ کے پورے سہاروں سامان ذہن و دماغ اور اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ ان کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملے، یقین اس کے باوجود ان کو انتہائی شرم و شکست سے دوچار ہونا پڑا، اس کی مثال، انسان کی تاریخ نہ ہا جائے تو بھی ماز کم مسم تاریخ میں نہیں ملتی۔

عرب قوم اور مسلمانوں کے دامن پر بدنماداغ

آج کے وہ قائدین جنہوں نے عرب اقوام کے مسائل اور خاص طور پر مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کا دعویٰ کیا تھا، یہ انسانی تاریخ کے ناکام ترین قائدین میں ہیں، مشیت الہی نے انہیں شہر اموقع دیا تھا، جوش و نادر ہی کسی قائد کو ملتا ہے، ان کے لئے میدان بالکل خالی تھا، راہ کی ساری رکاوٹیں ختم ہو چکی تھیں، جن سے یہ گھبراتے تھے، وہ بھی میدان چھوڑ چکے تھے، یقین نتیجہ کیا ہوا؟

انہوں نے عرب قوم کے دامن پر ایسا بدنماداغ لگا دیا ہے، جسے سات سمندوں کا پانی بھی

نہیں دھو سکتا، یہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے دامن پر بد نما داغ ہے۔
اس حادثہ کا یہ سب سے پہلا اور اہم سبق ہے، اسے فراموش نہیں کرنا چاہئے

عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت

عرب قوم پر اللہ کی عنایت اور خاص رحمت یہ ثابت ہوئی کہ خلاف اسلام رجحانات و نظریات رکھنے والے قائدین کو اس کا موقع ملا کہ وہ اپنے عزائم کو بروئے کار لائیں اور اپنے بنائے ہوئے پروگرام اور نقشوں کے مطابق عمل کر سکیں، اور پھر ناکام رہیں، عرب قوم کے لئے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ہمیشہ اسلام کے پیغام کے ساتھ مربوط رہیں، اور اسی کی زیر سایہ ترقی کریں، حیرت انگیز طریقہ سے عرب کے سیاسی استیلا پر یہ رہنما نمودار ہوئے جنہوں نے عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت کی اور اسلام اور مسلمانوں کو پردہ کے پیچھے دھکیل دیا اور طویل مدت میں یہ بھی ممکن تھا کہ قدرت کی طرح ان کے راستہ میں رکاوٹیں ڈال جائیں اور یہ اپنے منصوبوں کے مطابق کام نہ کر سکتے، لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ ان کو پوری آزادی ملی اور جو جی میں آیا کرتے رہے، یہاں تک کہ عربوں کی نگاہوں میں روز روشن کی طرح یہ بات روشن ہو گئی کہ عرب کی بھلائی ان کے بس کی بات نہیں، اور یہ قیادت بد توفیق، منحوس، بے نتیجہ اور بانجھ ہے۔

رسول اللہ کے حریفوں کا عبرت ناک انجام

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی مخالفت کرنے والوں، آپ کی عالمی اور ابدی قیادت کو چیلنج کرنے والوں اور نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کا ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے، قرآن کی آیت کریمہ: **ان شانک هو الابر** (بیشک آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہونے والا ہے) کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و حسد رکھنے والے اور آپ کی قیادت سے اختلاف کرنے والے قریش کے کسی اجڑا اور اکھڑ شخص کے لئے مخصوص نہیں مانتا، اسی طرح ”ابر“ میرے خیال میں صرف نسلی اور نسبی انقطاع ہی کا نام نہیں، بلکہ اس کا مفہوم اس سے بہت وسیع ہے، اس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ:

”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بھی آپ کا مخالف ہو، آپ سے دشمنی رکھے آپ کی
ملکیر قیادت کو چیلنج کرے، آپ کی قیادت سے قوم کا تعلق منقطع کر کے ان کی گردنوں پر خود
مسبط ہو جائے اور قوم کے ذہن و دماغ سے روح نیت کے مبارک عنصر کو خارج کر دیا جائے، اس
کا انجام ہے بد توفیقی، ناکامی، ذلت گمنامی، اور بے نشانی۔“

یہی انجام ہوا مسلمہ کذاب کا، اسود بنی کا، طلحہ اسدی کا، سجاح کا، ابوطہر جنابی کا، عبید
بن میمون کا، حسن بن صباح کا، بہاء اللہ ایرانی اور غلام احمد قادیانی کا، اور اسلام سے بغض
و عداوت رکھنے والے انتہا پسند قوم پرست یڈروں کا بھی ہر زمانہ میں یہی انجام ہوا ہے، اور جو
شخص بھی اس امت پر ناجائز طور پر اور زبردستی غلبہ حاصل کرے گا اور امت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی ابدی قیادت سے الگ کرنے کی کوشش کرے گا، اس کا انجام بھی وہی ہوگا، قرآن نے جس
کی خبر دی، اور تاریخ سے جس کی ابدیت ثابت ہے۔

مفسرین کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، انھوں نے اس آیت کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے،
اس کے اعتراف و احترام کے ساتھ میں اس آیت کے مفہوم کو اس قدر محدود نہیں سمجھتا، میرے
نزدیک اس کا مفہوم وسیع ہے، اور یہ آیت اعلان کرتی ہے کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر
حریف و رقیب اور آپ کی قیادت کو چیلنج کرنے والے ہر بد نصیب کا یہی انجام ہوگا۔“ تاریخ،
عقل سلیم اور حوادث سے صحیح نتائج اخذ کرنے والا ہر شعور ذہن ان رہنماؤں کو اس ناکام تجربہ کو
دوبارہ دہرانے کی اجازت اور اس کا موقع ہرگز نہیں دے سکتا، انسان کی انفرادی زندگی میں بھی
ناکام تجربات کا دہرانا خطرناک ثابت ہوا کرتا ہے، اور قوم کے قائدین کی غلطیوں کا اعادہ تو قوم
کے مستقبل اور اس کے انجام کے لئے انفرادی زندگی کے محدود نقصان سے کہیں زیادہ مضرت
رساں اور تکلیف دہ ہوگا۔

دوسرا سبق، خود غرض اور مفاد پرست رہنما

خود غرض اور مفاد پرست رہنماؤں کا یہ طریقہ جو اپنے نفس کی پرستش اور اقتدار کی اونچی
کرسیوں کے سامنے سجدہ ریزی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں جو اپنے اغراض اور اپنی
خواہشات کی تکمیل میں کسی چیز کو معیوب نہیں سمجھتے، جنھیں نہ دین و مذہب کا خیال ہے، نہ

انسانیت کا پاس، نہ افراد کی آزادی کا لحاظ نہ دین و مذہب اور نہ آخرت پر یقین، نہ اپنے ذاتی فوہ کے سامنے کسی قومی و ملکی مصدحت کی فکر، نہ دوسروں کے خیالات و نظریات و رسوم و ضوابط پر اعتماد، نہ ان کا لحاظ، جو خود ”اعلیٰ اقتدار“ اور افکار و نظریات کے بت تراشتے ہیں، پھر انھیں کے سامنے سر بسجود ہو جاتے ہیں اور ان کے سامنے کی رہے، کسی نظریہ و خاطر میں نہیں آتے، اس قسم کے رہنما اور سربراہ اپنی قوم کے ناموں کا نتیجہ ہیں، اور اسی کے پاس میں ان پر مسلط سمجھے گئے ہیں قرآن ان کی شیخ اور اپنی تصویر کشی کرتا ہے۔

ومن الناس من يعحك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه، وهو الدال حصام، وإذا تولى سعى في الارض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد وإذا قيل له اتق الله أخذته العزة بالإثم فحسبه جهنم، ولئیس المهاد، بقرہ ۲۰۴ ۲۰۶.

بعض انسان ایسے ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں بڑی بھلی مٹی ہے، وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں، حالانکہ وہ سخت جھگڑا دیں اور جب وہ قیامت پر آتے ہیں تو زمین میں ان کی سرسری اس سئے ہوتی ہیں کہ اس میں فساد پھیل گیا، میں اور بنوں اور بھیتوں کو برپا کر دیں، اور اللہ فساد پسند نہیں کرتا، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو غرور و کونہ پر آہ وہ کرتا ہے ان کے لئے تو بس جہنم ہی کافی ہے ورنہ بہت ہی بڑی جگہ ہے۔

ان لیڈروں کی اس سے بہتر اور پکی تصویر اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس کا ایک ایک جزو ان پر منطبق ہو رہا ہے، ان کی چکنی چپڑی باتیں، سننے، انسانیت، آزادی جمہوریت، اشتراکیت، انسانی حقوق اور معاشرتی انصاف جیسے موضوعات پر ان کی ان کے حواریین و ران کے سروں کی رواں اور فصیح و بلیغ عبارتیں پڑھنے، عرب ملک کے کسی بھی مرکز سے بہترین اور دن نواز نشریات سننے، اخبارات میں شائع ہونے والی ان کی وجہہ و شکل تصویریں دیکھنے، آپ تعجب کریں گے کہ یہ وجہہ اور بارعب سورہ یا سرائیل سے شکست کھا سکتے ہیں؟۔

اگر آپ قرآن کی تصدیق اور اس کی عملی تفسیر چاہتے ہیں تو ذرا اخبارات میں مڑتے واقعات کی تفصیل پر ایک نظر ڈال لیجئے اور ان حوادث سے ان رہنماؤں کے دل و دماغ پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں، ان پر غور کیجئے وراہی طرح قرآن کی یہ آیت پڑھئے۔

و اذا رايتمهم تعجبك احسامهم وان يقولوا تسمع لقولهم . كانهم
حسب مسندة يحسبون كل صيحة عليهم هم العدو فاحذرهم .

مفسرین *

قرآن و دیکھو تو ان کے جسم تم کو بھتے نہیں کہ وہ پتھر ہیں تو تم ان کی باتیں سنو گے
جیسے وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہر آواز انہی کے خلاف ہے، وہی دشمن ہیں
ان سے محتاط رہو۔

قرآن کی اس آیت میں ان کی حقیقی تصویر پوری طرح و مجسم شکل میں آ جاتی ہے
وہ قرآن کا ابدی معجزہ ہے۔

حالیہ واقعات سے ملنے والا یہ دوسرا سبق ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ ”جب یہ قبو پاتے ہیں تو ان کی ساری سرسرمیاں زمین میں فساد پھیلنے
اور جان و مال برباد کرنے کے لئے ہوتی ہیں“ ذر ان سبوں میں جان و مال بربادی پر نظر
ڈالئے جہاں یہ خود سر اور خوف خدا سے آزاد حکمران مسط ہو گئے ہیں، جو جدید فتنوں اور
شیطنی نظریات کا پرچار کر رہے ہیں، انھوں نے اپنے سبوں کو بالکل خالی کر دیا ہے، جیسے موسم
خزاں میں سرسبز و شاداب درخت پھووں اور پتیوں سے بالکل خالی ہو جاتے ہیں، مصیبت کے
مارے یہ ممالک بالکل ویران ہو گئے ہیں، تمام دینی و دنیاوی نعمتوں سے خالی، ان میں نہ بڑے
بڑے سردار رہ گئے ہیں، نہ وہاں ہرین جن پر علاقہ فخر کرتا تھا، ان ممالک میں نہ آزادی ہے نہ خود
اعتمادی۔

ناقابل تلافی نقصان

خود اعتمادی جو انسان کی بہترین دوست ہے اور ہر زمانہ میں انسان سے متمتع ہوتا رہا ہے،
یہاں تک کہ قدیم فرما نرواؤں اور خاموں نے بھی ان سے یہ دولت چھینی، یمن نام نہاد
جمہوریوں اور ”ترقی پسند قیادتوں“ نے مسم اور عرب اقوام کو اس دولت سے بھی محروم کر دیا، ان
کی خود اعتمادی جاتی رہی، ان کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہ اپنی عقل پر نہ اپنی کارگزاریوں پر، طالب
علم میں اگر خود اعتمادی نہ ہو تو کتنا ہی ذہین ہو امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتا، فوج کا ایک یہا

سپاہی اگر تلوار نہ رکھتا ہو تو کوئی زیادہ فکر کی بات نہیں، بدوق نہ ہو، کوئی حرج نہیں، گویا ختم ہو جائیں، جب بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں لیکن اُسر اسے اپنے اوپر اعتماد نہ ہو، اپنے اصول و نظریات پر اعتماد نہ ہو، اپنے دین پر اعتماد نہ ہو تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔

اس قوم کو جو بچنے والا سب سے بڑا نقصان پہنچ رہا ہے، جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اقوام و مل کی مثال رواں دواں نہ ہوں جیسی ہے، اس میں جھگڑا نہ تھا ہے، پھر آتے رہتے ہیں ہلکڑیاں بھی بہتی رہتی ہیں، اور نہری روانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

فاما الزبد فیدھب جفاءً واما ما یجمع الناس فیمکث فی الارض

(المرعدہ ۱۷)

جھگڑا خشک ہو کر اڑ جاتا ہے اور جو انسانوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین پر ٹھہر جاتا ہے۔

زندگی میں نہ مصائب و آلام کی چنداں اہمیت ہے نہ شکست و ناکامی کی اہمیت ہے قوم کی خود شناسی اور خود اعتمادی کی، ضمیر کی بیداری کی اور سرد و پیش کے صحیح شعور و ادراک کی۔ لیکن جب قوم کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ اسے فتح و شکست کا فرق ہی نہ محسوس ہو، اس کا شعور اتنا خام ہو کہ دوست و دشمن میں تمیز نہ کر سکے، اسے دشمن سے عداوت ہو، نہ دوست سے محبت، تو ایسی قوم خود ہی اپنے لئے خطرہ اور اپنے آپ کی دشمن بن جاتی ہے۔

ہماری موجودہ قیادت نے ہم کو صلاحیت اور قوت کے خزانہ سے عاری اور بے بہرہ کر دیا ہے، حالانکہ اسی کی بدولت ہم نے تاریخ کے ہر دور میں ایسے حملوں اور مصیبتوں کا سامنا کیا ہے کہ کسی دوسری قوم و مان سے سابقہ پڑتا تو وہ تاریخ کے صفحات کی زینت بن کر رہ جاتی، لیکن اس امت نے پختہ ایمان، زندہ شعور، اور اسی خود اعتمادی کی وجہ سے تاریخ کے ہر موڑ پر بڑے بڑے مہیب اور مہلک حملوں کا مقابلہ کیا ہے، ایک شکست خوردہ فوج بھی اگر ایمان، اور ایمانی اور نبوی تربیت کے پیدا کردہ اسلحہ سے عاری نہ ہو تو اس کی ہمت پست نہ ہو سکتی، اور بالآخر کامیابی اس کے قدم چومے گی، کیا آپ نے غزوہ حراء، الاسد کا واقعہ نہیں پڑھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) دشمنوں سے چور غزوہ احد سے واپس ہوتے ہیں، انہوں نے بھی میدان جنگ کے رد بھی نہیں جھاڑی ہے، اسی کٹھن موقع پر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر قریش سے دو بدو ہوئے کا حکم دیتے ہیں، کامیابی کے نشہ میں جن کے دماغ آسمان پر پہنچ رہے تھے۔

دنیا کی کسی بھی فوج کو اتنے زخم لگے ہونے ہوں تو وہ دوبارہ حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتی تھی، لیکن وہ لوگ دوبارہ مقابلہ کے سے بڑھے، اگرچہ مقابلہ نہیں ہوا، کیونکہ قریشی الئے پیروں واپس ہو گئے۔

تیسرا سبق

ان حوادث سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری زندگی غلط پٹری پر پڑ گئی ہے، اور ضرورت اس کی ہے کہ ہم پہلی فرست میں اس کی تلافی کریں، جب تک یہ غلطی باقی ہے، جب تک کشتی میں کوئی سوراخ ہے، جس سے پانی ابل رہا ہے، زندگی کی کشتی خطرہ سے باہر نہیں آ سکتی، آج عرب اقوام اور ان کی قیادتوں کی مثال اسی کشتی کے سواروں جیسی ہے، جسے کے پینہ میں سوراخ تھا، اور پانی آ رہا تھا، لیکن کشتی کے سوار خیالی بحری قزاقوں سے بچنے کی فکر میں تو پریشان رہے لیکن اس سوراخ سے غافل رہے، ایسی کشتی اور ایسے سواروں کا انجام کیا ہو سکتا ہے؟

”شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر“

حکومتوں اور انسانی معاشرہ کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے، ایک قوم اٹھتی ہے، اور ایک طاقتور اور شان و شوکت کی حکومت قائم کرتی ہے، ابتدا میں ان کی طبائع پر جرأت بہادری، استقلال اور متانت کا اثر غالب رہتا ہے، وہ دھن کے پکے اور محنت و مشقت کے عادی ہوتے ہیں، پھر ان میں کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے، ان کی ہمتوں اور ان کے عزائم میں گھٹن لگ جاتا ہے، رفتہ رفتہ یہ روگ رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے، پھر یہ قومیں ہوا و ہوس اور خواہشات نفسانی کو چھوٹ دے دیتی ہیں، عیش و تنعم اور تفریحات کے وسائل و اسباب بہت زیادہ ہو جاتے ہیں، موسیقی، ورقص و سرور، تصویریں اور... جذبہ کوسکین دینے والے دوسری اشیاء کی کثرت ہو جاتی ہے، یہاں کی حکومت اور قومی عزت و شرف کا آخری وقت ہوتا ہے، اقبال نے اسی تاریخی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

آجھ کو بتوں میں تقدیر ام کیا ہے
شمشیر و سناں اول صاؤں ورہا پ تھر

جب پورامی شاہ، یورپی قوم و راجہ طبقہ اس قسم کا شکار ہو جائے، وہ جو معجب قصے
اور وریش و شہرت میں ڈوبا رہے، اپنی مذق و بھیدی اور متانت، اور اس بہانے، اس
کا من و بہادری، مردانگی، عزیمت اور استقامت پر ترجیح دینے کے واسطے کافیکہ حوالے تباہی
کے اور یہاں ہو سکتا ہے۔

تاریخ کا ایک ورق

عربی حکومت اور تاریخوں کے حمدی تاریخ دیکھئے، بغداد کے رہنے والے مہارت و قصور
میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں لگے رہے، انوار و اقسام کے کھنوں اور مشروبات
کی ایجاد پر اپنی ذہانت صرف کرتے رہے، جو دلب میں منہمک رہے، نمر زوں اور دوسری شرقی
پابندیوں کا خیال و لحاظ، رخ میں رہا نہیں، مغنیات اور ورق صاؤں کے قص و سرور میں ہمہ
مشغول رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا،

”شرق اقصی کے قرقرم سے تاتاری نکلے اور بغداد کے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب کو معصوم

ہے۔

مغلوں کا زوال

ہندوستان میں مغل حکومت کی کہانی بھی وہی ہی ہے، مغلوں نے ہندوستان میں چار
صدیوں تک اس شان و شوکت اور رعب و قوت سے حکومت کی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ
میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اس نے پورے برصغیر کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنے
زیر نگیں کر لیا، یہاں تمام طاقتیں حکومت کے سامنے جھک گئیں، لیکن جب اس مضبوط حکومت
میں ضعف و پیری کے آثار ظاہر ہونے لگے تو امراء اور مذہداران حکومت کی حالت یہ ہو گئی کہ
نہیں تفریحات اور دل بہانے والے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی، وہ ہر وقت غم و غم
شان و شوکت اور پیش و تنعم میں مشغول رہتے تھے، نادر شاہ جس نے ایران میں نئی اور جوان

ہمتِ صلہ مت قائم کی تھی، اس نے ہندوستان پر بہت چھوٹے اور معمولی لشکر کے ساتھ مدد کیا۔ اس کو کہیں سے کسی قسم کی امداد یا کمک کی امید نہیں تھی، اور چاروں طرف سے ہندوستانی و مقامی طاقتوں اور فوجوں سے گھرا ہوا تھا، یہیں وہ سخت جان و محنت و مشقت کا سامنا کر رہا تھا، اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے مغلیہ بادشاہ محمد شاہ و ملکی حاکمات و شہنشاہات میں بہت سی وجہ تے از تنبیہ کے باعث مشہور تھا، جب اس ملکہ شاہ نے ملکی وینٹن کی چوٹ پا گیا اور حسرت بھرے لہجہ میں کہہ

شربت انعام بالصورت نادر گرفت

اپنی غلطی تلاش کیجئے

نہیں جسے اپنی مصلحتی سی لہو وعت بھییں وہ بزرگ ہمت و فطرت اور دماغ پیور سے ہیں ۔
زندگی میں تلاش رنی چاہتے ہیں رشتہ کاروں سے رشتہ پیور ۔ زندگی میں پیور
وہ ہی مدت کی خدمت و اس کی جی ٹی ۔ شب و رات بار و متاثر ہو کر اس کی سب سے
بھری نہیں دی جو حق سے یہ نہیں کے یہ وہی سیدہ ہمت پیور سے اپنی سب سے
سینہ و کار کا اوج آئے اور کارزار حیات میں زندگی اور اس کے اصل علاقے کے خد
زندگی اور ہمارے رفیق رنی کے ساتھ اور مسلسل و متواتر اخلاقی و ادبی کام سے
بڑا خدمت ہے۔ رو میول اور ایرانیوں کے خلاف قدموں جو ان کامیابیوں کا شہنشاہ کے یہاں
رہین منت ہی ہے، میں اتنا متاثر ہوں کہ سب سے پہلے ہاتھ دھو لیکن ان کی وقت و ادب
کے اسباب میں ایک اہم سبب ان عربوں کی خست و خونی بھی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انی امت کے سب سے زیادہ ساری نصرت خدا بن
خطاب کی تاکید تھی ”سخت ہو جاؤ“ گھوڑوں کی منہ پیچھا رہو اور آپس برسو رہو“ میں آن
ہماری زندگی میں سخت کوشی کہیں؟

عرب نوجوان کا ماضی اور حال

عرب و جہاں مشرقی قوم و مرقی نے زندگی میں حسرت و تپ اور محنت و مشقت پرانے

کرنا سکھایا تھا، عیش و عشرت سے بے نیازی، شدائد کی برداشت اور پہادری و شہسواری میں تمہاری زندگی مثالی سمجھی جاتی تھی، ہم ہندوستان سے آتے ہیں تو ہماری آنکھیں ان اسیل اور برق رفتار گھوڑوں کو تلاش کرتی رہتی ہیں، جن کا ذکر بار بار اور کثرت کے ساتھ دیوانہ مارے، عربوں کے اشعار اور ان کی قدیم داستانوں اور حدیث اور سیرت کی کتابوں میں پڑھ چکے ہیں۔ لیکن کہاں ہیں، آج وہ شوخ و شنگ گھوڑے دروہ مارے، درجہ جری شہسواری؟ آج ہماری صورت یہ ہے کہ ہم چند قدم پیدل نہیں چل سکتے، دھوپ میں چند سمیں شاق نذرنا ہے، ان قسم کی شقیہ تکلیف برداشت کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔

ذرا یہودی نوجوانوں کو دیکھئے اور اپنی حالت سے ان کی حالت کا مقابلہ کیجئے، مجتہد مفتی مین الحسینی (مفتی اعظم فلسطین) یہاں موجود ہیں، ان سے یہودی کی حالت معلوم کیجئے وہاں یونیورسٹی کے ہر طالب علم کے سامانہ چھٹیوں میں ایک متعین مسافت پیدل دھوپ میں طے کرنا ضروری ہے، یہ یہودی پہلے سستی، کاہلی و رزاکت میں مشہور ہوا کرتے تھے مین آج دنیا بدل گئی۔

تفریحات اور لہو و لعب کی طبعی خصوصیات

ان تفریحات اور لہو و لعب کی طبعی نوعیت ہے، سستی، کاہلی، پست ہمت، ہل چندی، ان اخویات بھری زندگی کا طبعی انجام ہے، شاکست و ناگاہی۔ ہمیں چاہئے کہ فتح و شکست کے ان اسباب کو تلاش کریں جو قرآن نے بیان کئے ہیں، رسول اللہ نے بیان کئے ہیں، اور جن کو مسلم قائدین نے ہمیشہ حرز جان بنایا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

عالم عربی، اہل مغرب کی آماجگاہ کیوں؟

عالم عربی دنیا کے سہائیت کا دھڑا تھا جو اس نے جو بے بدقسمتی سے اہل مغرب کی نگاہوں کا مرکز، ان کی خوشامیختی کا دگوار قیادت و پیدائش ہے۔ اُسے مقصد کا میدان بنادیا گیا ہے جو اس کی قیادت میں اس کی حفاظت، امن و استحکام کا میدان ہے۔ یہ میدان ہے جس کی یہ دنیا کی رہنمائی ہے۔
عالم عربی ہے جس کی حالت کا جاریہ پیش رفت ہے۔ عرب کی ترقی جو اس کی قیادت اور دنیا کے سہائیت کا دھڑا ہے۔

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اماعد

عالم عربی کی اہمیت:

دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالم عربی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا۔ اس کے سینہ میں دولت و طاقت کے عظیم اشن خزانے محفوظ ہیں، اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی و صنعتی جسم کے لیے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ و امریکہ اور مشرقِ جمید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر پورے عالم اسلامی کا رخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدا نخواستہ اس کو تیسری دعائی (جنگ کا میدان بننا پڑے۔ وہاں طاقتور بازو ہیں، سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جنگجو جسم ہیں، وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابل کاشت زمینیں ہیں۔

مصر وہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار مدنی، زرخی و شادابی، دولت و ترقی تہذیب و تمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے، جس کی گود میں دریائے نیل رواں دواں ہے۔ یہاں فلسطین ہے اور

سب کے ہمسایہ ممالک ہیں جو اپنی آب و ہوا کی لطافت و حسن و خوبصورتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔

اس کے پاس عراق ہے جو اپنی بہادر فوج، سخت جانی شجاعت، عزیمت اور پیروں کے ذخیرہ کی وجہ سے مشہور ہے۔

یہاں پر یہ سب ہوا اپنے روحانی مرکز، یعنی اثر میں سب سے منفرد ہے جس کے جگہ کے ساتھ جبراع کی اشیاء، دنیا میں نہیں، جہاں تیل کی چشمے سب سے زیادہ تیل پیدا کرتے ہیں۔ یہ سب تجزیہ کرنے والوں نے سمجھ لیا ہے کہ اہل مغرب نظر کا مرکز، ان کی خواہشات کی آواز، تار و قیادت ہے۔ آپ کے لیے مقابلہ کا میدان بنا دیا اور جس کا رد عمل یہ ہوا کہ ان ملکوں میں "بقدرت اور وطن پرستی کا شدید احساس پیدا ہو گیا ہے۔"

محمد رسول اللہ عام عربی کی روح ہیں:

یہ مسلمانوں کا سربراہ ہے جس نے دنیا سے دیکھتے ہوئے سب سے اور ایک یورپیوں کی نظر میں آسمان کے عالم سے ہے۔ وہ عربیوں پرست سب کا نام عربیوں کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ ایک مسلمان کی نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔

مسلمان عام عربی کا سربراہ ہے۔ یہ اسلام کا بہرہ ہے، انسانیت کی یہ گود ہے۔ ان کی قیادت کا مرکز ہے روشنی کا مرکز ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عام عربی کی جان، اس کے عزائم، اقتدار کا مرکز اور اس کا سنگ بنیاد ہیں۔ اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجود فرمایا ہے۔ تو اپنے تمام وقت ذخیرہ اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاشہ اور ایک نقش بے رنگ سے زیادہ نہ ہوئی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جس کی وجہ سے عالم عربی عام وجود میں آیا۔ اس سے پہلے یہ دنیا منقسم اور منتشر اکائیوں، بانام دست و ریاں قبیلوں، نامہ مقوموں اور بے مسرف صلاحیتوں کا دور آنا تھی، اس پر نہیں و مراثی کے باطن چھانے ہوئے تھے۔ عربی روئی شہنشاہی سے جنگ موں مینے کا خواب بھی نہیں دیکھتے تھے۔ اس کا تصور نہ تھا جس نے اسے لیے مشکل تھا۔ شاہد ہو چکا ہے میں عام عربی کا بہت اہم حصہ ہے۔ یہ پوپا عربی نوآبادی تھی جو مطلق اعنان حکومت اور سخت نگرانی

ڈیٹیر شپ کے رحم و کرم پر تھی، اس نے ابھی تک آزادی و انصاف کا مفہوم ہی نہیں سمجھا سکا۔ عراق کیانی حکومت کی اغراض و خواہشات کا شکار تھا، نئے نئے محاصل اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے اس کو جھج گئی تھی۔ رومی مصر کے ساتھ ایک گانے کا سہرتاؤ کرتے تھے جس کو وہ بنے اور فائدہ اٹھانے میں وہ کمی نہ کرتے لیکن چارہ دیتے وقت حق تلفی اور بخل سے کام لیتے۔ پھر وہ سیاسی استبداد کے ساتھ مذہبی استبداد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ افعت اس متفق منشا مصیوم و تنیہ پر اسلام کی باد بھاری کا ایک تھونکا چل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اس وقت یہ عربی دنیا بدست کے قریب تک پہنچ چکی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کی شیعہ کی فرمائی، اس کی نبضیں دوبارہ تھیں آپ ﷺ نے اس کو زندگی بخشی روشنی عطا کی کتاب و علمت کی تعلیم دی تزکیہ کا سبق پڑھایا آپ ﷺ کی بعثت کے بعد اس دنیا کی نوعیت بدل گئی، اب وہ اسلام کی سفیر تھی، امن و سلامتی کی پیہر تھی، تہذیب و تمدن کی سمبر دار تھی، قوموں کے لیے رحمت کا پیغام تھی۔ اب ہم شام کا نام بھی لے سکتے ہیں، عراق کا ذکر بھی کر سکتے ہیں ہم مصر پر بھی فخر کر سکتے ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت نہ ہوتی تو آج نہ شام کا تئیں پتہ ہوتا نہ عراق کا کہیں ذکر ملتا نہ مصر کا وجود ہوتا اور نہ عربی، نہ مغربی ہی نہ ہوتا اور یہیں تک نہیں، نہ ہی تمدن و شائستگی، علم و فن تہذیب و ترقی کی اس تلخیر نہ ہوتی۔ اب اگر عرب قوموں اور حکومتوں میں کوئی دین اسلام سے مستثنی ہونا چاہتا ہے سیاست و حکومت میں مغربی دستور اور مغربی قوانین کی پیہر کی کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اپنا قہر، امام، رہبر اور اسوہ و معیار نہیں سمجھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی نعمت و فوہر واپس کرے اور اپنے پیہر دور جاہلیت کی طرف واپس چلا جائے جہاں رومیوں اور ایرانیوں کا منہ چلتا تھا، جہاں علم و استبداد کا بازار گرم تھا، جہاں سامرائی کی فرمانروائی تھی، جہاں جہل و مہرانی تھی، جہاں غفلت اور بیکاری تھی، جہاں دنیا سے الگ تھلک گنہمی کے گوشہ میں ایک مجہول زندگی گزاری جا رہی تھی، اس لیے کہ یہ شاندار و درویشانہ تاریخ، یہ تابناک تہذیب، یہ بازار اب، یہ عرب سلطنتیں اور حکومتیں صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کا فیض اور آپ کی آمد کا نتیجہ ہیں۔

ایمان، عالم عربی کی طاقت ہے۔

اسلام، عالم عربی کی قومیت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے امام اور قائد ہیں۔ ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسہ پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتح کر لیا۔ اس کی طاقت کا راز اور اس کا کارگر، ہتھیار جو کل تھوکتی آج ہے جس کے ساتھ وہ دشمنوں سے جٹ کر سکتا ہے اپنی ہمت کی حفاظت کر سکتا ہے اور وہ اس تک اپنا پیچھا مچا رہتا ہے۔

عالم عربی کو اگر کمینوزم یا یہودیت سے جٹ کر سکتا ہے یا کسی اور کے ان کے ماتحت بدلتا ہے تو اس وقت کے بل بوتے پر جٹ نہیں کر سکتا جو یہودیوں کو دھمکتا ہے یا امریکائیوں کو خیمات دیتا ہے یا پیروں کی قیمت لے کر اس کو حاصل ہوتی ہے، وہ سپہ سالار کا مقابلہ ہے۔ اس ایمان معنوی قوت، اس روح اور امپائر کے ساتھ رہتا ہے جس کے ساتھ یہی اس نے بیک وقت رومی و ایرانی حکومتوں کو جنگ کی ہمت کی تھی اور فتح حاصل کی تھی۔ وہ اس کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا جس و زندگی سے عشق و موت سے نفرت ہو، اس کے مقابلہ میں کر سکتا جو عیش و عشرت کا دلدل ہو اس عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا جس و شب و شبہ کا گھن لگ چکا ہو اور افکار و خواہشات باہم دست و پائی ہوں، اس کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ضعیف ایمان اور متشکک قلب اور میدان میں ساتھ چھوڑ دینے والی قوت کے ساتھ میدان جنگ کبھی نہیں جیتا جاسکتا۔

عرب کے قائدین اور عرب لیگ کے ذمہ داروں کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ عربی فوج، کسانوں، تاجروں اور جمہوروں کے ہر طبقہ میں ایمان کی تخم ریزی کریں۔ ان میں جہاد کا جذبہ جنت کا شوق اور ظاہری آرائشوں کی تحقیر و اباحت کا احساس پیدا کریں، ان کو خواہشات نفس اور زندگی کی مرغوبات پر قابو حاصل کرنے خدا کے راستے میں مصائب و تکلیفیں برداشت کرنے، مسکراتے چہروں کے ساتھ موت کے استقبال اور اس پر پروانوں کی طرح مرنے کا سبق دیں۔

شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت:

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ عربی اقوام نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا، خاص طور پر شہسواری ان کی زندگی سے بالکل خارج ہو گئی، جو ایک بہت بڑا نقصان اور میدان جنگ میں ہزیمت اور کمزوری کا بہت اہم سبب ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کی فوجی اسپرٹ جو ان کا طغرائے امتیاز تھی ختم ہو گئی۔ سم کمزور ہو گئے، وک ناز و غم میں زندگی گزارنے لگے، موزوں نے ٹھوڑوں کی جگہ لی اور قریب ہے کہ عربی ٹھوڑے جن کی دنیا میں وہوم نے جزیرہ عرب سے نیست و نابود ہو جائیں گی۔ لوگوں نے ششی، شہسواری، جنگی مشقوں اور ورزشوں کو فراموش کر دیا اور ان ٹھیوں کو اختیار یہاں کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے تعلیم و تربیت کے راہنماؤں کے لیے ضروری ہے کہ عرب و جوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، سادہ، استقلال، عزیمت اور مصائب پر صبر و استقامت کی اہلیت پیدا کریں۔

امیر مومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ٹی ملیک میں اپنے عرب بلال کو لکھتے ہیں۔

ایاکم و التعم وری العجم وعلیکم بالشمس فانہا حمام العرب و

تمعددوا واحشوا تسوا واحلد لقوا واعطوا لراک استنها و ابروا نروا

واوموا الاغراض (بغوی)

تن آسانی و راحت جلی کی زندگی اور نجی باتوں سے ہمیشہ دور رہنا، دھوپ میں بیٹھنے اور پینے کی عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں کا مما ہے جنہاں سردی و رندہ جہہ کل ملے جہلے پہنے کے عادی رہو ٹھوڑے پر دست اگا کر بہ تکلیف بیٹھنے کی مشق نہی چاہئے نشانے درست ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ارموا بنی اسمعیل فان اباکم کان رامیا (بخاری)

اے اہل عرب تیر اندازی کی مشق رکھو اس لیے کہ تمہارے جد امجد (حضرت اسمعیل

تیر انداز تھے۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

الا ان القوة الرمی، الا ان القوة الرمی (مسلمہ)

یاد رکھو جس قوت کے تیر کھنے کی قرآن مجید میں تاکید ہے وہ تیر اندازی ہے۔
تیر اندازی ہے۔

تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقدمہ کریں جو اسلامی
شیعہ امت کی روح کو مزور کر رہی ہو اور بظرف قیامت پتہ نہ چلے۔ ان کی باتوں کو بھی
اس کی رو سے سمجھیں کہ جو جو جوانوں میں فحاشی، سب بھائی، فحاشی، اور تہمت برتنی کی چیزیں
ہیں۔ ان پیشہ مردوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فحاشی و سب میں منع فرمایا ہے۔ ان کے لیے
دوسرے نام کے قلب و خدائی میں غم و غمناک کرنا چاہتے اور فسق و فسادیت اور فحاشی پر بندھنے
و پندریوں کے لیے خوبصورت اور مزین بن کر پیش کرتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کسی قوم میں مردانگی اور غیرت انسانی کوڑا بن جائے اور اس نے
اپنی سہانیت اور فطرتِ ماری کے خلاف جہاد کرنا شروع کیا تو سب بھائیوں اور اسیانوں
پر چیزیں مردوں کی مسابقت کی تشویش بن جائیں۔ مردوں سے نفرت و عنفیت برہنہ ہو جائے اور
رغبت پیدا ہوئی، اس کا سمت و اقبال سوہ رفتہ رفتہ اس کے نتائج بھی مٹ جائیں۔ یوں ہی
اس کی ترقی کا انجام یہ بھی ہو کہ ہر انسان آج کی راہ پر گامزن نہ ہو اس کا منہ نہ
رہ جائے۔ مگر ان کو ڈرنا یہ کہ ان کی اس راہ پر گامزن نہ ہو۔

طہرتی تقاوت اور اسراف کا مقابلہ:

عربوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے ورہمیت سے دوسرے اسباب کی بدولت
غیر مسلموں کی ہمارے زندگی کے شدید ہتھکڑیاں، اسراف لذت و تواضع اور فحاشی اور فساد
خرابی کی عادت پڑ چکی ہے۔ اس میں کمی اور بیداری کے ساتھ خرچ کے پہلو پہ پہلو اور
و حریفی بھی موجود ہے۔ جب ایک شخص بڑے بڑے عرب شہروں پر فخر کرتا ہے تو اس کی
آنکھوں میں آنسو بھرتے ہیں و سرتر سے تھک جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک حرف و
آدمی ہے جس کو اپنی ضرورت سے زائد تنہا لباس و مصروف نظم نہیں آتا دوسری طرف اس کی
نگاہ ایسے بدوی پر پڑتی ہے جس کو ایک روز کا کھانا و رستر پوشی کے لیے کپڑا بھی نصیب نہیں جبکہ

عرب کے امراء، واصحاب ثروت ہواستے باتیں کرنے والی موٹروں پر سرگرم سفر ہوتے ہیں، اسی وقت چیتھڑوں میں بیٹے ہوئے بچوں اور بچیوں کی ایک فوج سامنے آتی ہے جن کا لباس تار تار ہوتا ہے جو ایک پیسہ کے لیے ان کی موٹروں کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے۔

جب تک عرب ملکوں میں فلک بوس محلوں بہترین کاروں کے ساتھ ساتھ فقیر جھونپڑیاں تنگ و تاریک مکانات نظر آئیں گے، جب تک تھمد و فدا ایک شہر میں شباب پر ہوگا اس وقت تک میوزم کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں، بنگائے جھلڑے ہونا لازمی ہیں، کوئی پروپینڈا اور وقت اس کو روک نہیں سکتی۔ وہاں اگر اسلامی نظریہ اپنے جہاں و استعداد کے ساتھ قائم نہیں ہوگا تو تحریر خداوندی کے طور پر اور رد عمل کے طریقہ پر اس کی جگہ کا خاتمہ و بربت کا قائم ہونا ضروری ہے۔

تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری:

عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت و حرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود بخیل ہو، وہاں کے رہنے والے انہیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت و محنت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں۔ اپنی تمام ضروریات، مصنوعات، غذا، لباس، ہتھیار، مشینیں، آلات حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دست فکر اور مغرب کے پروردہ رحمت اور نمک خوار نہ ہوں۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض نا زری حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لیے جنگ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے۔ جس قسم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے وہ قسم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کا استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے۔ عالم عربی کے لیے یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرچشموں سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے زندگی کا خون اس کو فائدہ پہنچانے کے بجائے اسی کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہنچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انہیں کے سپرد ہوں۔ عالم عربی کے لیے

ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم اور آمد برآمد قومی صنعت فوج کی ٹریننگ اور مشینوں اور آلات حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو۔ ایسے شخص کی تربیت ہی جائے جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت فنی مہارت دیانت اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیں۔

انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی:

نبی مریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جب کہ انسانیت کی شقاوت و بدنیتی انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی اس وقت انسانیت کی صدقہ کا مستدان افراد کی دسترس سے باہر تھ جنکی زندگی ناز و نعمت میں بسر ہو رہی تھی اور جو محنت و مشقت کے برداشت کرنے اور مالی و جانی نقصانات کو جھیلنے کی صدمہ دیت نہیں رکھتے تھے اور جن کے لیے ہمہ وقت عیش و نشاط کا سامان موجود تھا اس وقت انسانیت کو ایسے افراد درکار تھے جو انسانیت کی خدمت میں اپنے مستقبل کو قربان کر سکتے تھے اور منافع سے دستبردار ہو کر اپنے جان و مال عیش و آرام اور اپنے تمام دنیاوی مفاد کو خطرات و مشکلات کے مقابلہ میں پیش کر سکتے تھے، ان کو اپنے پیشہ و تجارت کی سادہ بزاری اور کسی طرح کے مالی نقصان و خطرات کی پرواہ نہ تھی، جن کو اپنے آباؤ اجداد اپنے اپنے دوستوں اور قریاء مندوں کی قائم کی ہوئی امیدوں پر پانی پھیر دینے میں تامل نہ تھا صحت علیہ السلام کی قوم نے جو چھان سے ہاتھ دھوئی نہ تھی ان کی زبان پر بھی جاری ہوتا۔

قالوا یصلح قد کنت فینا مر جو اقبل هذا

اے صالح تم سے تو ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔

جب تک دنیا میں ایسے مجاہد تیار نہ ہوں اس وقت تک انسانیت کا بقا، استحکام اور کسی اہم دعوت کا کامیاب ہونا ناممکن ہے یہ مردار رکھنے والے گنتی کے چند افراد جو دنیا کی صدمہ میں محروم اور کوتاہ قسمت سمجھے جاتے ہیں انہیں کی بندہ ہستی اور جذبہ قربانی پر انسانیت کی فلاح و کامرانی اور عیش و شادمانی کا دار و مدار ہے وہ چند افراد جو اپنی جان کو مصائب میں ڈال کر ہزاروں بندگان خدا کے ابدی مصائب سے بچنے کا سبب بنتے ہیں اور دنیا سے ایک بڑے سروہ و شرف سے خیر کی طرف لاتے ہیں۔ اگر چند افراد کی محرومی و بدانت ایک پوری ملت کے لیے خوشحالی

اور سر فرازی کا باعث ہو اور اگر چھ مال و زر اور تبارت و معرفت کے نقصان اور کھانے سے بے شمار اور اور تعداد انسانوں کے لیے دینی و دنیوی فلاح کا دروازہ کھلتا ہو تو یہ سودا ہر طرح سستا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جس پر سنوئی تمدن کا کوئی وارکار کرنے والا دنیا کی رنگیشیوں کا کوئی جادو نہ چلے گا، یہی لوگ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ہیں جو ان کے فنی مہم سے بھرپور اور تکلانات سے نوس دور تھے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان دعوت کو لے رائے اور آپ نے جدوجہد
وجہ نفشانی کا حق پوری طرح ادا کر دیا، اس دعوت کو ہر انسان چیز پر ترجیح دی جو آپ کے لیے
رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھی، آپ نے خود شہادت سے باطل نہ رہنے کا فیصلہ کیا کی دلفریبیوں کا
آپ پر کوئی جادو نہ چلے گا یہی وہ چیز تھی جو دنیا کے لیے سوہنسنا اور راہنمائی۔

جب قریش کے وفد نے آپؐ سے اس سلسلہ میں گفتگوں اور آپؐ کے لیے وہ تمام چیزیں پیش کیں جو ایک نوجوان کے دل و فریفتہ اور نفسیات رکھنے والے انسان و خوش رطبت تھیں۔ مثلاً حکومت و ریاست، بیس و مشرت، دولت و ثروت، تو آپؐ نے ان تمام چیزوں کو بے تامل ٹھکرا دیا ای طرح جب آپؐ کے چپے نے گفتگوں اور چاہا کہ آپؐ کو اس دولت کے پھید نے اور اس میں حصہ لینے سے روک دیں تو آپؐ نے صاف صاف فرما دیا کہ: ”اب

پچھا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے واسطے ہاتھ میں سورج اور میرے پاؤں ہاتھ میں چاند کر رہے دیں جب بھی میں اس کام سے باز نہیں آسکتا اور اس وقت تک کوشش کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب نہ کر دے یا میں خود اسی سلسلہ میں کام نہ آ جاؤں۔ ” یہی جدوجہد اور قربانی، دنیا کی نفع اندوز ذہنیت سے بے تعلقی اور پرست زندگی کے مقابہ میں تکلیف و مشقت کی زندگی کی ترجیح اہل دعوت کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک نمونہ اور اسوہ بن گیا آپ ﷺ کے اس سلسلہ میں اپنے اوپر تمام عیش و آرام اور راحت و آسائش کے دروازے بند کر دیے۔ خود اپنے ہی اوپر نہیں جلد اپنے پرے خاندان اہل بیت اور تمام عزیزوں کو بھی عیش و عشرت کے مواقع سے مستفید ہونے کا موقع نہیں دیا۔ وہی دُک جو آپ سے زیادہ قریب و عزیز تھے زندگی کے عیش و راحت میں انہیں کا حصہ سب سے کم تھا اور جہاں قربانی میں وہ سب سے آگے رکھے گئے تھے۔ جب آپ کسی چیز کی حرمت کا رد کرتے تو اس کی ابتداء اپنے قبیلہ اور اپنے ہی لوگوں سے کرتے اور جب کسی حق کی باری آتی یا کوئی نفع پہنچتا ہوتا تو اسے لوگوں سے شروع کرتے اور بسا اوقات آپ کے قربات و ارادہ و قبیلہ کے اس سے محروم ہی رہ جاتے۔

آپ نے جب سودی کاروبار ختم کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے چچ عباس بن عبدالمطلب کے کاروبار کو مٹایا اور ان کے تمام سودی منافع کو ختم کر دیا۔ اسی طرح جب جاہلیت کے انتقامات و مطہات کو باطل کرنے آئے تو ربیعہ بن حارث ابن عبدالمطلب کے خون کو پہلے باطل کیا۔ اور جب آپ نے زکوٰۃ کا قانون جاری فرمایا، (جو درحقیقت ایک بہت بڑی مالی منفعت ہے اور تاقیامت باقی رہنے والی چیز ہے) تو آپ نے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے لیے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا۔ مکہ کے دن جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بنی ہاشم کے لیے سقایت زمزم کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا مطالبہ کیا تو آپ نے شدت سے انکار فرمادیا اور عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی ان کے سامنے رکھ دی و فرمایا کہ اے عثمان دیکھو یہ تمہاری کنجی ہے تم اس کو لو آؤ احسان اور وفا کا دن ہے اور اب یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ رہے گی، کوئی اس کو تم سے نہیں لے سکتا، ۱۱ یہ کہ کوئی ظالم اس کی جرأت کرے۔ آپ نے ازواج مطہرات کو زبردستی اور روکھی پھیلی

زندگی گذرنے کی ترغیب دی اور صاف صاف فرمایا کہ اگر تم فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے سے
بے آگاہ ہو تو میری رفقت اختیار کر سکتی ہو ورنہ ناز و نعمت و راحت کے ساتھ تم میرے ساتھ
نہیں رہ سکتیں، اور اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ کر سنایا:

يا ايها النسي قل لا رواحك ان كنت تردن الحيوۃ الدنيا و ربها
فتعالين امتعكن و اسرحكن سراحا حملا و ان كنت تردن الله ورسوله و الدار
الآخرة فان الله اعد للمحسنين منكن اجرا عظيما

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمائیے کہ تم اگر دنیاوی زندگی اور اس دنیا کی بہاریں چاہتی ہو تو
آؤ میں تم کو چھ مہینے کے واسطے اور تم کو خوبی کے ساتھ راحت و آس و آرام دے دوں گا۔
اور اس کے رسول کو اور علم آخرت و تم میں سے نیک سرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر
عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

لیکن اس انتخاب میں آپ کے گھ والوں نے نہ اور رسوں کی خواہش کیا۔ اسی طرح
حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے جب سنا کہ آپ کے پاس کچھ خدمہ خدام آئے ہیں اور
جب کہ ان کے ہاتھوں میں چکی چلانے سے کئے پڑے تھے، آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس پہنچیں کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ایک خادم عنایت فرمادیجئے تاکہ میں کچھ آرام حاصل کر
سکوں تو آپ ﷺ نے ان کو تسبیح و تحمید کی وصیت فرمائی اور کہا کہ تمہارے لئے یہ چیز خادم سے
کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہی معاملہ آپ کا اپنے تمام قرینی رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ تھا
اور جو جتنا ہی قریب ہوتا جاتا اسی قدر اس کی ذمہ داری بڑھتی جاتی۔

ملک کے وقت جب ایمان لائے تو ان کی اقتصاد کی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا، ان کی
تجارت کے دباؤ زاری کا شکار ہو گئی اور بعض اپنے رس املاں سے بھی محروم ہو گئے تھے جس کو
انہوں نے اپنی زندگی میں جمع کیا تھا، ان میں ایسے بھی ایمان لانے والے تھے رحمت و آرام
کے سامان اور آرا کش و زینت کے اسباب بھی ختم کر چکے تھے حالانکہ پہلے ان کی امتیازی شان
یہی تھی کہ وہ زینت و آرائش کے دلداد تھی اسی طرح اس دعوت کے پھیلنے اور اس راہ کی
رکاوٹوں کو دور کرنے کے سلسلہ میں بہتوں کی تجارت برباد ہو گئی اور کتنے اپنے آبائی دولت کے
حصوں سے محروم ہو گئے۔

اسی طرح جب آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور انصار نے آپؐ کا ساتھ دیا تو اس کا شان سے نصیحتوں، ان کے معاملات پر رہنمائی، اور ان کے مسائل کے اپنے پتہ چھوڑنے اور وقت ان کی نگہداشت کے یہ چاہا تو اس کی اجازت نہیں ملی اور مدینوں کی بات سے ان کو متنبہ کیا۔ ارشاد ہوا۔

انفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ

مدینہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے وہاں کی حالت یہ تھی کہ وہاں کے لوگ اپنے اپنے جہاد کی مشقت ورجحان میں لگے ہوئے تھے اور ان کا تعلق جو دنیا کی قوموں سے تھا ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ ان سے متعلق نہیں فرماتا ہے۔

قل ان کان ابواکم و اسافؤکم و احوالکم و اارواحکم و عنسیرتکم و اموالکم اقرب فسموھا و تحارۃ تحسوں کسادھا و مساکن ترضوہا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جہاد فی سبیلہ فترضوھا حتی یاتئ اللہ بامرہ واللہ لایہدی القوم الفاسقین

آپؐ کے والدین، آپؐ کے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری کتابیں اور وہ مال جو تم نے ملا ہے میں اور وہ تجارت جس میں تم کا حق نہ ہوئے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ جس کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ بے شکمبی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

دوسری جگہ فرمایا:

ما کان لاهل المدینہ ومن حولہم من الاعراب ان یتحدفوا عن رسول

اللہ ولا یزغبوا بانفسہم عن نفسہ (البقرہ رکوع ۵)

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں، حق نہ تھا کہ اللہ کے رسولؐ کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لگتی تھی کہ اس کی جان کی پروا نہ ہے۔ محض اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں۔

اس لیے کہ انسانی سعادت کی عمرت انہیں لوگوں کی قربانیوں کے ستونوں پر قائم ہونے والی تھی اور حالات کی تبدیلی میں صرف اسی بات کا انتظار تھا کہ یہ مہاجرین و انصار اپنے و مہاجر انسانیت کی سرسبزئی اور قوموں کی ہدایت و فلاح کا فیصلہ حاصل کریں۔ مہاجرین فرماتا ہے۔

وَلَسَوْفَ كُمْ شَيْءٌ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ (الفرہ ۵۵)

ہم تمہیں ضرور آزمائش میں کے چھ نہ بچھ خوف، بھوک، بے گنوں، جانوں اور پھولوں کی اور نقصان کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

احسب الناس ان يتركوا ان يقولوا آمنا وهم لا بفقون۔
 کیا لوگ اتنا بہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے۔

اگر عرب اس سرفرازی و قبول کرنے سے ہٹچکاتے اور انسانیت کی اس عظیم خدمت میں ترے کام لیتے تو بد بختی اور عام فساد کی مدت اور بڑھ جاتی اور جاہلیت کی تاریکی بدستور دنیا پر چھائی رہتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

الافتعلوه فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔ (الاحقار ۱۰ ع)
 اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ پیدا ہوگا بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا ایک دورِ ابہ پر کھڑی تھی۔ اس وقت دو ہی راستے تھے، یا تو عرب کے لوگ اپنی جان و مال، آس و دل اور تمام محبوب چیزوں کو خطرہ میں ڈال کر آگے بڑھ جاتے اور دنیا کی ترغیبات سے کنارہ کش ہو کر اجتماعی مصحت کی راہ میں رہنا سہا سہا قربان کر دیتے جب دنیا کی سعادت نصیب ہوتی اور انسانیت کی قسمت بدلتی، جنت کا شوق ابھرتا اور ایمان کی ہوا میں چلتیں، یا پھر وہ اپنی خواہشات و مرغوبات و دنیاوی اغرائی مذمت و پیش و انسانیت کی سعادت و فلاح پر ترجیح دیتے تو ایسی صورت میں دنیا کمرابی و بد بختی کے بدل میں پھنسی رہ جاتی اور غفلت و مدہوشی کے عالم میں پڑی رہتی یہی مہاجرین و انصار انسانیت کی بھلائی منظور تھی اس لیے عربوں میں اس نے دولہ پیدا کیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے اندر ایمان و

ایشان کی روح پھونک دی اور ان کو آخرت اور اس کے بے پایاں ثواب کی ترغیب دی تو انہوں نے اپنے آپ کو انسانیت پر قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا اور اللہ کے ثواب اور نوح نسانی کی سعادت کی امید میں انہوں نے دنیا کے تمام پیش و آرام سے آنکھیں بند کر کے اپنی جان و مال کو اللہ کے راستے میں جھونک دیا اور ان تمام چیزوں کو آج یا جن پر لوگ حریصانہ نظریں اٹھاتے ہیں، انہوں نے پورے حصص اور صدقات کے ساتھ راہ خدا میں جانیں، عین اور محنتیں کیں تو اللہ نے ان کو دنیا اور آخرت کے بہتے اجر و نوازاں واللہ بحب المحسنین (اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔)

نیا بیٹ بڑا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ پھنسی صدی عیسوی میں تھی، یہ عام چھٹی اور ہند پر نظر آ رہا ہے جس دور اہلہ پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت تھی، آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم (جس کو رسول ﷺ سے تعلق خاص ہے) میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلتے گئے لیے جان کی بازی لگائے اور اپنی تمام آسائش و ثروت، دنیا کی نعمتوں ترقی و خوشیوں کے امکانات اور اپنے سامان راحت و خطرہ میں ڈال دے تاکہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے جس میں وہ مبتلا ہے اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

۱۱۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عرب بدستور اپنے حقیر اغراض و ذاتی سر بندگی و ترقی، عہدہ و منصب، تنخواہوں کی بیشی، آمدنی کے اضافے و کاروبار کی ترقی کی فکر میں رہیں اور سامان پیش اور اسباب راحت کی فراہمی میں مشغول رہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا اسی زہر بیٹے تار، ب میں غوطہ زن رہے گی جس میں وہ صدیوں سے ہلکے ہو رہی ہے کراٹھے اٹھتے ذہن عرب و جوان بڑے بڑے شہروں میں خوشحالات کے غلام بن کر بیٹھے رہیں، وراثر ان کی زندگی کا محور صرف مادہ اور معدہ ہو اس کے مدد وہ ان کی کوئی اور فکر نہ ہو، اور ان کی تمام جدوجہد صرف اپنی ذاتی زندگی اور اپنی طرفہ الحالی کے گرد چکر کا رہی ہو تو ایسی صورت میں انسانی سعادت کا تصور بھی مشکل ہے۔ بعض جاہلی قوموں کے توجوان ان سے زیادہ حوصلہ مند تھے اور ان کا ذہن ان سے کہیں زیادہ بند تھا، جبکہ انہوں نے اپنے پسندیدہ مقاصد کی راہ میں اپنی تمام راحت و آرام اور اپنے مستقبل تک کو قربان کر دیا۔ جاہلی شعراء ان سے کہیں زیادہ ہمت تھا کہ کہتا ہے

ولو انني اسعى لادنى معيشة
كفاني ولم اطلب قليل من المال
ولكنما اسعى لمجد مؤثل
وقد يدرك المجد المؤثل امثالي

(ترجمہ) ”اگر میں کسی دنیاوی نعمت کے لیے کوشش نہ کرتا تو اسے نہ دے دیتا۔ میں ہی کافی

ہوتا اور اس کے لیے ایسی جدوجہد کی ضرورت نہ ہوتی۔

لیکن میں تو ایسی عظمت کا طالب ہوں جس کی تریں عجب آدموں اور مجھ جیسے آدمی ہی

ایسی عظمت کو حاصل کر لیتے ہیں۔“

دنیا کی سعادت و کامرانی کی منزل تک پہنچنے کے لیے نہ صرف اپنے

قربانیوں سے ایک بڑا قیصر کریں، اس پر بڑے بڑے مہذب و متمدن ممالک تک پہنچ سکتی

ہے۔ زمین کھائی محتاج ہوتی ہے لیکن نہایت ہی زمین کی جدوجہد اس کے لیے کافی ہے۔

دورانی ہے، وہ اپنی انفرادی خواہشوں کے لیے اس کے تمام فوائد و کاموں کو اپنا کر لے اور

انہی زمین میں اسن و سود مکتی پھیلنے کے لیے بہاؤ بن کر رہیں۔ اس کے نتیجے میں فساد و زمین کھ

رہتی ہے۔ یہ کھوارات و آرام کے مواقع نہیں کی ترقی کے لیے نہ اس کے نتیجے میں کچھ

جوں بہت و مسلمان باخسوس حرب و ترقیوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔ یہ ممالک دنیا کی بد

جد اور ان کی قربانیوں سے سرسبز و کھلے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے یہ سب کچھ ہے۔

بدستور ہے۔ اس لیے جو امت حاصل ہوں وہ بہت ہی غنی و کامیاب ہے۔

یہ جو پتہ قریبان کرنا پرے وہ اس کے مقابل میں بہت ہی کم ہے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں

اک جان کا زیاں ہے سوا یہاں نہیں

عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے:

عالم عربی اپنی خصوصیات مکمل وقوع اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلامی قوت کی

داری اٹھانے کا حقدار ہے، وہ یہ سکتا ہے۔ عالم اسلامی کی قیوت کا بیڑا اٹھائے اور مکمل تیاری

کے بعد یورپ سے آنکھیں ملا سکے اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غائب آجائے اور انہیں کوثر سے خیر کی طرف تباہی و بربادی سے امن و سلامتی کی طرف لے آئے یہ جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے یزدروئی مجلس میں کہا تھا۔

”انسانوں کی پرستش سے کمال کر خدا کے واحد کی پرستش میں، دنیا کی تیگی سے اس کی شہادت میں اور مذہب کی ناانصافی سے کمال برآمدن بدل کستہ کی میں داخل رہے۔“

عمر اسلامی کی طرف اپنے بات و بندہ کی حیثیت سے دیکھ رہا ہے اور عام اسلامی کی طرف اپنے یتیم اور بہن حیثیت سے نہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ عمر اسلامی کی قیامت پر رونا رہا ہے۔ اور یہ عالم عربی عالم اسلامی کے سوا دوسرے کا جواب دے سکتا ہے اخص سے معلوم نہایت اور برباد شدہ دنیاویوں کے یہ درد فانی میں مسلمانوں سے فریاد کرتی ہے، خواب بھی یقین ہے کہ بہن مخلص ہاتھوں نے عربی قیامت کی تھی وہی دنیا کی قیامت کو کا فضل انجام دے سکتے ہیں

ناموں اس رتو مینی تو مینی
دارے جہاں راتو بیداری تو مینی
اب بندہ خدای تو زہانی تو مینی
صہبا کے یقین درش وادیں ماں خیز
از خواب براں خواب براں خواب براں خیز
از خواب براں خواب براں خیز
فرید از افندہ وں آویزی افند
فرید از شیرینی و پرویزی افند
عالم ہمہ اوست از چینیزی افند
معدر حرم ہازہ قیامت جہاں خیز!
از خواب براں خواب براں خواب براں خیز

میں اپنے تاریخی ذوق سے مجبور ہو کر آپ حضرات کے سامنے یہ سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ ہے کہ صدیوں تک افغانی قوم دنیا سے بالکل الگ تھلک رہی، انہی میں گذرنے والے خیر و شر، نیب و بد، فتح و شکست اور ظلم و ستم سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

نہ سو و غیور، قیادت کی مانتی زندگی سے بھرپور، دست و بازو کی طاقت، اور جذبہ ہمت و مہمتی کے بہرہ ور، باصلاحیت اور باعزت قوم کے طویل عرصہ تک یہ سب سے بڑا اثر رہا۔ اپنے غور میں بند رہنے، ایک شہر میں محدود رہنے کا راز کیا ہے۔

کیا اس عزت و رکشہ بخشی دنیا سے یہ تھی کہ افغانستان کو یہاں سے دور رکھ دیا گیا۔ اور انہی بنیاد پر مشوار گذار ہیں اور ان کا قبل مینور اور چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔

تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ آج کے ہمارے ہاں سب سے بڑا مسئلہ ہے اور مشوار گذار پہاڑوں کی غازیوں اور محض موقعتیں کی روشنی رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ آپ انسانی و ثقافتی ہیں کہ یہ ناقابل عبور اور پیچ در پیچ راستے جن میں انسان کی عقل و ادب کے بڑے بڑے افغانستان کو بندہ ستان اور پاکستان سے الگ کرتے ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ سطح موعظہ نوکی شہاب مدین محمد غوری اور محمد شاہ ابدان جیسے صاحبِ مہمت پیدا ہوئے یہ اپنی بیویوں یہ خطرات کھائیاں اور یہ مشوار راستے اس دم کے ہیں، وہاں کے سب سے حقیرانہ ثابت ہوئے۔

چہ یہ قوم قید و بند زندگی گزار رہی تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے، انہیں نہ زندگی، نہ یہ قوم اپنی شہادت کے ہو بہو دکھا چکی تھی، اپنی صدیوں کا مفہم اور چھٹی کی بین اس کے باوجود نہ متروک چراگاہوں، مولیثیوں اور زرخیز جیسے محدود وسائل زندگی پر قانع بیوی تھی "اس کا جواب آپ کا نام ہے۔

چہ اس کی یہ وہ ہے کہ تاریخ میں ہم پر ہتے ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ اس علاقہ میں آباد اچانک یہ قوم ہزاروں سال کی نیند سے بیدار ہو گئی اور اتنی لمبی چھٹک کا کافی اس کی اور کی قوم میں میں مشائش نہیں تھی۔ اس کے یہ مہم آتے ہی یہ سب سے زیادہ طاقتور ملک کے زیادہ بہار، سب سے زیادہ دیانند ہمت، اور بین اور قوم کی اس کے سب سے بڑے ہوتے۔

یہ قوم سب بزمِ کائنات میں شامل ہوئی تو ایسا معلوم ہے جیسے ہولی مد فون خزانہ ہوئی۔

بستہ راز تھا جو اچانک منکشف ہو گیا۔ کیا ان کے جسوں سے بجلی کرنٹ چھو گیا تھا یا کوئی جادو کی چھڑی تھی جس نے آن کی آن میں نہ قناعت شعار بٹھہری ہوئی پرستون اور عزت گزین قوم کو غیور و جسور، خضر مند اور رواں دواں قوم میں بدل دیا۔ کیا اس طوفانی ندی کے دہانے پر کوئی بڑی سی چٹان پڑی ہوئی تھی جو اس کے زور اور روانی کو روکے ہوئے تھی؟

افغانیوں کی زندگی کے انقلاب کا حقیقی سبب اور اس کی شاہ کلید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی برکت سے تین بنیادی اور اہم جوہروں سے نوازا تھا۔

(۱) طاقتور پیغام اور اس کے اغراض و مقاصد۔

(۲) نوع انسانی خارجی دنیا اور حقائق اشیاء کے بارے میں وسیع نقطہ نظر۔

(۳) اللہ کی مدد و تائید پر کامل اعتماد اور جا و جہد کے نتائج پر یقین۔

یہ وہ تین عنصر ہیں جن سے قوم کے کردار کی جدید تشکیل ہوتی ہے اس کو نئی زندگی ملتی ہے اور وہ نئی تاریخ بناتی ہے اور اپنی خفیہ طاقتوں اور نامعلوم دستوں سے دنیا کو حیران و ششدر کر دیتی ہے۔

پہلے اس قوم کے پاس کوئی پیغام یا کوئی بلند مقصد نہیں تھا ایک چھوٹے سے علاقے تک محدود تھی۔ اپنے جانوروں اور مویشیوں میں ملگن رہتی تھی آتش آپس میں برسر پیکار رہتی تھی اور جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا ہے:

وا حیاننا علیٰ بکر اخینا

اذا مالہم نجد الا اخانا

(اور جب جنگجو فطرت کو جو ہر دکھانے کیسے کوئی دشمن نہیں ملتا تو ہم اپنے ہی بھائی بندوں کو تاکتے ہیں۔) اور جنگلوں اور آویز شوب کا انجام اخلاقی اور روحانی بے مائیگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں عرب خانہ جنگی میں مصروف رہتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو تاخت و تاراج کرتا۔ ایک شاخ دوسری شاخ پر دھاوا بولتی اور ایک خاندان دوسرے خاندان کی تاک میں رہتا۔

اسی طرح افغانیوں کے سامنے بھی اپنی خون آشام فطرت کی تسکین اپنی جنگ کی پیاس بجھانے اور خطر پسند طبیعت کو مطمئن کرنے کے لئے خانہ جنگیوں، چراگاہوں اور جانوروں کے

سے لڑائیوں، قبائل یا افراد کی غیرت و نخوت کے اظہار یا نام نہاد اور خیالی اہانتوں کا بدلہ لینے کے سے برسرِ پیکار ہونے کے علاوہ اور کوئی میدان نہیں ملتا تھا ایک عرب شاعر نے حقیقت کی صحیح ترجمانی کی ہے

المارتا کل نفسها
ان لم تجد ماتا كله

(آگ کو جلانے کے سے کچھ نہیں ماتا تو خود اپنے آپ کو جھاڑا ہی ہے)

لیکن جب سردم آ یا تو عربوں کے سامنے ایک بلند مقصد اور انسانیت کی لے ایک حقیقت پر پیغمبر آ گیا یہی حال افغانیوں کا ہوا۔ اسلام سے پہلے یہ صرف اپنے سے زندگی گزار رہے تھے اور اب اللہ کا یہ فرمان ان کے کافوں کی راہ سے دل میں اتر رہا تھا۔

کتم خیر امة اخرجت للناس نامرون بالمعروف ونهون المنکر
تؤمنون بالله

تم بہتہ بین امت ہو، انسانوں کے سے خاص طور پر بنائے گئے ہو بھائیوں کا ضمیر، ایت ہو، عربوں سے روکتے ہو اللہ پر ایمان رکھتے ہو،، اور ان کے دامن و دماغ میں یہ بات جائز نہیں ہو گئی کہ وہ بانگوں اور کھیتوں میں آپ سے آپ لگ جانے والے خود روٹھائیں چھوٹیں نہیں ہیں بلکہ بجائے خود مطلوب و مقصود ہیں، ان کے ساتھ ہندو مت میں ان کی ذمہ داریاں ہیں، جدوجہد اور کارکردن کے نشانے متعین ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ بات جبرستی کہ وہ یہی امت ہیں جو انسانوں کے سے خاص طور سے بنائی گئی ہے جو دھڑ مار اور خوشنوازی کے جذبہ و توسیع دینے کے سے آپ سے آپ نہیں پیدا ہوئی۔

تو ان کی زندگی ان کے خیالات اور رجحانات میں زیر دست نقد پ آ گیا۔ اب وہ یہ مقصد، جو اور اپنی زندگی کی غرض و غایت یہ سمجھنے لگے کہ دنیا کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے کے سے جدوجہد کریں و اس راہ میں قربانیاں دیں۔ یہاں تک کہ عبودیت صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے۔ اور انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں، میں بندوں خدا کی سے نجات دلائیں اور خدا کے آستانہ، عالی پر پہنچائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت سے رہنمائی کرائیں۔ اور دوسرے مذاہب کی زیادتیوں سے آزاد کرا کے

اسلام عدل و مساوات کے زیر سایہ لائیں۔

حضرات!

اس قوم کے پاس کوئی پیغام نہیں تھا۔ اسدم آیا تو ایک بند پیغم اور زندگی کا بلند مقصد اس کے سامنے آ گیا اس نے اسدم کے ابدی پیغم کو اپنے سینے سے لگایا۔ اور اسی نے ان میں نئی روح پھونک دی۔ وہ بدترین جہالت اور گھٹنگھورتاری میں زندگی گزار رہی تھی، خرافات اور محققوں میں بھٹک رہی تھی۔ ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا تھا۔ طاقتور کمزور کو نگل جانے کی کوشش کرتا تھا، حقوق پاہل ہو رہے تھے عزتیں لٹ رہی تھیں اور ہر طرح کے جذبات و خواہشات پوری کی جا رہی تھیں کہ

اچانک ان کے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی۔ ان کے افکار و خیالات، احساسات اور اعصاب پر چھائی اور اب وہ نئی قوم تھے نئے انسان تھے اعلیٰ زمین وہی تھی، آب و ہوا وہی تھی دست و بازو وہی تھے لیکن اس جدید پیغم نے انہیں جدید امت بنا دیا۔

دوسرا عنصر یہ ہے کہ افغانی بہت تنگ اور محدود زندگی گزار رہے تھے کائنات اور انسان کے بارے میں ان کا نقطہ نظر بہت محدود تھا۔ انسان کون ہے؟ افغانی انسان ہیں جو اس علاقہ میں رہتے ہیں یہاں کی زبان بولتے ہیں اس ملک کا لباس پہنتے ہیں اس کی محبت کے گیت گاتے ہیں ان کی تنگ نقطہ نظر نے انہیں اس تنگ دائرہ میں محدود کر رکھا تھا۔

اسی طرح زندگی یہ ہے؟ آہنا پینا پیش و آرم قوت و شہوت و ریاضت و عبادت وہ اسی طرح زندگی گزارتے تھے جیسے مچھلیاں یا میندکے تاروں میں جیتے ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب ترک اور ایرانی سب کا یہی حال تھا اسلام نے ان سب کو اس تنگ تاریک قید خانے سے نکال دیا کہ ایک عرب قاصد نے شہریان سے کہا تھا۔

”لنخرج من شاء الله من ضيق الدنيا الى سعة الدنيا والا حرة“

”جسے اللہ توفیق دے اسے ہم دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی سعادت میں پہنچا دیں۔“

حضرات! آپ کے آباؤ اجداد انسان کے بارے میں بہت تنگ نقطہ نظر رکھتے تھے۔ اس میں اعلیٰ ظرفی نہیں تھی۔ بلند نگاہی نہیں تھی اس میں گہرائی نہیں تھی اسلام نے ان کو وسیع نقطہ

نظر عطا کیا تو ان کی نگاہوں میں تمام انسان ایک خاندان اور پوری دنیا ایک گھر ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان انکا عقیدہ بن گیا۔

کلکم من آدم و ادم من تراب لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقوی۔

تم میں کا ہر ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے بنے ہیں نہ تو کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت ہے نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر مگر تقوی کے اعتبار سے۔

پھر ان کا نقطہ نظر اتنا وسیع ہو گیا کہ وہ نہ جغرافیائی حدود کو تقسیم کرتے تھے نہ خود ساختہ اور بے دلیل تقسیمات کو مسلمانانِ ان حدود سے نکل کر وسیع کائنات میں آگئے۔ اور اگر یہ وسیع نقطہ نظر نہ ہوتا تو وہ بھی اپنے آباد اجداد کے طرح صدیوں تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔ تیسرا عنصر ہے مضبوط مستحکم اعتماد۔

جب وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے، سب رسول اور آخرت پر ایمان لے آئے، یہ سمجھ گئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے نہ ایک خط پہلے آسکتی ہے نہ موخر ہوسکتی ہے۔ انہوں نے اللہ کا فرمان سنا اور اس کو دل میں بسالیا کہ:

ایں ما کتمہ یدرکم الموت ولو کتمہ فی سروج مشیدۃ
تم چاہتے نہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آجائے گی اگرچہ تم قلعہ کی چوڑی قلعوں میں
میں ہو۔

اذا جاء اجلهم فلا یستأخرون ساعة ولا یستقدمون۔
”جب انکا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹتے ہیں
اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔“

اس ایمان نے ان کو خود شناسی اور خود اعتماد کی عطیہ کی۔ وہ یہ سمجھ گئے کہ انسان کی موت اس وقت آسکتی ہے جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے تو انہوں نے اس کا بھی یقین کر لیا کہ دنیا میں ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے اور ہر چیز اللہ ہی کے دست قدرت و اختیار میں ہے۔ پھر انہوں نے مزید خود اعتماد کی اس آسمانی پیغام سے حاصل کی کہ ان کی حیثیت خدا کی فوج کی ہے اور وہ اللہ اور اس کے دین کے معین و مددگار نہیں۔

انہوں نے اللہ کا یہ فرمان سنا:-

انہم لہم المصورون وان جندنا لہم العالمون (الصّفت، آیت ۱۷۲، ۱۷۳)
”بے شک وہی غائب کئے جائیں گے اور (ہمراہ تو قعدہ عام ہے کہ) ہمراہی شکر
غالب رہتا ہے۔“

الا ان حزب اللہ هم المفلحون (المجادلہ آیت ۲۲)
”خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے“

انا لنصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوة الدنیا ویوم یقوم الا شہاد (المومن آیت ۵۱)

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس
روز بھی جس میں گواہی دینے والے ٹھہرے ہوں گے۔

وللہ العزّة ولرسلہ وللمؤمنین (المنافقون آیت ۸)
(بد اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول
کے) اور مسلمانوں کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے)۔

ولا تہنوا ولا تحزنوا واتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ (آل عمران
آیت ۱۳۹)

اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غلبہ تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔
اور اس طرح کی دوسری آیتیں ان کے کانوں میں پڑیں تو اس سے ان کے یقین و اعتقاد
میں مزید قوت و استحکام پیدا ہو گیا۔

اس موقع پر میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسلامی لشکر کے ساتھ
موجیں مارتے ہوئے دجلہ کے سامنے پہنچے تو ایک لمحہ کے لئے رکے، موج بدامان اور طوفان در
آغوش دریا کا جب نرہہ یہ۔ گرد و پیش پر نظر ڈالی پھر حضرت سیمان ذرئیؓ کے طرف متوجہ ہوئے اور
ان سے مشورہ کیا کہ پھرے ہوئے دریا میں گھس پڑیں! یا لوٹیں اور اسے عبور کرنے کے لئے
پل کا انتظام کریں؟ حضرت سیمان ذرئیؓ نے اس وقت جولانی جملہ کہا تاریخ نے اسے محفوظ
کر لیا انہوں نے کہا:-

”یہ دین تازہ اور نیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ اس دین کو ضرور غالب کرے گا، اور ابھی اس حد تک نہیں پہنچا ہے کہ جہاں تک پہنچنا اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔ پھر میں کیسے یہ سمجھ لوں کہ اس پیغام کے حامل غرق ہو جائیں گے۔“

حضرت سمان فارسی کا یہ جملہ اپنے اندر بڑے گہرے معانی و حقائق رکھتا ہے کہ جب یہ دین بالکل نیا اور تازہ ہے تو یہ ضروری ہے کہ دنیا کی تعمیر، کائنات کی قیادت اور انسانیت کی ہدایت و رہنمائی میں اپنا کردار ادا کرے۔

چنانچہ امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں اور دریا پار کر جائیں۔ مورخ صبری کی روایت ہے کہ ایرانیوں نے ان کو دیکھا تو چیخ پڑے ”دیو آمدن دیواں آمدن دیواں آمدند“ کہ یہ انسان نہیں جن اور بھوت ہیں یہ اعتقادور یقین تھا جو ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا اور ان میں ایک نئی روح ڈال دی تھی۔

افغانی نو جوانو اور دوستو!

آؤ اپنی تاریخ پر نظر ڈالو، سلطان محمود غزنوی کس طرح وسیع و عریض ممالک کو فتح کرتا چلا گیا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس نے ہندوستان پر سترہ مہمیں کیں اور اندرون ملک گھستا چلا کیا یہاں تک کہ مشرق اور جنوب کی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا حالانکہ اس کے پاس نہ رسد کا انتظام تھا نہ ملک کا امکان، اس کا مرکز بہت دور تھا درمیان میں سربینک پہاڑ، دشوار گزار راستے اور تنگ گھاٹیاں حامل تھیں۔

وجہ یہ ہے کہ ان جنگوں اور حملوں کی اس کے نزدیک اتنی ہی اہمیت تھی جتنی اہمیت ایک مہر اور مضبوط کھڑکی بیچ یا کھیں کے میدان کو دیتا ہے وہ اللہ پر کامل بھروسہ رکھتا تھا کچھ یہ سمجھتا تھا کہ جہاد عبادت ہے اور اس راہ میں موت شہادت ہے اور شہداء مرتے نہیں بلکہ نہیں حیات جاودانی عطا ہوتی ہے اور ان کے رب کی جانب سے ان کو روزی مہتی ہے وہ اس پر سچا اور پختہ ایمان رکھتا تھا کہ وہ اللہ کے پیغام کا حامل اور امین ہے اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔

حضرات! جن عنصر کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ افراد ہی کی تعمیر میں نہیں بلکہ قوموں کی تشکیل میں بھی زبردست رول ادا کرتے ہیں شخصیت کی تعمیر کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور نفسیت اور تعلیم و تربیت کے ماہرین نے اسے اپنا موضوع بحث بنایا ہے لیکن میں اس وقت قوموں کے

گردار کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں انہی عناصر نے افغانی قوم کو بلند و بالا حیثیت دی جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اور جسے شکست نہیں دی جاسکتی۔

اور جب قومیں شخصیت کی تعمیر کرنے والے ان عناصر سے محروم اور ان قوتوں سے محروم ہو جاتی ہیں تو انہی شکست و ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر افغانی قوم اپنی ان طاقتور اور قائدانہ خصوصیات سے محروم نہ ہو جائے اور خدا نخواستہ وہ دور پھر واپس نہ آجائے جب وہ اسلام سے نا آشنا اور اسلامی دعوت سے بے بہرہ تھی۔

میں نوجوانوں سے خاص طور سے کہن چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کے دوس میں ان عناصر کی جوت جگا دو اور ان کو پروان چڑھاؤ اور انکی حفاظت کرو، ضائع نہ ہونے دو، کیونکہ قدیم ترین زمانے سے قوم وہی ہے پہاڑیں اور گہٹیاں وہی ہیں، آسمان وہی دریاے کابل ہزاروں سال سے اپنی گزرگاہ پر بہ رہا ہے یہاں کی سرزمین جسے اللہ نے سب بہا نعمتوں سے نوازا ہے وہ بھی وہی ہے خوش ذائقہ پھل، لذیذ میوہ جات، شیریں پانی، یہ ساری نعمتیں اور نوازشیں ہزاروں سال سے بدستور ہیں لیکن اصل مسئلہ قوم کی تعمیر کے عناصر کا ہے پیغام مقصد زندگی، خود اعتمادی اور کار گذاری کے نشے کا ہے تاکہ زندگی کا مقصد متعین ہو، صلاحیتوں کے ظہور کے لئے میدان میسر آسکے حسن و خوبی کا کوئی قابل تقلید نمونہ مل جائے۔

علامہ اقبال نے اس حقیقت کو پالیا تھا اور خدا کے حضور میں مسلمانوں کی بے بسی، جمود، مصیبت اور بد حالی کی شکایت کی تھی تو جواب دہا کر یہ لوگ بغیر کسی مقصد اور پیغام کے زندگی گزار رہے ہیں ان کے سامنے کوئی اسوہ کوئی نمونہ، کامل اور کوئی محبوب نہیں جس کے عشق سے اپنے دلوں کو آباد کریں جس کے حسن و خوبی کے گیت گائیں جس کے نقش قدم کو اپنا نشان راہ بنائیں

شے پیش خدا بگریستم زاد

مسلماناں چراز ارند و خوارند

ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم

دلے دارندو محبوب ندارند

افغانی نوجوانو! خدا نے تمہارا اوپر بڑا فضل فرمایا۔ تمہارے لئے کسی چیز کی کمی نہیں اور

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

ان الله لا يعير بقوم حتى يعيروا اما بالنفس بهم (الرعد آیت ۱۱)
 ”اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تا آنکہ وہ خود اپنے آپ کو بدل ڈالیں۔“
 اللہ اس سے بہت ہنس رہا ہے کہ کسی قوم کو عطا کردہ نعمتیں اس سے چھین لے۔

الم تر الى الذين بدلوا نعمة الله كفرا واحلوا قومهم وار الوار
 تو نے نہ دیکھا؟ جنہوں نے بدلہ دیا اللہ کے احسان کا، ناشکری اور اتارا اپنی قوم کوتاہی کے گھر میں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اصل مسئلہ خود شناسی کا ہے
 اپنی قدر و قیمت پہچاننے کا ہے آپ اپنی قدر و قیمت پہچان لیجئے۔ عد مقابل کہتے ہیں

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
 تو اگر میرا نہیں بنتا اپنا تو بن

وما علیہا الا البلاغ

مسلمان کی اصل طاقت و قیمت، ایمان و سیرت ہے

رانی پورہ مین روڈ اندور کے جلسہ عام میں ۲۶ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ بعد نماز عشاء

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد. فاعوذ بالله
من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم يا ايها الذين آمنوا ان
تتقوا الله يجعل لكم فرقاناً ويكفر عنكم سيئاتكم ويعفر لكم ذنوبكم.
والله ذو الفضل العظيم

مومنو اگر تم خدا سے ڈرو گے، تو وہ تمہارے لئے امر و نہی پیدا کر دے گا، (یعنی تم کو ممتاز کر دیگا) اور تمہارے گناہ مٹا دے گا، اور تمہیں بخش دے گا، اور خدا بڑے فضل والا ہے۔
بھائیو اور دوستو! آپ حضرات جانتے ہیں کہ مسلمان کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت عام انسان کی ہے، جس قانون اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ضابطہ کے مطابق سب انسان دنیا میں آتے ہیں، وہ بھی دنیا میں آیا ہے، وہی اعضائے انسانی، وہی جسم اور جسم کے تقاضے، جسم کی کمزوریاں، جسم کی بیماریاں لے کر کے آیا ہے، جو انسانوں میں مشترک ہیں، قانون فطرت اس کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے، وہ بچہ سے جوان ہوگا، جوان سے بوڑھا ہوگا، پھر ایک وقت عمر طبعی کو پہنچنے کے بعد (اگر اللہ کو منظور ہوا) اس کا اخیر وقت بھی آئے گا، اور وہ کیسا ہی عبادت گزار، خدا ترس، کیسا ہی زبردست عالم فاضل ہو، مصنف ہو، مفکر ہو، فلسفی ہو، دانشور ہو، شیخ طریقت ہو، صاحب کشف و کرامات ہو، اس کو دنیا سے جانا ہے، ”انک میت وانہم میتون“ اللہ تعالیٰ نے یہ صاف فرمایا ہے، تو پھر مسلمان کا استثناء کیسے ہو سکتا ہے۔

مسلمان کے دو وجود

ایک وجود مسلمان کا انسانی وجود ہے، فطری وجود ہے، جسمانی وجود ہے، اس کے لحاظ

سے وہ عام انسانوں کی طرح ہے، اس کو کھانے کی بھی ضرورت ہے، کمانے کی بھی ضرورت ہے، کھانے کے لئے مرنے کی ضرورت، مرنے کے لئے کھانے کی ضرورت ہے، سونے کی، صحت کا خیال رکھنے کی، حفظانِ صحت کے اصولوں پر چھنے کی ضرورت ہے، بیمار ہو جائے تو دوا، علاج کی ضرورت ہے، کمزور ہو جائے تو اچھی غذا و دوا کی ضرورت ہے، سردی میں سردی کا لباس پہننے کی ضرورت ہے، گرمی میں گرمی کا لباس رکھنے کی ضرورت ہے، مکان کی ضرورت اور سینکڑوں ضرورتیں ہیں، جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، یہ اس کا انسانی وجود ہے، اس میں وہ قانون قدرت کے ماتحت ہے، اسی طرح سے وہ قانون قدرت کا عکاس ہے، جیسے دنیا کے تمام انسانی وجود و انواع انسانی کے تمام افراد، آدم کی ساری اولاد ہے، کوئی استثناء اس میں نہیں ہے، یہاں تک کہ خدا کے پیغمبر بھی کھاتے پیتے تھے، ورنہ یہ طعنہ دیا گیا تھا "فما لہذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق" (یہ کیا رسول ہے، کھاتا پیتا ہے، اور بازار میں چلتا پھرتا ہے) اس لحاظ سے مسلمان میں کوئی ایسی غیر معمولی طاقت اور کوئی یہ امتیاز نہیں ہے کہ دنیا میں دوسرے ذلت کے ساتھ رہیں اور وہ عزت کے ساتھ رہے، دوسرے ناکام ہوں اور وہ ہمیشہ کامیاب ہو، دوسرے مفتوح بنیں اور وہ ن سب کا فاتح ہو، دوسرے محکوم ہوں وہ ان کا حاکم ہو، اور زمین، آسمان اور کائنات ساری اس کے ارادے اور اس کی مشیت کا احترام کرے، اسکے لئے راستہ صاف کرے، سمندر اس کے لئے پیاب ہو جائیں، دریاؤں میں سے راستہ اس کے لئے نکال دیا جائے، پہاڑ اس کا راستہ روکنے سے ہٹ جائیں، اس مسلمان کے (جیسا ہمارے یہاں کہتے ہیں) کچھ سرخاب کے پر نہیں لگے ہیں، قانون قدرت اس پر یہی جاری و ساری ہوگا، جیسے تمام انسانوں، وجودوں اور تمام انسانی اجسام پر جاری ہوا کرتا ہے، غصی کرے گا، سزا پائے گا، بد پرہیزی کرے گا، بیمار ہو جائے گا، کمزوری دکھائے گا، مارا جائے گا، آنکھ جھپکے گی پٹ جائے گا، ہاتھ پاؤں نہیں چلے گا، محنت نہیں کرے گا، تو بھوکوں مرنے لگے گا، اس میں اس کے اور انسانی کنبہ کے دوسرے افراد میں کوئی فرق نہیں۔

لیکن ایک دوسری حیثیت ہے، وہ حیثیت اگر اس کے ساتھ قائم ہو جائے گی تو پھر وہ انسان رہتے ہوئے بھی کچھ اور چیزیں سمجھاتا ہے، پھر اس کا معاملہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جاتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر بن جاتا ہے، اس کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے

قانون کو جو ہزاروں لاکھوں برس سے چھے آرہے ہیں، بعض اوقات معطل، بعض اوقات مؤخر کر دیتا ہے، اور اس کو غالب کرتا ہے، اس کو عزت دیتا ہے، اس کو فتح عطا فرماتا ہے، اس کو نیک نامی بخشتا ہے، اس کو فتح اور منصور بناتا ہے، یہ حیثیت ارادی اور اضافی ہے، یعنی اس کے لئے فیصد اور اضافہ کی ضرورت ہے، کوئی اپنے ساتھ لے کر کے نہیں آتا اس کو، ماں کے پیٹ سے، جہاں سے جسمانی اعضاء ایسا ہے، ایسے ہی ایمان اور شریعت کی پابندی بھی ایسا ہے، اس کو کسی ارادہ کی، فیصد کی ضرورت نہیں، یہ بھی ایک موروٹی اور پیدائشی چیز ہے، ایسا نہیں ہے۔

ٹارچ کی قیمت اس کے سیلر سے ہے

اس کی موٹی سے مثال میں آپ کو دیتا ہوں، یہ ٹارچ ہے، اس میں سیلر رکھے جاتے ہیں، اگر قسمت سے سیلر رکھ دیئے گئے، اور مسالہ بھرو یا گیا تو اس ٹارچ میں اور اس ٹارچ میں جو خالی ہے، زمین و آسمان کا فرق ہوگا، یہ ٹارچ کہلائے گی، یہ اندھیرے میں اجاگر کر دے گی، روشنی کا ایک تیز دھارا اس میں سے نکلے گا، یہ ہاتھ میں ہوگی، تو آدمی ٹھوکر کھانے سے بچے گا، دیوار سے ٹکرا جانے سے بچے گا، کسی سوتے ہوئے بچے پر پاؤں رکھ کر چلے جانے سے بچے گا، اور معلوم ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک بڑی طاقت ہے۔

اومن کان میتاً فاحیینہ وجعلنا له نوراً یمشی بہ فی الناس کمں مثله فی

الظلمت لیس بحارج منها۔

بھلا جو (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے روشنی بردی، جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے، جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو، اس سے نکل ہی نہ سکے؟ (الانعام ۱۲۲)

اللہ تعالیٰ نے (جیسے کوئی ججے کر کے بتاتا ہے) ججے کر کے بتایا ہے، اور وہ اور دو چار اس طریقہ سے سمجھ یا ہے، بھلا وہ جو مردہ تھا ”اومن کان میتاً فاحیینہ“ ہم نے اس کو زندہ کیا، اور اتنا ہی نہیں ”وجعلنا له نوراً یمشی بہ فی الناس“ ہم نے اس کو ایک روشنی عطا کی، جس سہارے سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، ”کمں مثله فی الظلمات لیس

سحارح مہما“ کیا وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے کہ جو اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے، نکلنے کا اس کو کوئی راستہ ہی نہیں ملتا۔

مسلمان پر بھی فطری و اخلاقی قانون نافذ ہے

مسلمان بحیثیت انسان کے عام انسانوں کی طرح ہے، اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے، کوئی ٹھیکہ نہیں ہے، خدا کی طرف سے کوئی ذمہ نہیں ہے، کہ وہ غلطی کرے جب بھی ٹھیک، اس کی پست بھی چیت و رپٹ بھی چیت، خدا کے یہاں اندھا قانون نہیں ہے، جیسے انسانوں کے یہاں کا ہوتا ہے، کہ برہمن کے یہاں پیدا ہو گیا تو برہمن ہے، کوئی اس کو شرف و عزت سے محروم نہیں کر سکتا، وہ ان کے تو سیدھا اور سیدھا کرے تو سیدھا، پس اس کی ہر بات برہمن کی بات ہے، برہمن کی بات ہی اور ہوتی ہے، میں سیدوں کا، شیوخ کا نام بھی لے سکتا ہوں، آپ سید صاحب ہیں، سید کے گھر پیدا ہوئے ہیں، اب ان کے ستر خون معاف ہیں، اب جو چاہیں کریں، ظلم کریں تو ظلم نہیں، جرم کریں تو جرم نہیں، غلطی کریں تو غلطی نہیں، دودھ چا رہے کی بجائے پانچ پیسے تو ماننا چاہئے، اس لئے کہ سید صاحب نے کہا ہے کہ دودھ لے کر پانچ ہوتے ہیں، یہ کسی معمول آدمی کے نہیں کہا، ان کے اندر سارے خلاق رفیعہ پائے جائیں، ان کے اندر قسوت ہو، سندلی، ظام کا، وہ ہو، کوئی حرج نہیں، میں سب پر ایک حکم نہیں لگاتا، میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تصور جو کسی اونچے خاندان میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ دنیا سے الگ ہے، اور اس پر خدا کا قانون و عقل کا قانون نہیں چلتا، وہ قانون سے بالاتر ہے، جیسے شاہان ایران جن کے یہاں سینکڑوں برس سے موروثی سلطنت چلی آرہی تھی، یہاں خاندان تھا، ساسانی خاندان تھا، رومن مپائے کے جو تاجدار ہوا کرتے تھے، وہ مال کے پیٹ سے شہزادے ہی ہو کر پیدا ہوا کرتے تھے۔

اسلام کا معاملہ، اور خدا کے دین کا معاملہ یہ نہیں ہے، ایمان اور تقویٰ ایک لازمی اضافی چیز ہے جو بالارادہ ہوتا ہے، اور اس کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

پاور ہاؤس سے کنکشن ضروری ہے

دیکھئے یہ سبب ہے، یہ وارنٹک ہے، وارنٹک بالکل صحیح ہے، لیکن اس کا پاور ہاؤس سے کنکشن نہیں ہے، اور وہ سرنٹ اس میں نہیں آتا تو اس کی وارنٹک آپ ریشم کی کریں، اور سونے کے تار لگائیں لیکن کنکشن نہیں ہے، بجلی کی دوس میں نہیں آ رہی ہے تو سب بیکار ہے، روشنی ہے، نہ کوئی فائدہ، معاملہ ڈارچ میں سیکڑ اور مسالہ رکھنے کا ہے، یہ سالہ بارگاہ نبوت سے ملتا ہے، اس کے لئے ایک بن جڈ، ایک ہی ٹھکانہ ہے، حصہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد اب وہ سیکڑ اور نہیں نہیں مل سکتے، نہ امریہ میں، نہ روس میں، نہ دنیا کے کسی کارخانہ میں، وہ ایمانی سیکڑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر آتے ہیں، وہ سر آپ شارچ میں رکھتے ہیں، فٹ روایت یہ ہے، تو پاور اس میں دبا دینا، اس باتھ کا اشارہ کیجئے اور روشنی کی ایک تیز دو لنگی، اس سے آپ کوئی راستہ نظر آئے گا، دوسروں کو بھی راستہ نظر آئے گا، اور اس کی یہی قیمت ہے کہ یہی اسد مکی شان ہے کہ جب وہ سیکڑ بھر دیئے جاتے ہیں، تو صرف اس مسافر ہی کو جس کے لئے یہ سیکڑ ہے، وہ ہے جو اس کا مانت ہے، اسی کو راستہ نظر نہیں آئے گا، بلکہ بیسیوں جو بالکل اندھوں کی طرح راستہ پھل رہے تھے، ان کو بھی راستہ نظر آنے لگے گا، یہ ہے مسلمان کی شان۔

یا ایہا الدین اموا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا (الانفال ۲۹)

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو گے اور اس سے شرم کرو گے اس کا لحاظ کرو گے، اور اس کے حکام کا احترام کرو گے اس کی شریعت کو قبول کرو گے، اس پر چنے کا فیصلہ کرو گے، اس پر اعتماد کرن شروع کرو گے، تو تمہارے لئے امر و نکر پیدا کر دے گا (یعنی تم کو ممتاز کر دے گا)۔

ماہ الامتیاز صفت

فرمایا ”یجعل لکم فرقانا“ اللہ تم کو ایک ماہ امتیاز چیز عطا کرے گا، تمہاری سطح ایک دم سے بلند ہو جائے گی، تم اس پستی سے، ماحول کی خرابی سے نکل جاؤ گے، جب انسان اپنے کو اللہ کی روشنی سے محروم کر لیتا ہے، تو پھر اس کا کیا حال ہوتا ہے؟ وہ اس ڈارچ کی طرح ہو جاتا ہے، جس کے سیکڑ ختم ہو چکے یا اس میں رکھے ہی نہیں گئے، اب اس سے تو یہ لکڑی اچھی کہ اس سے۔

ہم کتے کو مار سکتے ہیں، اس سے اپنا دفاع کر سکتے ہیں، اپنی حفاظت کر سکتے ہیں، اس مارچ سے تو یہ کام بھی نہیں کر سکتے، مارچ کی ساری قیمت اس کے سیز میں، اس کو نکال لیجئے تو اس سے اٹھی اچھی، بندوق کے اندر کا تو اس ہے، تو وہ بندوق، بندوق ہے، اس کی بڑی قیمت ہے، آپ شیر کا شکار کر سکتے ہیں لیکن اگر اس کے اندر کا تو اس نہیں رہا جاسکتا، یا کا تو اس ہی خالی ہے، تو اس سے اٹھی اچھی، جب مسلمان کے سیز ختم ہو جائیں، جب اس کے اندر سیز رکھے ہی نہ جائیں، یہ وہ اپنی ناقدری ہے، غمِ نِعمت سے ان سیز کو بیکار کر دے تو پھر مسلمان میں اور غیہ مسلمان میں یہ فرق؟ پھر تو وہ غیہ مسلمان اس سے زیادہ مصبوط ہے، اچھا ہے، اس سے زیادہ میسے والا ہے، وہ چھا ہے، اس سے بڑی کوئی رکھنے والا ہے، وہ اچھا ہے، جس کی موٹر اس سے اچھی ہے، وہ اچھا اور بعض اوقات تو ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کے گھر کا کتا بھی اس سے چھا ہوتا ہے، جیسے بہت سے انگریزوں کے یہاں کتے پٹے ہونے ہوتے ہیں، جن کو وہ مانتا ہے، جو اچھے نیکے انسانوں کو نہیں مانتا، بات صرف، تھو پھ، کان، ناک، آنکھوں اور صورت کی، ورنہ ان کے نام کی نہیں، جس میں جسمانی طاقت زیادہ ہوں، وہ اس سے بڑے، اس کے پیسے زیادہ ہوں کے، وہ اس سے بڑھا ورنہ اس کے پاس کوئی ہوگا وہ اس سے چڑھا، پھر تو رامعالم اس پر آ گیا کہ اس کے پاس پیسے زیادہ ہیں، اس کے پاس طاقت ہے۔

مسلمانوں کی اصل طاقت

ہم مسلمانوں کی جو اصل خصوصیت، ہمارا یہ امتیاز، ہمارا سرمایہ، ہمارا خزانہ، ہماری طاقت ہے، وہ سیز تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں سے لے کر آئے ہیں، اور انسانوں کے دماغ و انسانوں کے دل کے اندر رکھے، دماغ میں بھی سیز رکھے ہیں، اور دل میں بھی، ایمان کا کچھ تعلق انسان کے ضمیر اور قلب سے ہے، کچھ انسان کے دماغ اور فکر سے ہے، اس سے خاص طرح کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، خاص طرح کا طرز عمل، زندگی کا رویہ، و مسلک پیدا ہوتا ہے، خاص طرح کے برہان کرنے کا طریقہ آتا ہے، خالق کی معرفت ہوتی ہے، مخلوق سے محبت ہوتی ہے، خدا کا خوف ہوتا ہے، بندوں کی شرم ہوتی ہے، اللہ کا ڈر اور اس کی محبت ہوتی ہے، اور انسانوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے، غریبوں پر آدمی رحم ہاتا ہے، ب

ایمانی سے بچتا ہے، چوری سے پناہ مانگتا ہے، اس کو جرائم سے ظلم سے گھن آتی ہے، بالکل سیرت
نہ بدل جاتی ہے، یہ کس کا کرشمہ ہے، یہ ان سیز کا کرشمہ ہے۔

معنوی خودکشی

مسلمان اپنے کو ان سیز سے محروم کر دے تو یہ معنوی خودکشی ہے، جیسے کوئی زہر ہا آ کر
مر جائے، یہ کوئی گلے میں پھندا ڈال کر کے اپنا گلہ ٹھونٹے۔ مسلمان ہے لیکن اس کے اندر
ایمان کے وہ سیز نہیں ہیں، عقیدہ کے وہ سیز نہیں ہیں وہ ”فرقان“ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ بِحُكْمِ فَارِقَانِ، الاحزاب ۲۹

مومنو! اگر تم خدا سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے اس فرقہ پیدا کر دے گا

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرنے لگو گے، اور احیاءِ حیاتِ زندگی گزارو گے، آپ کی اپنی
ہوئی تعییمات پر عمل کرو گے، ادھر چلو، ادھر مت چلو، اس راستہ چلو، اس راستہ نہ چلو، اس لکیر کو نہ
چھوڑو، یہ سرحد پار نہ ہونے پائے، اس کا نام تقویٰ ہے، تقویٰ کے معنی بہت سے دیکھ سکتے ہیں
ہیں کہ جو نماز ہی نماز پڑھتا چلا جائے، رات و پہلے سے پلک نہ لٹے، اس کو کس قسم سے کہتے ہیں،
تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ جن چیزوں سے اللہ و رسول نے منع کیا ہے اس سے بچیں اس سے
تصور سے خیال بھی آجائے تو خدا کی پناہ مانگیں اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کی پابندی
کریں ہفت اقلیم کی سطحت مسلمانوں کو مل جائے، ان کے قدموں پر پادشاہوں کے تاج رہے
، اپنے جائیں، اور قرون کا خزانہ ان کو مل جائے، لیکن ان کے اندر وہ سیز نہ ہوں، نبوت کی اپنی
ہوئی روشنی نہ ہو، وہ فرقہ نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ دین پر چنے والوں کو عطا کرتا ہے، تو وہ وڑی کی
قیمت نہیں، مسند بہت صاف اور بہت ہی واضح ہے، میں کوئی پیکی نہیں جھڑبا ہوں، ہماری
آپ کی ساری حقیقت، سارا امتیاز، اللہ کے یہاں بھی جو مرتبہ اور مقام ہے، اور مخلوق کی نگاہ میں
بھی جو وزن اور حقیقت ہے، وہ سب ان سیز کے صدقہ میں ہے، سیز سلامت سب کچھ
سلامت، یہ دس سلامت سب سلامت، یہ دس سلامت سب سلامت، عقیدہ سلامت،
اخلاق سلامت، مسلمان مسلمان ہے، نہ پہر اس کا راستہ روک سکتے ہیں اور نہ سمندر۔

ایمان و سیرت کی کرامت

میرے بھائیوں بات یہ ہے کہ یہ سب سیرت کی کرامت ہے، یہ مسالہ جو اس کے اندر بکھرا ہوا ہے، ایمان کا مسالہ، عقیدہ کا مسالہ، خلق کا مسالہ، مقصد کا مسالہ، ہمارا عقیدہ الگ، ہمارا ایمان الگ، ہمارے اخلاق الگ ہونے چاہئیں، پھر کیا ہوگا ”یجعل لکم فرقاً“ اللہ تم کو ایسی ماہر امتیاز چیز بخشے گا کہ دور سے پہچانے جاؤ گے، جہاں جاؤ گے، تمھاری عزت ہوگی، مسلمان کا یہ حال تھا، آبادیوں کی آبادیاں بلائی تھیں، آج کتنے ملک فتح ہوئے ہیں، جہاں کی آبادی نے بدایا تھا، مسلمانوں کو بتاتے ہیں کہ پوری حقیقت یہی نہیں، یہاں نہیں ہے، بہت سی حقیقتیں سامنے آ رہی ہیں، مصر کے عربوں نے بدایا تھا، موت دی تھی، عربوں کو کہہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دو کہ ذرا سا خلاف ہے، عقائد کا، ہمارا اور وہیوں کا تو ہم سے وہ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں، افریڈ بٹلر ALFRED BUTLER کی کتاب ہے ”عربوں کا مسرقت کرنا“ اس نے لکھا ہے کہ عربوں میں بھر بھر کر رومی ان قبیلوں کو سمندر میں ڈال دیتے تھے، کیوں؟ محض اس لئے کہ ان میں اور وہیوں میں حضرت عیسیٰ کے بارے میں کچھ اختلاف تھا، کہ بالکل خدا کی طرح ہیں، بالکل وہ خدا کا جزاء ہیں، یا انسان ہیں، اور ان میں تھوڑی سی خدائی بھی ہے، اس میں اختلاف تھا تو بڑا ظلم ہوتا تھا کہ کوئی حد نہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان قبیلوں نے موت دی تھی، اور کہا تھا کہ خدا اے سے آ اور ہمیں بچا دے، ایسے معلوم نہیں کتنے ملک تھے اور جب کہیں کسی فوجی مصیبت سے کسی صوبہ کو، کسی شہر کو چھوڑتے تھے، تو وہ اٹھ اڑتے، مار مار کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ تم کیوں ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہو، اور ان خطوں کے حوالے کر رہیں، اور جب وہ کہتے تھے کہ نہیں ہم پھر آئیں گے تو کہتے تھے کہ اللہ تم کو جہد لائے، اور وہیں نہیں کرتے تھے۔

ہندوستان پر ہمارا حق اور اس کی ذمہ داری

میرے مسلمان بھائیو: تم کو اس ملک میں رہنا ہے، تمھارا حق اس سر زمین پر ہے، تم نے اس ملک کو بنایا، سنو، تم نے اس ملک کو تہذیب سے تمدن سے ورتہ قیوں سے مالا مال کر دیا،

تمہارے اوپر بھی اس ملک کا احسان ہے، اس نے تمہیں ایسے آڑے وقت میں پناہ دی، اور یہ فیاض ملک ثابت ہوا، جب پناہ نہیں مل رہی تھی، جب تاتاری ایران اور ترستان کے باغ بہار شہروں پر حملہ کر رہے تھے، اور شہر کے شہر بے چراغ ہو رہے تھے، اس وقت بڑے بڑے مسلمان خاندان یہاں آئے اور اس ملک نے اپنے بازو پھیلا دیئے، اپنی دودھیلی کرنی تو ہمارے اوپر اس ملک کا حق ہے، اور اس ملک پر ہمارا حق ہے، دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے، جو بیچ میں کھڑی ہو جائے، اور کہے کہ نہیں تمہارا اس ملک پر حق نہیں ہے، مگر آپ کو اپنے اندر ایمان وسیرت اور دعوت و ہدایت کا امتیاز پیدا کرنا ہوگا، جب آپ اس ملک میں عزت کے ساتھ رہ سکیں گے، تو حید کی طاقت آپ کے اندر ہو، اس سے بڑھ کر دنیا میں کسی طاقت کا تجربہ ابھی تک نہیں کیا گیا، ایک آدمی جس کے اندر تو حید کا عقیدہ ہو کہ خدائے سوا نفع و ضرر کی طاقت کسی میں نہیں "لا بافع ولا ضار الا الله لا اله الا الله" "وہی نافع وہی ضرر" وہاں بمسک الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يردك بحير فلا راد لفضله" اے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ضرر کا ارادہ کر لے تو کوئی روک نہیں سکتا، نفع کا ارادہ کر لے تو کوئی آڑے نہیں آ سکتا۔ (سورہ یونس - ۱۰۷)

مسلمان کے امتیازات

پھر اس کے ساتھ تمہارے اندر شریعت کی پابندی ہو، تم شریعت کے احکام پر چلتے ہو، جب ساری دنیا کی قومیں اپنے اپنے مذہب کے احکام کو چھوڑ چکیں، اب صرف رسم و رواج رہ گئے، صرف تہوار رہ گئے، صرف میہ ٹھیہ رہ گئے، صرف سوشل چیزیں رہ گئیں، تو اس حالت میں تم نمازوں کے پابند ہو، تم شریعت کے احکام پر چنے والے ہو، تم حلال و حرام میں فرق کرنے والے ہو، اور اس کے ساتھ پھر تمہارے اخلاق اعلیٰ ہوں، دنیا دودھ میں پانی ملائے، تم حرام سمجھو، دنیا کے درزی کیڑا چرائیں، تمہارے درزی اس کو حرام سمجھیں، دنیا ڈنڈی مارے اور کم تو لے تم اس کو حرام سمجھو، اس راستہ سے آئے ہوئے پیسے کو تم نجس و ناپاک سمجھو، مرجنا داس مرتبہ اچھا ہے لیکن رشوت لینا اچھا نہیں، اگر کوئی غیر مسلم چار گھنٹے کام کرتا ہو تو تم چھ گھنٹے اپنے آفس میں بیٹھ کر کام کرو کہ نہیں ہم جب اس کی تنخواہ پاتے ہیں تو پھر ہمیں خدمت کرنی چاہئے،

اور اس ملک نے ہم پر احسان کیا، ہم نے اس ملک میں صدیوں گزاریں، ہم پھلے پھوے، ہم نے ہر طرح کا عطف اٹھایا، یہاں کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھایا، ہم اس ملک کے ساتھ غداری نہیں کر سکتے، ہم اس ملک میں کام چوری کی مدت نہیں اختیار کریں گے، آپ رستہ رستہ ایک دوف کیس دیکھیں جیسے آج کل رواج ہے، اور پھر نیچے کا وقت آگیا، نیچے کھدیا، اس کے بعد پھر پچھ گپ کی، کچھ چائے پی، کوئی دوست آکر تو اس سے بات کرنے لگے، نہیں، ڈیوٹی پر وقت پر جانا، وقت پر آنا، پورا کام کرنا، ہر آدمی کے ساتھ خیر خواہی کرنا، کوئی انسان کی مذہب و ملت کا ہو، وہ اگر تمھاری مدد کا محتاج ہو، تو تمہارا نکل نہ دیکھو کہ یہ کلمہ گو ہے یا نہیں، تمھیں اس کی مدد کرنی چاہئے، کوئی اگر ظلم بردہا ہو تو اس کا ہاتھ پکڑنا چاہئے، ظلم کو روکنا چاہئے، مظلوم کی حمایت کرنی چاہئے، سچی بات کوئی ہے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

ملک کے حالات میں تبدیلی

یہ اخلاق اگر بھارے ہوں گے تو وہی بات ہوں "ان تنصوا اللہ یجعل لکم فرقاً" اور تم اللہ سے اراکے اللہ تمھارے لئے فرقہ بنادے گا، ہندوستان ہی میں دیکھو، جیسے کہ مسلمان کا یہ احترام ہوتا ہے مسلمان کو اس طرح کوک آنکھوں میں جہد دیتے ہیں، اس طرح مسلمان نہ ورثی بنتے ہیں کہ اگر مسلمان نہ رہے گا تو اس ملک کا رہنا مشکل ہے، مسلمان ہی اس ملک و تباہی سے بچ سکتے ہیں، اپنے اندر یہ عقائد پیدا کرو، اپنے اندر یہ عقائد پیدا کرو، سب آپ سے یہ خلاق ہوں گے، تو انشاء اللہ پھر آپ سے گئے رستہ صاف ہے، آپ اپنے ہم جنس چلیں گے۔ اپنی عزت و ناموس و بھی چلیں گے، اور اس ملک و بھی تباہی سے بچاؤں گے۔

ملک تباہی کے نہ رہے کھڑا ہے اور مسلمان اس کو بچا سکتے ہیں

میں صاف بتا ہوں کہ یہ ملک تباہی کے نہ رہے کھڑا ہے، یہاں کھڑا ہے؟ پیسے کی، بی بی و بھو سے، بایمانی کی وجہ سے، رشتہ کی وجہ سے، کام چوری کی وجہ سے، فحش ناشائستگی کی وجہ سے، اور یہ بھڑا بھید جو ہیں، ذوق اور برائیوں کے سس کی وجہ سے، آپ اس پورے مملکت میں روشنی کا مینار ہیں، روشنی کا مینا را دھو دھو نہیں جاتا، کھڑا رہتا ہے، سب کو راستہ دکھاتا

ہے، آپ ہمت سے کام میں اور اپنے اندر فرقہ پید کرنے کی کوشش کریں۔ ایمانی صفات، اسلامی اخلاق اور دعوت و ہدایت اور بھداری خالق کے جذبہ سے ساتھ آپ وہاں کی زندگی سے منہ بھی نہیں چاہتے، آپ یہ نہ نہیں کہ صاحب ہماری بلا سے یہ ملک، وہ یہ بچے ہم نہیں جانتے، ہم تو بس اپنی عاقبت کی فکر میں ہیں، ہمیں یہ بات ٹھیک نہیں ہے، مسلمان کا منصب نہیں ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ملک تباہ ہو جائے، خدا آپ سے پوچھے گا، آپ جس کشتی پر سوار ہیں، وہ کشتی تباہ، پھر آپ کی یہ نصیحت رہی، آپ، وہی کشتی وہاں تھوڑا دیر تو وہ سب تباہ ہو چکا ہے، یہ آپ کی ترن ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

محسن عالم

رحمة للعالمين ﷺ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد فاعوذ
بالله من الشيطان الرجيم O بسم الله الرحمن الرحيم "وما ارسلناك
الا رحمة للعالمين"

حضرات! میں نے آپ کے سامنے سورہ انبیاء کی ایک آیت پڑھی ہے اللہ تعالیٰ محمد
رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو
سارے جہاں اور جہاں والوں کے لئے محض رحمت بنا کے بھیجا ہے "یہ خدا کی طرف سے ایک
حیرت انگیز (اور امر رحمت کی روح اور مفہوم کے منافی نہ ہوتا تو میں کہتا کہ) ایک تہمدہ خیز
اعلان ہے یہ اعلان اس صحیفہ میں کیا گیا ہے جس کے لئے تقدیر الہی کا فیصلہ تھا کہ وہ دنیا کے ہر
حصہ میں (اور اپنے نزول کے بعد) تاریخ انسانی کے ہر دور میں پڑھا جائے گا۔ اس کے
پڑھنے والے بھی اکھوں کروڑوں انسان ہوں گے اس پر غور کرنے والے اس کی تشریح کرنے
والے اس کے اسرار اور رموز بیان کرنے والے اس کے ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف کی
تحقیق کرنے والے اس کو تنقید اور شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے والے اور اس کو عم و تحقیق کی
ترازو میں توڑنے اور اس کو واقعات کی کسوٹی پر کسنے والے انسانوں کا سلسلہ بھی قیامت تک ختم
نہیں ہوگا، ایک شخص ایک بیان جاری کرتا ہے، کوئی مضمون نگار سی اخبار یا رسالہ میں (جس کی
زندگی عام طور پر مختصر اور پڑھنے والوں کا حلقہ کثیر محدود ہوتا ہے) کوئی مضمون نگار ہے تو

اس کو اس اندیشہ سے کئی کئی بار غور کرنا پڑتا ہے، اور وہ ترازو میں تول تول کر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ کوئی اس کی تردید نہ کر دے، اور اس کی صداقت کو چیلنج نہ کرے، کتابوں کا معاملہ اس سے بھی مختلف ہے کہ ان کی عمریں عام طور پر خبرات و رسائل سے زیادہ طویل ہوتی ہیں، اور بعض وقت یہاں تک وہ دوسو سے مطلقہ میں رہتی ہیں، اور کوئی تولی کتاب صدیوں تک بھی زندہ رہتی ہے، اس میں کی بات و درث یا کسی چیز کا دعویٰ کرتے ہوئے مصنف کو اپنی مدد دینی کا زیادہ احساس ہوتا ہے، وہ سمجھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو اس کو پہلے سوئی پرست سے، اور ایتنا ہے کہ اس دعویٰ یا علان کا پڑھنے اور سننے والوں پر یہ رد عمل ہوگا، اس سے بعد غور کیجئے کہ خدا نے عدم الغیوب ایسی کتاب میں یہ اعلان کرتا ہے جس کے متعلق وہ خود ہی کہتا ہے کہ ”لا یاتید الباطل من بین یدیه ولا من خلعه تنزیل من حکیم حمید (اس پر بھروسہ نہ آئے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے) (اور) دان (اور) خوبوں والے خدا کی اتاری ہوئی ہے (اور) جس کے متعلق اس کا اعلان ہے کہ ”اسا نحن بولنا الذکر وانا لہ لحاظ طوں“ (ب شک یہ) (کتاب) نصیحت ہمیں نے، ماری ہے اور ہم ہی اس کے ٹہپہاں ہیں) اس اعلان کی وسعت و عظمت اس کے زمانے و مکانی رقبہ کا طول و عرض، دنوں ایسی غیر معمولی باتیں ہیں جن سے سرسری طور پر گزر نہیں جاسکتا۔ زمانی رقبہ سے مراد یہ ہے کہ بعثت محمدی سے لے کر قیامت تک جتنی نسلیں دنیا میں آئیں گی اور تاریخ کے جتنے دور زریں گئے یہ اعلان ان سب پر حاوی ہے، وریہ آیت اس پر زمانہ رقبہ جو ہزاروں سال پر پھیلا ہوا ہے، پھیلتی (مرتی ہے۔

مکانی رقبہ کی وسعت کا یہ عام ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا، یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو جزیرۃ العرب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، یا مشرق کے لئے یا کسی براعظم مثلاً ایشیا کے لئے پیام رحمت بنایا ہے، اس کے برخلاف یہ کہا گیا ہے کہ یہ رحمت ساری دنیا پر محیط ہے گویا اردو کے شاعر حالی کی زبان میں۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خالی

ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

واقعہ یہ ہے کہ اس اعلان کی وسعت، عمومیت، عظمت اور لامحدودیت کے سامنے دنیا کے سرورے منور خیمین، قلادہ، مفکرین، مصنفین بلکہ پورے فکر انسانی کو انکشت بدندان، حیات

زودہ اور ششدر ہو کر کھڑ ہو جانا چاہئے، اور ایک بار سب کام چھوڑ کر اس واقعہ کی تحقیق، اور اس اعلان کی صداقت کی تحقیق میں مصروف ہو جانا چاہئے، مذہب ہی تاریخ میں نہیں، تمدنوں اور فلسفوں ہی کی تاریخ میں نہیں، اصلاحی، اور انقلابی تحریکوں اور روشنیوں ہی کی تاریخ میں نہیں، بلکہ پوری تاریخ انسانی، اور پورے انسانی لڑچکر میں یہاں پر ازاعتقاد، ایسا واضح اور بے شک، ایسا عمومی و عامیہ اعلان، کسی شخصیت یا کسی مذہب و ملت کے متعلق نہیں، مگر مذہب عالم کی تاریخ میں، نبی، پیغمبر، انسان کی زندگیوں، اور تعلیمات کا جو ریکارڈ دنیا میں محفوظ ہے، وہ بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دنیا کا ایک مشہور و رقبہ مذہب یہودیت ہے، اس کا حال یہ ہے کہ وہ خدا کا تصور بھی جو کائنات و متمدن مخلوقات کا خدا ہے، زیادہ تر بنی اسرائیل کے خدا کی حیثیت ہی سے کرتی ہے، عہد حقیق کے اکثر صحیفے، اور یہودیوں کا مذہبی لڑچکر، خدا کے رب کائنات اور رب العالمین کے تصور سے خالی ہے، اس لئے ان کی تاریخ اور ان کے صحیفوں میں کسی پیغمبر کے متعلق وہ چاہے، موسیٰ، ہارون جیسے با عظمت، یا داؤد اور سلیمان جیسے صاحب سلطنت پیغمبر ہوں، کسی ایسے اعلان کو تذکرہ نہ کرنا، فعل عبث اور ارضاعت وقت کے مرف ہے، یہ مذہب بھی بنی اسرائیل کا عمومی اور ان کے لئے بد تفریق نسل و نسب بدیت و رحمت کا پیغام نہیں رہا، اور نہ اس میں کبھی غیر اسرائیلی قوموں اور افراد کو یہودیت کی دعوت و تبلیغ کی ہمت فرمائی گئی۔

جیسا کہ مذہب جو اپنے تبلیغی جوش و ہمدردی کی فوج انسان کے لئے مشہور ہے، اس کے پیغمبر (حضرت مسیح علیہ السلام) بار بار اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ”وہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آئے ہیں۔“ انہوں نے اپنے شاگردوں سے صفائی سے کہا۔ ”میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سو اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔“ جب ان کی توجہ نہ مریضوں کی مسیحی کی طرف منعطف کی گئی، جو بنی اسرائیل سے نسل و نسب کا کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے معذرت کر دی اور فرمایا کہ ”لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں ہے۔“ انہوں نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لئے بھیجا تو انہوں نے ان کو حکم دے کر کہا۔ ”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔“

دوسرے مشرقی و ایشیائی مذاہب ہندومت وغیرہ کا معاملہ اس سے زیادہ کچھ مختلف نہیں۔ بلکہ نسل و نسب کی تقدیس اور بے ہوش اور بے رحم انسانی تقسیم میں وہ کچھ آگے ہی بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں، قدیم ہندوستانی سماج میں شہر ہر قسم کی عزت و مساوات بلکہ کثرت اوقات عام انسانی حقوق اور عام انسانی ہمدردی سے بھی محروم تھے، ان کو علم حاصل کرنے، دوسروں کو تعلیم دینے، اور روحانی ترقی کے مدارج طے کرنے کی اجازت نہ تھی، وید کی تعلیم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں کے چڑھوے چڑھانا، اور ان دینا برہمنوں کا حق قرار دیا گیا تھا، وید کی تعلیم حاصل کرنے اور پڑھنے کی اجازت صرف چھتہ یوں اور ویشیوں کی تھی، اور منو ساستر کی تصریح کے مطابق ”شودر کے لئے قدر مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنیاد یہ اور وہ ان تینوں کی خدمت کرنا ہے۔“ ہندوستان کے قدیم باشندے عام طور پر ہماریہ پہاڑ کے پیچھے دنیا کا تصور نہیں کرتے تھے، ان کو باہر کی دنیا اور انسانوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس لئے یہاں کی مصحح کسی رشی بلکہ کسی پیغمبر کے متعلق بھی (جن کا اس ملک میں پیدا ہونا قرن مجید کے انصوص کے مطابق ممکن اور ہر طرح قرین قیاس ہے) اس قسم کے کمال کا تلاش کرنا بیکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن مذاہب میں رب عالمین ہی کا تصور نہیں، ان میں اپنے کسی پیغمبر کے متعلق رحمتہ معاین ہونے کا تصور یا اعدن پایا جانا غیر منطقی اور غیر فطری بات ہے۔ حضرات! کسی چیز کی اہمیت و عظمت اور قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لئے عام طور پر وہ پیمانے ہوتے ہیں، ایک اس کی تعداد اور مقدار جس کو ہم جدید علمی اصطلاح میں ”کمیت“ QUANTITY کے لفظ سے ادا کرتے ہیں، اور ایک کسی شے کا جوہر یا صفت ہے، جس کو اصطلاحی ”کیفیت“ QUALITY کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ قرآنی اعلان جو محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق کیا گیا ہے، ان دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے، یعنی آپ کی بعثت و نبوت، آپ کے وجود گرامی، اور آپ کی تعلیمات سے انسانیت کو جو فیض پہنچا، اس وحیات نو کا جو پیغام ملے، اور اس کی بیماریوں کا جو دوا، اس کے مصائب کا جو خاتمہ ہوا، اس پر رحمتوں اور برکتوں کا جو دروازہ کھلا وہ اپنی وسعت و کثرت اپنی مقدار و کمیت (QUANTITY) کے اعتبار سے بھی اور اپنی نوعیت و افادیت، اپنے جوہر و کیفیت (QUALITY) کے اعتبار سے بھی بے نظیر و بے مثل ہے، ”رحمت“ ہماری روز مرہ زندگی کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے، اس کے انواع و اقسام اور اس کے مراتب و درجات کا

کوئی ٹھکانہ نہیں، اگر کوئی کسی کو پانی پلا دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی ”رحمت“ ہے، اگر رُوی میں کوئی کسی کو پنکھا جھل دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی ”رحمت“ ہے، اپنے بچہ کو پیار کرتی ہے، باپ اپنے لڑکے کی تعظیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے، اور اس کے لئے زندگی کا ضروری سامان مہیا کرتا ہے، وہ اس سے بھی بڑی ایک ”رحمت“ ہے، استاد صاحب علم کو پڑھاتا، اس کو علم کی نعمت بخشتا ہے، یہ بھی ایک بڑی قابل قدر ”رحمت“ ہے جو کہ کوہان کھانا، نفع و کپڑا پہنانا سب ”رحمت“ کے مظاہر ہیں اور سب کا اعتراف ضروری اور شکریہ واجب ہے۔

لیکن ”رحمت کا“ سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ کسی جان بسبب مرضی کی جان چاں جائے ایک بچہ مقرر رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقیر ایک آخری بچی کے کا، ماں رو رہی ہے کہ یہ ماں دنیا سے رخصت ہو رہا ہے کہ اس سے بچھ نہیں ہو سکتا، باپ مارا مارا پھر رہا ہے، اور سر پھوڑ رہا ہے، سب بے بس معلوم ہوتے ہیں، کہ اچانک ایک طبیب حاذق فرشتہ رحمت بن کر پہنچتا ہے، اور کہتا ہے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں اوہ دوا کا ایک قطرہ بچہ کے حلق میں پکاتا ہے، وہ آنکھیں کھول دیتا ہے، سب اس کو خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ کہیں کے اور وہ ساری رحمتیں جن کا میں نے نام لیا۔ اس ”رحمت“ کے سامنے مات ہو جائیں گی، اس لئے کہ یہ اس مرضی ہی پر نہیں، بلکہ اس کے چھوٹے سے کنبہ اور اس سے محبت کرنے والوں پر بھی احسان عظیم ہے کہ اس کی جان بچ لی گئی، کوئی نابینا چل چلا رہا ہے، راستہ میں کوئی خندق یا کوئی آٹواں پڑ گیا، قریب ہے کہ اس کا اگلا قدم اسی خندق یا کنویں میں ہو، اللہ کا ایک بندہ عین وقت پر پہنچتا ہے، اور وہ اس کی کمر پکڑ لیتا ہے، اور اس کو اس خندق میں مرنے سے بچا لیتا ہے تو وہ اس کے حق میں فرشتہ رحمت کہلائے گا، ایک نوجوان جو اپنے ماں باپ کی آنکھ کا تار اور اپنے کنبہ کا سہا رہے، دریا میں ڈوبنے لگا، وہ غوطے کھا رہا ہے، کوئی گھڑی ہے کہ وہ تہہ نشین ہو جائے، ایسے میں اللہ کا بندہ اپنی جان پر کھیل کر کود پڑتا ہے، اور اس کی جان بچا لیتا ہے، اس کے ماں باپ اور بھائی فرط مسرت اور احسان مندی کے جذبہ سے اس سے پت جاتے ہیں، اور ساری عمر اس کا احسان نہیں بھولتے۔

لیکن ”رحمت“ کا آخری مظہر یہ ہے کہ پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچا جائے، پھر ہلاکت ہلاکت اور خطرہ خطرہ میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے، ایک عارضی ہلاکت اور تھوڑی

دیر کا ٹھہرہ ہے، ایک ابدی ہلاکت و رافنی خطرہ ہے، خدا کے پیغمبر انسانوں سے راتھ ”رہمت“ کا جو معاملہ کرتے ہیں، وہ ان رحمتوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، یہ زندگی کا موج سمندر، یہ زندگی کا طوفانی دریا، جو انسانوں اور افراد ہی کو نہیں، قوموں اور ملکوں کو غرق کر چکا ہے، تہذیبوں اور تمدنوں کو لقمہ اجل بنا چکا ہے، جس کی موجیں مہنگوں کی طرح منہ پھیر کر بڑبستی اور پھرے ہوئے شیر کی طرح انسانوں پر حملہ کرتی ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ اس بے رحم دریا سے کس طرح پرتر جائے اور انسانی قافلہ کو سرحل مراد بلکہ سرحل نجات پر پہنچایا جائے، نون انسان کا سب سے بڑا آئینہ اور اس کا نجات دہندہ وہ قریب ہے گا جس نے انسانی کشتی کو جو ڈانوا ڈال ہو رہی ہے، جس سے سارا موجود ہیں، نیکین مدین مطلقہ، سرحل تک پہنچا دے۔ انسان انسان کی بھی شکر گزار ہے، جو اس کو صدمہ من کا تختہ لیتا ہے، وہ ان کی بھی شکر گزار ہے، ان کی مخلوقات میں انسانہ کرتے ہیں، وہ ان کی بھی شکر گزار ہے، جنہوں نے اس کی زندگی کو برسات بنایا، اس کی زندگی میں مشکلات کو ختم کیا، وہ کسی انسان کی ناقہ کی نہیں کرتی، لیکن اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ان دشمنوں سے بچایا جائے، ان کی جان کے دشمن ہیں، اور اس کی کشتی پار گائی جائے۔

اس زندگی کی بے رحم موجیں اور اس دریا کے ظلم و خونخوار ہنگ کیا ہیں؟ اس کا نجات کے پیر کرنے والے کی ہستی، اس کی حقیقی سہارا اور مقصد سے بے خبری، شرک، انشا و وہام پستی میں مبتلا ہونا ہے، انسانیت کی بے شعوری اور خود فراموشی، خدا ناشناسی و نفس پرستی، اپنے حدود سے تجاوز کرنا، اخلاق کا بگاڑ، جذبات کی سرکشی، اپنا فرض ادا کرنے سے انکار، اپنی حق وسوں کرنے پر اصرار ہے، زندگی کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ زندگی کی چولہا پنی جلد سے تپ جائے، انسان اپنے مقصد و مرتبہ اور اپنے مقصد زندگی سے غافل ہو جائے، وہ اپنے کو یک بھیہ یا سمجھنے لگے یا سانپ واثر دیا، انسان جب ان حقیقتوں کو بھول جاتا ہے، تو زندگی کا یہ دریا، آگ کا دریا بن جاتا ہے، پھر انسان، انسان کوھلنے لگتا ہے، پھر سانپوں پٹھوؤں، بھیہ ہیں، اور پیتوں کی ضرورت نہیں رہتی، انسان سب سے بڑا بھیہ یا بن جاتا ہے، جس کے سامنے بھیٹے سے کان پڑیں، وہ ایسا شیطان بن جاتا ہے، جس کے سامنے شیطان ناک رڑے، اس وقت انسان اپنی گائی ہوئی آگ میں خود سکتے اور جلتے ہیں، باہر کی کسی آگ کی ضرورت نہیں۔

یہ وقت ہوتا ہے، جب خدا کی غیرت حرمت میں آتی ہے، اس کی رحمت کا تصور ہوتا ہے
اس وقت باہر جہانگیر کا ایک جھونکا آتا ہے، اور مردہ انسانیت کو متاثرہ اور انسانیت کے اس
رسیدہ چمن و پر بہار میں جاتا ہے، انسانیت اس وقت کے مداحوں کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس
کی کشتی، پارک میں۔

اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لئے میں ایک تمثیل کے کاموں کا، جو خدا کے پیغمبر
کے منصب و مقام اور اس کے کام کی ذمیت و اشیائیت کے سمجھنے میں وہ خدمت انجام دے سکتی
ہے، جو بہت ہی دقیق علمی اور فنی فیصلہ دہان نہیں دے سکتے۔

کہتے ہیں کہ زندہ دلان جو جوانوں کی ایک پارٹی "پنک" کے لئے روانہ ہوئی، انہوں نے
ایک صبح سے لے کر دوپہر تک وہاں وہاں کی یہ سب باتیں، اور اس تفریح گاہ کے پنپنے کے گاہری
کے اور کے اندر کے پر واقعے سب کچھ کا سہا، وقت تھا، طبیعت مون پر تھی، ہمارے پٹھانہ تھے، اس
میں تو باقیس یہی کرتے تھے، اس مرتبہ انہوں نے صبح وقت تک کا رچہ بنایا، اس کے دن
بہلانے لگے، ان میں سے ایک صاحبزادے نے کہا کہ چچو! آپ نے بڑھ تعلیم بھی حاصل کی
ہے؟ اس صاحب نے سر جھکا کے کہا نہیں، بھیا میں تو کچھ پڑھا کچھ نہیں ہوں، میرے یہاں تو
پرکھوں سے یہی ناؤ کھینے کا پیشہ چلا آ رہا ہے، ناؤ چلاتا ہوں، چار پیسے کمالت ہوں، اپنا اور اپنے
بچوں کا پیٹ بھر دیتا ہوں، دوسرے صاحبزادے بولے، چچو بات آپ نے سراسر تو پڑھ لی
ہوں، انگلش لٹریچر کا تو مطالعہ کیا ہوگا؟ صاحب نے کہا میں تو آن پہلی مرتبہ یہ بھاری کھانا من
رہا ہوں تیسرے صاحب بولے کہ آپ نے جی میٹر کی تو ضرور پڑھی ہوئی، اس کے بغیر تو کشتی
چھوٹی نہیں جا سکتی؟ زاویہ (ANGLE) سے چلائی جائے، اس زاویہ سے نہ چھوٹی جائے؟
اس نے کہا میں کچھ نہیں سمجھا، کسی طرح انہوں نے اپنے ان سب مضامین کا باری باری سے
نام پڑا، جو وہ کات میں پڑھتے تھے، اور آخر میں پوچھا کہ آپ نے الجبرا تو پڑھا ہی ہوگا، وہ بڑا
ضہوری علم ہے؟ صاحب بیچارے نے شرعاً کہا کہ بھیا، یہ شہر کا نام ہے یا آدمی کا؟ لڑکوں نے
ایک قبیلہ لگایا، پھر صاحب سے پوچھا تمہاری عمر کیا ہے؟ صاحب نے کہا یہی، کی چالیس برس ہوئی،
مڑے کہنے لگے کہ جہانگیر نے اپنی آہی عمر کھوئی، صاحب خاموش ہو گیا، اللہ کو اس کی عمر تھی اور
جہانگیر پر رحم آیا، اب اس کی باری آئی، دریا بھی تلک پر سکون تھا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس

میں صوفی آیا، بڑی بڑی ہریں اٹھنی شروع ہوئیں، ان ہریں نے اس کشتی سے ایسی شوخیوں کرنی شروع کیں، جیسی یہ بڑے ملاٹ سے رہ رہے تھے، کشتی بھی اس طرف جھکتی تھی اس طرف لڑواں کا یہ حال تھا کہ اوپر کی سائیں اوپر نیچے کی سائیں نیچے، مدد تھوڑی دیر تک تو خاموش یہ متاثر نہ ہوتا رہا، پھر بڑی سنجیدگی سے ساتھ منہ بنا کر رہا، بھیجا تم نے کچھ پیر نا بھیج سیکھا ہے، ایک حقیقت جس نے ان کو سنجیدہ بنا دیا تھا، اور وہ ساری شوخی اور مبالغہ بھول گئے تھے، موت نے وہ سامنے بھڑکی نظر آ رہی تھی، انہوں نے ٹھنڈی سائیں سے رہا کہ بچا جان! پیر نا تو نہیں سیکھا، ترلوں نے تو یہ کہا تھا کہ جو تم نے آدھی عمر بھولی، مدد نے بڑے سیخ اور ابی انداز میں کہا (بعض مرتبہ بڑھے لوگوں کی زبان سے یہ فقرے نکل جاتے ہیں کہ بڑے بڑے شاعر اور ادیب ان پر سو دھنتے ہیں) کہ جو میں نے تو اپنی آدھی عمر بھولی تھی، تم نے اپنی ساری عمر ڈوبی، اگر یہ کشتی ڈوبی تو تم جو نام سے رہے تھے (بھاری بھاری لفظ بیچارے مدد) کہاں پیدا رہ سکتے تھے) وہ تمہارے کیا کام آئیں گے، تم کچھ نہ پڑھتے مگر پیر نا سیکھ لیتے تو کہیں اچھے رہتے تم سے تو میں دو ٹکے کا مدد چھ کہ میں پیر نا جانتا ہوں، پنی جان پی لوں گا۔

تاریخ انسانی ہمیں بتاتی ہے، اور اس کا ریکارڈ موجود ہے کہ جب زندگی کی کشتی انسانوں کی بدامنی سے الٹی یا ڈوبی تو کوئی چیز نہیں بچی، تہذیبوں نے ہزاروں برس میں جو سرمایہ پیدا کیا تھا، ہزاروں لکھوں انسانوں کے دماغ کا نچوڑ، ان کی ذہانت کا جوہر، ادب، شاعری، فلسفہ کا انمول خزانہ وہ سب اس کشتی، اور اس کشتی کے سواروں کے ساتھ ڈوب گیا۔ زندگی کی یہ کشتی شاعری کے انحطاط، ادب کے زوال، تعلیم کا ہوس کی کمی اور اعلیٰ تعلیم کے فقدان اور سرمایہ کی کمی یہ معیار زندگی کے پست ہو جانے سے نہیں ڈوبی، وہ اس وجہ سے ڈوبی کہ انسان خود کشتی پر آمادہ ہو گیا تھا، اس نے جس شاخ پر اپنا نشیمن بنایا تھا، اور جس شاخ پر اس کا سارا کنبہ اور اس کی متاع تھی، اس شاخ پر وہ تیشہ چھانے گا، تاریخ بتاتی ہے کہ انسانوں کے دماغوں پر ایسے دورے پڑتے رہے ہیں، کہ انسان قہر سے بے تخریب پر تڑپتا ہے، ہم نے بارہا حیات کی آنکھوں سے دیکھا ہے، یقین نہیں آتا تھا، یقین کرنا پڑا کہ انسانوں نے اسی شاخ کو چورے جوش کے ساتھ کاٹنا شروع کر دیا، جس پر ان کا آشیانہ تھا، گویا کہ یہ ایک نہایت عظیم شان کا رنما اور کوئی زبردست تعمیری کام ہے، انسان بدست کی خندق میں چھلانگ لگانے پر اصرار کر رہا ہے،

زندگی سے میزا اور ہدایت کے لئے بقرار ہے، ویسا زندگی کوئی عذاب اور ہدایت کوئی عظیم نعمت اور عظیم ترین لذت ہے۔

چھٹی صدی مسیحی میں عالمگیری پیمانہ پر یہی کیفیت نظر آتی ہے، اس وقت پوری نوٹ انسانی خودشی پر آمادہ نہیں کر رہی تھی، جیسے خودشی رہنے کی اس نے قسم کھائی تھی، ساری دنیا میں خودشی کی تیرری ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس منظر اور صورت حال کی تصویر کھینچی ہے، اس سے بہتر کوئی بڑے سے بڑا مصور، ادیب و مورخ تصویر نہیں کھینچ سکتا، وہ فرماتا ہے ”واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالہ بین قلوبکم فاصحتم بعلمتہ احوانا وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم مہما“ (اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے ٹڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا) ہم رہے وہ رخسار اور یہ ستاروں کا خدا بھلا کرے، ان سے جاہلیت کی تصویر پورے طور پر نہ کھینچ سکی، وہ نہ صرف قبائلی معافی بدلتے بہار شکر یہ کے مستحق ہیں کہ ادب اور زبان کا ذخیرہ ساتھ نہیں دیتا، واقعہ اور صورت حال اتنی سنگین، اتنی نازک اتنی مہیب اور اتنی پیچیدہ اور دقیق تھی کہ مولے رقم سے اس کی تصویر اور زبان و ادب کی بڑی سے بڑی قدرت و صلاحیت سے اس کی تعبیر ممکن نہیں، مورخ اس کا حق ایسے ادا کر سکتا ہے، دور جاہلیت جس میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، یہ وہ ایک یا دو قوموں کے انحطاط یا اضافاتی گاڑ کا مسئلہ تھا، خالی بت پرستی کا مسئلہ تھا، اخلاقی جرائم و ذمائم کا مسئلہ تھا، شراب نوشی، قمار بازی، پیش پرستی، ہوس رانی، حقوق کی پامالی، ظلم و استبداد، معاشی استحصال، جاہل اور بیداد حکومتوں، ظالمانہ نظاموں اور غیر منصفانہ قوانین کا مسئلہ تھا؟ کیا مسئلہ یہ تھا کہ کسی ملک میں باپ اپنی نوزائیدہ بچی کو زندہ درگور رہ رہا تھا؟ مسئلہ یہ تھا کہ انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا، مسئلہ یہ نہیں تھا کہ عرب کے چھ سنگ دل اور قسی القلب لوگ اپنی اپنی معصوم بچیوں کو مہوئی شرم، اور خیالی ننگ و عار سے بچنے کے لئے ایک خود ساختہ تیخیل اور ایک ظالمانہ روایت کی بناء پر اپنے ہاتھوں زمین میں زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے، مسئلہ یہ تھا کہ مادر گیتی اپنی پوری سل کو زندہ دفن کرنا چاہتی تھی، وہ دور ختم ہو چکا اب اس کو کیسے لا کر سامنے کھڑا کر دیا جائے، وہ دور جن لوگوں نے

ایسا تھا، وہی اس کی حقیقت سمجھتے اور جانتے تھے۔

[illegible]

۱۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔
 ۲۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔
 ۳۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔
 ۴۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔
 ۵۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔
 ۶۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔
 ۷۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔
 ۸۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔
 ۹۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔
 ۱۰۔ ہر شخص کو اپنے آپ کو جاننا چاہیے۔

مختلف انسانوں اور انسانیت کے بنی خیموں میں پائی جاتی ہے، حقیقت ساری ان ہی پیغمبروں کی
ساتھ مندر ہے کہ انہوں نے نوحؑ کی کوان گھڑات سے بچا یا جو اس سے سر پہ نئی تہذیب کی

طرح ٹک رہے تھے، دنیا کا کوئی علمی، تعمیری، اصلاحی کام، کوئی فلسفہ کوئی دبستان فکر، ان کے احسان سے سبک دوش نہیں، سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا اپنی بقا اور ترقی اور زندگی کے استحقاق میں پیغمبروں ہی کی رہین منت ہے، انسانوں نے زبان حال سے کئی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ اب ان کی افراتیت ختم ہو گئی اور اب وہ دنیا کے لئے اور اپنے لئے کوئی نافعیت، برکت و رحمت اور کوئی پیغام اور دعوت نہیں رکھتے، انہوں نے اپنے خد ف خدا کی عداوت میں خود انہی کی اور گواہی دی، ان کی مسلسل تیار تھی، اور وہ اپنے کہ بڑی سے بڑی سزا بلکہ سزا کے موت کا مستحق ثابت کر چکے تھے۔

جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے، جب وہ اخلاقیات کو بیسرف و بیشمار کر دیتا ہے، جب انسان اپنی نفسی خواہشات و رغبات کے حیوانی تقاضوں کی تمکین کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت و فو اموش کرا دیتا ہے، جب اس کے پیہو میں انسان کے دل کے بجائے بھینے یہ اور چیتے کا اس پیدا ہو جاتا ہے، جب اس کے سر میں ایک فرضی معبودہ و ایک ممد و نفس اور وہ غم ویتا ہے، جب ایسا پر خون کا اور وہ پرتا ہے، قدرت خداوندی اس کو سزا دینے یا اس کے خون کے نشرو تارنے کے لئے تیار ہو کر نکلنے لگتا ہے، اس لئے جرج پیدا ہوتی ہے۔

قی ہے عاقبت اندرز انہیں پیدا

اللہ کے کشتہ میں تہور یہ پختیہ

کیا عاقبت کے فطرتی تمدن کے بدن اتنے کمدن کا تھا اور تمدنی ذہن عاقبت کے بدن کے زیادہ کمدن کا تھا اور یہاں وسیع ہوتا ہے یہ ضرور مامیٹش ریپٹل ہو جاتا ہے تو تمدنی فیزد و سرور کا ہے، اور ہر ائید حد ب میں ملتا ہے جاتا ہے آپ تسو جینے کہ جب روح انسانی پگل ہو جائے اور جب تمدن کا قہار برہنہ ہے، جب انسانیت کا مزاج خراب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

جاہلیت میں تمدن صرف برائی نہیں تھا، محض برائی نہیں تھی۔ اس میں برائی کے لئے تھے انسان، نوع انسانی کا شکاری بن گیا تھا۔ اس کی انسان کی جان کی ان کی ان کی آپ مر کی مصیبت زدوں کے رو میں وہ مڑا آئے گا تھا، جو جو مڑو سہو میں، اور ان کے مذہب سے مذہب ان کے ورژن شمن سے ڈوشمن منظر میں نہیں آتا تھا، آپ رو کی تاریخی پڑھیں جس کی فتاحات نظم و نسق اور قانون سازی اور تہذیب کے، دنیا میں ڈنٹے بکے، یورپین مڈرن اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔

ہل روم کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ فرحت افزا اور مست بردینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا، جب باہم شمشیر زنی یا خونخوار جوروں کی لڑائی میں ہزیمت خوردہ اور مجروح شمشیر زن (GLADIATOR) جانکشی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا، ورموت کے قرب میں آخری ہچکلی لیتے اس وقت روم کے خوش باش اور زندہ دل تماشاخی اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر رے پڑتے اور پولیس کو بھی ان کو سنروال میں رہنا ممکن نہ ہوتا۔

رومی مہد کے سیانی جس میں انسان میں جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا، انسانی شقاوت و ستمدلی کی بدترین مثال پیش کرتی ہے، لیکن یہ صرف اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا محبوب مشغلہ تھا، ”تاریخ اخلاق یورپ“ کے مصنف لیکو ان کھیلوں کی ہر و لعزیزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”سیانی یہ مقبویت و دل فریبی اس لحاظ سے مطلق حیرت انگیز نہیں کہ دکاشی کے جتنے منظر اس میں کرجمت ہو گئے تھے اتنے کسی دوسرے منصب میں نہ تھے، اق و دق اکھاڑہ، امراء و اعیان، دولت کی زرق برق پوشاکیں، تماشاخیوں کا انبوه کثیران کے ذوق شوق کا اثر متعدی، اتنے بڑے مجمع میں یک متوقع سکون و خاموشی، کی ہزار زبانوں سے ایک بارگی صدا کے تحسین بند ہوتا، اس کی آواز سے شہر یا معنی مضافات شہر تک گونج اٹھتا، جنگ کا گھڑی گھڑی رنگ بدستے رہنا عظیم المثل جرأت و بے جھرمی کا ظہور، ان میں سے ہر شئی کو متاثر کرنے کے لئے کافی ہے، اور ان کی مجموعی طاقت قدرتی طور پر بہت قوی ہے۔

ان ظامانہ تفریحات کو روکنے کے احکام جاری کئے گئے۔ لیکن یہ سید بات پر زور تھا کہ کوئی بند سے روک نہیں سکتا تھا۔“

پس جب بیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی، بلکہ ٹوٹ گئی تھی، انسان انسان نہیں رہا تھا، انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدائی عدالت میں پیش تھا، انسان اپنے خدائے وائی دے چکا تھا، اس حالت میں خدائے محمد رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور ارشاد ہوا ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ (اور اے محمد! ہم نے تم کو تمام جہاں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔)

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دور بلکہ قیامت تک کا پورا دور محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت، دعوت

اور مساعی جمیلہ کے حساب میں ہے، آپ ﷺ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر شک رہی تھی، اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا مقہم کر دے، اس تلوار کو ہنسیا، اور اس کو وہ تحفے عطا کئے، جنہوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب و تمدن، علم فن، روحانیت و اخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا ہم یہاں پر آپ کے ان چند عطیوں کا ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے نوع انسانی کی ہدایت و اصلاح اور انسانیت کی تعمیر و ترقی میں بنیادی ورق مدانہ کردار ادا کیا، اور جن کی بدولت ایک نئی دنیا وجود میں آئی۔

آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو عقیدہ توحید کی نعمت عطا فرمائی اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش، عہد آفریں و معجز نما عقیدہ، دنیا کو نہ پہلے بھی ملے اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے، یہ انسان جس کو شاعری، فلسفہ، اور سیاست میں بڑے بڑے دعوے ہیں، اور جس نے قوموں، ملکوں کو براہِ ندامت بنا دیا، من صرا ربعہ پر اپنی حکومت چلائی، پتھر میں پھول کھلائے، اور پہاڑوں کا جگر کاٹ کر دریا بہا گئے اور جس نے کبھی کبھی خدائی کا بھی دعویٰ کیا، یہ اپنے سے کہیں زیادہ مجبور و ذلیل، بے حس و حرکت، بے جان و مردہ اور بعض اوقات خود اپنی ساختہ پرداختہ چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا، یہ پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، ارواح و شیاطین اور مظاہر قدرت حق کے سامنے نہیں، بلکہ کیڑوں، مکوڑوں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا، اور اس کی پوری زندگی انہیں سے خوف و امید اور انہیں خطرات میں بسر ہوتی تھی، جس کا نتیجہ بزدلی، ذہنی انتشار، وہم پرستی اور بے اعتمادی تھا، آپ نے اس کو ایسے خاص بے آمیز، سہل انہم حیات بخش عقیدہ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ خدا کے سوا جو خالق کائنات ہے، ہر ایک سے آزاد، نڈر اور بے فکر ہو گیا، اس میں ایک نئی قوت، نیا حوصلہ، نئی شجاعت اور نئی وحدت پیدا ہوئی، اس نے صرف خدا کو کارساز حقیقی، حاجت روائے مطلق، اور نافع و ضار (نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا) سمجھنا شروع کیا، اس نئی دریافت اور یافت سے اس کی دنیا بدل گئی، وہ ہر قسم کی غلامی و عبودیت اور ہر طرح کے بے جا خوف ورجا اور ہر طرح کے تشمت و انتشار سے محفوظ ہو گیا، اس کو کثرت میں وحدت نظر آنے لگی، وہ اپنے کو ساری مخلوقات سے افضل، ساری دنیا کا سردار و منتظم اور صرف خدا کا

محکوم اور فرمانبردار سمجھنے لگا، اس کا مازی نتیجہ انسانی عظمت و شرف کا قیام تھا، جس سے پوری دنیا محروم ہو چکی تھی۔

بعثت محمدی کے بعد ہر طرف سے اس عقیدہ توحید کی (جس سے زیادہ منظوم و مجہول کوئی عقیدہ نہ تھا) صدائے بازگشت آنے لگی، دنیا کے سارے فلسفوں اور افکار و خیالات پر اس کا ’موہم‘ بیش اثر پڑا، وہ بڑے بڑے مذاہب جن کے رگ و ریشہ میں شرک اور تعدد آہے (متعدد خداؤں اور معبودوں) کا عقیدہ رچ بس گیا تھا، کسی نہ کسی نے میں یہ اعدن کرنے پر مجبور ہوئے کہ خدا ایک ہے، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہوئے، اور ان کی ایسی فلسفیانہ تشریح کرنے لگے، جس سے ان پر شرک و بدعت پرستی کا الزام نہ آئے، اور وہ اسلامی عقیدہ توحید سے کچھ نہ کچھ متا ہوا نظر آئے ان کو شرک کا اقرار کرنے میں شرم اور جھجک محسوس ہونے لگی اور سارے مشرکانہ نظام، فکر و اعتقاد، احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) میں مبتلا ہوئے، اس محسن اعظم کا احسان اعظم یہ ہے کہ اس نے توحید کی نعمت دنیا کو عطا کی۔

آپ ﷺ کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے، جو آپ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں اور برادریوں، ذات جاتی اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا، اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عہد و معبود کا سافرق تھا، وحدت و مساوات کا کوئی تصور نہ تھا، آپ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا۔ ”ایہا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم وادم من تراب، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ“ گو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب ابراہیم و آدم ہو اور آدم منی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر۔“

یہ وہ الفاظ ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری حج میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم مجمع میں فرمائے تھے، ان میں، دو وحدتوں کا اعلان کیا گیا ہے، اور یہی وہ دو فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں، جن پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا قیام قائم کیا جاسکتا ہے، اور جس کے سایہ کے نیچے انسان کو امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے، اور وہ اشتراک عمل اور تعاون کے اصول پر انس و بیت

کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا ہے، یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ ایک نوع انسانی کی خالق و صانع کی وحدت، اور ایک نسل انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت، اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ سب انسانوں اور جہانوں کا رب ایک ہے، دوسرا جسمانی اور ثانوی طور پر، وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، دوسرے الفاظ میں تو حید ”رب“ اور تو حید ”اب“ کی تعظیم دی، جس کو مختصہ الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے ”الرب واحد والاب واحد“ رب (پروردگار) بھی ایک ہے، اور اب (والد بزرگوار) بھی ایک۔

جس وقت یہ اعلان کیا گیا تھا، اس وقت دنیا اس کے سننے کے حال (مود) میں نہ تھی، یہ اعلان اس وقت کی دنیا میں یک زلزلہ سے کم نہ تھا، بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جو تدریجی طور پر قابل برداشت ہو جاتی ہیں، بجلی کا یہی حال ہے کہ اس کو پردوں میں رکھ کر چھو بیٹے ہیں، لیکن بجلی کی عریاں بہر کو آ کر کوئی چھو لے تو جسم میں اس کا کرنٹ دوڑ جاتا، اور اس کا کام تمام مردیت ہے، اسی عہد فہم اور فکر انسانی کے ارتقاء کی ان منزلوں نے جو اسد مکی دعوت، اسلامی معاشرہ کے قیام، مصلحین اور داعیوں اسلام کی کوششوں سے طے ہوئیں، اس انقلاب انگیز اور زلزلہ فگن اعلان کو روزمرہ کی حقیقت بنا دیا ہے، اقوام متحدہ کے اسٹیج سے لے کر جس نے حقوق انسانی کا منشور (HUMAN RIGHTS CHARTER) شائع کیا، ہر جمہوریہ اور ہر ادارہ کی طرف سے انسانی حقوق اور مساوات انسانی کا اعلان کیا جا رہا ہے، اور کوئی اس کو سن کر متعجب نہیں ہوتا، لیکن ایک زمانہ تھا، جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے، فوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا، اور بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسب نامہ خدا سے اور سورج چاند سے ملایا جا رہا تھا، قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کی لڑائی اور چھیتی اولاد کی طرح ہیں ”وقالت اليهود والنصارى نحن ابناء الله واحمانه“ فرعون مصر اپنے کو سورج و مہر کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے، شاہان ایران کو جس کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے، کیاتی سلسلہ کے آخری ایرانی شہنشاہ یزدگرد کا نام بتاتا ہے کہ وہ اور

ایرانی ان کو خدا کا کس درجہ مقرب اور ہم نشین سمجھتے تھے۔

چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان زراعت میں ماہر ہے، ان دونوں کے اتصال سے کائنات کی تخلیق عمل میں آئی ہے اور شہنشاہ خدائوں میں جوڑے کا پہلو ٹھہر گیا ہے، عرب اپنے سو ساری دنیا کو لنگا اور سب زبان (تہذیب) لیتے تھے، ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش، عام عربوں سے بھی اپنے کو بالا و برتر سمجھتا تھا۔ یہ ساری باتیں ترقی میں گج کے ایسے مذہبی جتماع میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھتے تھے۔

قرآن نے اس فضا اور اس ماحول میں اعلان کیا: ”یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَنَسِیْ وَجَعَلْنَاكُمْ شَفْعًا وَقَدْ نَلَّ لَعْنًا فَوَاطُّ أُنْا اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اتَّفَقَا كُمْ“۔
وگوا ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرے (اور) خدا کے نزدیک تم میں عزت والہ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور قرآن کی ایک ایسی سورہ میں جو قرآنِ کریم (افتخار) اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورہ ہے، کہا گیا ہے: ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

آپ کی رحمتہ مع المین کا تیسرا مظہر، ان نوع انسانی پر تیسرا احسان عظیم، امتِ انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ کا عہد و مرام کا تحفہ ہے، اسدِ ملک کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ اہمیت ملی ہوئی نہیں تھی، انسانی وجود باطل ہے قیمت اور حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات یہ تو یہاں اور بعض ”مقدس“ حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد و روایات وابستہ ہوئی تھیں، ان پر سب سے کمزور سے بھی زیادہ قیمتی و اہمیت حاصل حفاظت تھی ان کے لئے بے تکلف انسانوں کی پائیں چا سکتی تھیں، ان انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاؤ پر مسلمان نہ دیکھتے تھے، آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی، قابلِ احترام، اہم محبت اور مستحقِ حفاظت وجود ہے، آپ نے انسان کا پیہ اتنا بلند کیا کہ اس سے پر صرف خالق کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے، قرآن نے اعلان کیا کہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے، ساری دنیا

اور یہ سارا کارخانہ عالم، اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ”ہو الذی خلق لکم مافی الارض حمیعا“ وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

وہ اشرق مخلوقات ہے اور اس بزمِ عالم کا صدر نشین ہے۔ ”ولقد کرماہی ادم وحماہم فی البر والبحر ودرقناہم من الطیبات وفصلناہم علی کثیر ممن خلقتہم تفضیلاً“ و ربہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل و دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس سے زیادہ اس کی عزت فرائی اور اس کی اہمیت کا اثبات یہ ہو سکتا ہے کہ صاف ہدایا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہیں، اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ چھ سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے۔ ”الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ“۔

نسانیت کی بندگی اور خدا سے اس کے قرب و اختصاں کا اظہار اس سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے، جو ایک حدیث قدسی میں کیا گیا ہے، فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا، ”اے فرزند آدم! میں یہاں رہا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا بندہ کہے گا، پروردگار میں تیری عیادت کیا کر سکتا ہوں، تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا، یہ تجھے معلوم نہیں ہو، میرا فداں بندہ یہاں پڑ گیا تھا، تو اس کی عیادت نہیں گئی، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، پھر ارشاد ہوگا، اے فرزند آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، بندہ عرض کرے گا، پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں، تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا یہ تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اسے نہیں کھلایا، یہ تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو سے کھانا کھلاتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا، اے فرزند آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا، اے رب! میں تجھے کیسے پانی پلا سکتا ہوں، تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا، تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی طلب کیا تھا، تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا۔“ ایک سرپا تو حید مذہب میں، کیا انسانیت کی بندگی، اور انسان کی رفعت و محبوبیت کا اس سے بڑھ کر اعتراف و اعلان پایا جاسکتا ہے، اور کیا دنیا کے کسی مذہب و فلسفہ میں انسان کو یہ مقام

ویا گیا ہے؟ آپ نے خدا کی رحمت و شفقت کے لئے انسانوں پر رحم و شفقت کو شرط اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ بتایا اور فرمایا ”الراحمون برحمہم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء“ رحم کرنے والوں پر رحمت کی رحمت ہوتی ہے۔ اگر تم زمین پر رحم کرو گے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔

آپ غور کیجئے کہ وحدت انسانی کا نقش دلوں پر بٹھانے اور احترام انسانیت کا یقین دلوں میں پیدا کرنے کے لئے جب یہ سعی بیغ نہیں کی گئی تھی، اس وقت انسان کا یہ حال رہا ہو گا ایک انسان کی ادنیٰ خواہش کی قیمت ہزاروں انسانوں سے زیادہ تھی، بادشاہ اٹھتے تھے، درملوں سے ملکوں کا صفیا کر لیتے تھے، سمندر اٹھا اور جیسے کوئی بڑی ہیلتا ہے، ہندوستان تک چلا آیا، اور قوموں اور تہذیبوں کے چراغ گل کر دیئے، سیزا اٹھا اور انسانوں کا اس طرح شکار ہیلان شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار لھیلا جاتا ہے، آج ہمارے زمانہ میں بھی دو دوع منہ جنگیں ہو گئیں، جنہوں نے اکھوں انسانوں کو موت کے گھٹ اتار دیا اور صرف قومی تکبر، سید و انانیت، اقتدار کی ہوس، یا تجارتی مندیوں پر قبضہ کرنے کے جذبہ کا نتیجہ تھا، اقبال سے سچ کہ

ابھی تک آدمی صید زبولن شہر یاری ہے

قیمت ہے کہ انسان نوع انساں کا شکار ہے

چوتھا نقطہ، بی کارنامہ یہ ہے کہ بحشت محمدی کے وقت نوع انسانی نے شرافت اور پافطرت انسانی سے بد کمائی اور خدا کی رحمت سے مایوسی کی ایک عارفہ چھٹی ہوئی تھی، اس وقت یفدت کے پیدا کرنے میں ایشیا سے بعض قدیم مذہب اور شرق وسطیٰ اور یورپ کی تبدیل شدہ عیسائیت نے یکساں کردار ادا کیا تھا، ہندوستان کے قدیم مذہب نے تاج ”آواؤن“ سے فسفہ کے ذریعہ جس میں انسان کے ارادہ اختیار کو مطلق دخل نہیں ہے، اور اس کی روت ہے انسان کو اپنے پہلے جنم کے اعمال اور غلطیوں کی سزا بھگتنی ضروری ہے، اور عیسائیت نے انسان کے پیدا کی گئی کارہونے اور اس سے حضرت مسیح کے گوارہ بننے کی ضرورت کے عقیدہ کے نتیجہ میں اس وقت کے متمدن دنیا کے اکھوں کروڑوں افراد کو جوان مذہب کے پیرو تھے، اپنی ذات سے بد کمائی اور اپنے مستقبل اور خدا کی رحمت سے مایوسی میں مبتلا کر دیا تھا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے پوری طاقت و صفائی سے اعدان کیا کہ انسان کی فطرت ایک سادہ

تختی کے مانند ہے جس پر پہلے سے کوئی تحریر لکھی نہیں ہے، اس پر بہتر سے بہتر تحریر لکھی جاسکتی ہے انسان اپنی زندگی کا خود آغاز کرتا ہے، اور اپنے اچھے یا برے عمل سے اپنی دنیا و عاقبت بناتا یا بگاڑتا ہے، وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار یا جواب دہ نہیں ہے۔ قرآن مجید نے بار بار اعدن کیا کہ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھ سکے گا، اور یہ اس کے حصہ میں اسی کی کوشش اور اس کے نتائج آنے والے ہیں، انسان کی کوشش کا نتیجہ ضروری ظاہر ہوگا، اور اس کو اس کا بھرپور بدر ملے گا۔ "لا تزر وازرة فردا حری وان لبس للانسان الا ماسعی وان سعیه سوف یرى ثم یجزاه الجزء الاولی"۔ کہ کوئی شخص دوسرے (کے لئے) کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا، اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اس اعدن سے انسان کا اپنی فطرت، اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہو گیا جو بالکل متزلزل ہو گیا تھا، وہ نئے عزم و یقین اور نئے جوش و ولولہ کے ساتھ اپنی اور انسانیت کی تقدیر چمکانے اور اپنی قسمت اور قوت آزمانے کے لئے سرگرم سفر ہو گیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے گناہوں، غرضوں اور غلطیوں کو ایک ماضی حالت قرار دیا جس میں انسان کبھی کبھی اپنی نادانی، کوتاہ نظری اور نفس و شیطان کی ترغیب سے مبتلا ہو جاتا ہے، صلاحیت، خیر پسندی اور اخلاقی قصور و ندامت، اس کی فطرت کا اصل تقاضہ، اور انسانیت کا جوہر ہے، اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، اس پر نادم ہونا، خدا کے سامنے رونا دھونا، اپنے قصور کو معاف فراموش کرنا، ورنہ ایسی غلطی کے نہ کرنے کا عزم کرنا انسان کی شرافت و آدم کی میراث ہے، آپ نے دنیا کے مایوس و دل شستہ اور گناہوں کے دبدب میں گکے گکے ڈوبے ہوئے انسانوں پر توبہ کا ایسا دروازہ کھولا اور اس کی اس زور و شور سے تبلیغ فرمائی کہ آپ کو اس شعبہ کا دوبارہ زندہ کرنے والا کہنا صحیح ہوگا، اسی بنا پر آپ کے ناموں میں ایک نام "نبی التوبہ" (توبہ کا پیغمبر اور پیغمبر) بھی ہے، آپ نے توبہ کو ایک مجبوری کی بات اور تعالیٰ مانتے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ آپ نے اس کے اہم فضل بیان کئے اور اس کا مرتبہ اتنا بلند کیا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور خدا کے قرب اور اس کی محبوبیت کا ایسا ذریعہ بن گیا کہ اس پر بڑے بڑے معصوم صفت اور نارنا کردہ گناہ عابدوں اور زاہدوں کو رشک آنے لگا۔

قرآن مجید نے اس طرح رحمت کی وسعت پر گنہگار کے قہر سے بڑے سے بڑے گنہگار سے پاک و صاف ہو جانے کے امکان کو اس دلکش اور انور انداز میں بیان کیا اور گنہگار بندوں اور نفس و شیطان کے زخم خوردہ انسانوں کو اس طرح خدا کے امن رحمت میں پناہ دینے کی مناد کی، اور اس کے دریائے رحمت کے جوش و تلاطم کو اس انداز میں بیان کیا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ مطلوب سے زیادہ صائب اور گنہگار بندوں کے حق میں نہ صرف حلیم و رحیم و رافع فیض و رحیم ہے، بلکہ (اگر یہ بہن صیحیح ہو) ان کا منتظر و مشتاق و ران کا سچا قدر و اس ہے قرآن مجید کے ان الفاظ کو پڑھئے، اور اس ظف و شفقت کا اندازہ کیجئے جو اس کے لفظ غف کے تحت ہے۔

”قل يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يعفو
الدنوب جميعا ط انه هو العفو الرحيم.“ ”بہد تکتے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے
اپنے حق میں زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گنہگاروں کو معاف
کر دیتا ہے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔“

ایک دوسری آیت میں گنہگار اور خطا کار انسانوں کے تدارک اور سبق و سبق میں نہیں۔
بلکہ بلند ہمت، نیکو سیرت اور جنتی انسانوں کے سلسلہ اور سیاق و سباق میں گنہگاروں سے قہر
کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ”وسارعوا الى معصرة من ربكم
وحدة عرصها السموات والارض اعدت للمتقين الذين يفتقون في السراء
والصراء والكاطمين العيظ والعافين عن الناس والله يحب المحسنين والذين
ادافعدوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذكروا الله فاستغفروا لدنوبهم ومن يعمر
الدنوب الا الله ولم يصروا على ما فعلوا وهم يعلمون اولئك حراء هم معصرة
من ربهم وحيات تجري من تحتها الا نهار حالدين فيها وبعم احر العالمين
(۱)“ اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر
ہے اور جو (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو توبہ اور تگنی میں (اپنا ماں
خدا کی راہ) خرچ کرتے ہیں، اور غصے و روکتے اور وگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور
خدا انہی کاروں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ کہ جب کوئی کھدا کنہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر
ٹیٹھتی ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گنہگاروں کی بخشش مانگتے ہیں، اور خدا کے سوا گنہگاروں کی بخشش بھی

کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے، ایسے لوگوں کا صد پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ بہتے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدر بہت اچھا ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر باعمل اور نیک سیرت بندوں کے مختلف طبقوں کا ذکر کرتے ہوئے، اس نورانی قبرست کا اقتناغِ عبادوں زاہدوں کے بجائے ”تاہوں“ سے فرمایا، قرآن مجید کی اس سورہ کی جس کا نام ہی سورہ توبہ ہے، آیت ہے۔ ”الناس العابدون الحامدون السائحون الراكعون الساجدون الامرون بالمعروف والنہون عن المنكر والحافظون لحدود اللہ وبشر المؤمنين“ توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رُوح کرنے والے سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا امر کرنے والے اور بری باتوں سے منع کرنے والے خدا کی حدوں کی حفاظت کرنے والے (یہی مومن لوگ ہیں) اور (اے پیغمبر) مومنوں کو (بہشت کی) خوشخبری مندو۔

اس اعزاز اور اظہارِ اعتماد کی ایک روغنِ مثل یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی زبان سے ان تین صحابیوں کی توبہ کی قبولیت کا اعلان یا گیا جو غزوہ تبوک کے مازک اور اہم موقع پر (جس میں شریعت نہایت ضروری تھی) بغیر کسی معقوبِ عذر کے مدینہ میں روئے رشید کوتاہی سے مرتکب ہوئے تھے، تو اس کا ذکر کرنے سے پہلے خود پیغمبر اور ان مہاجرین و انصار کا ذکر کیا گیا جن سے اس موقع پر کسی کوتاہی کا صدور نہیں ہوا تھا، تاکہ ان تین پیچھے رہ جانے والوں کو اپنی تنہائی اور پسماندگی کا احساس نہ ہو، اور وہ احساس بہتری، ورنہ گشتِ نمائی کے ہم داغ سے بری ہو جائیں، اور ان پر اور قیامت تک قرآن مجید کے پرچنے والوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کی اصل جگہ اور اصل روئے صدیقین اومین اور مہاجرین و انصار کے صفِ اول کے لوگ ہیں، توبہ کی قبولیت، تائب کی مقبولیت، اور نفسیاتی طور پر مینوازی، و چارہ سازی کی اس سے زیادہ لطیف اور دقیق مثالیں دیان و مذاہب اور علم الاخلاق و علم النفس کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اسی سورۃ توبہ میں رشید ہوا ہے۔ ”لقد تاب اللہ علی السی والمہاجرین والانصار الذین اتبعوه فی ساعۃ العسرة من بعد ما کاد یریغ قلوب فربق مہم ثم تاب علیہم اللہ ہم رؤوف رحیم و علی الثلاثة الذین خلفوا، حتی اذا صاقت علیہم الارض بما

رحمت و صاقت علیہم انفسہم و طوا ان لا ملحاً من اللہ الا الیہ ثم تاب علیہم
 لتو سوا ان اللہ هو التواب الرحیم۔ یہ شک خداے پیغمبر پر مہربانی کی ورمہ جریں و
 انصار پر، جو باوجود اس کے کہ ان میں سے بعضوں کے دل پھر جائے و تھے بمشکل کی ہڈی میں
 پیغمبر کے رہ رہے، پھر خدا نے ان پر مہربانی فرمائی، اب شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے
 والا (ور) مہربان ہے اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملوثی یا کیا تھا، یہاں تک کہ جب میں
 باوجود فرائض کے ان پر تنگ ہوئی، ورنہ ان کی باتیں بھی ان پر دو بھر ہو سیں اور انہوں نے جان یا
 کہ خدا (کے ہاتھ) سے خود اس کی سزا دینی چاہ نہیں ہے پھر خدا نے ان پر مہربانی کی تاکہ توبہ
 کریں، اب شک خدا کو قبول کرنے، مہربان ہے۔

اس کے علاوہ ایک اصول کے طور پر اس کا حدت یا کہ رحمت پر چڑھائی اور
 غضب و جلال پر نہایت ہے قرآن مجید میں ”و رحمتی وسعت کل شیء“ میری
 رحمت ہر چیز پر حاوی و محیط ہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے ”ان رحمتی سقت عصبی“
 میری رحمت میرے غضب پر نہایت ہے۔ پھر رحمت نے ہر ایک کو بھی غم کا اور بہت و مران کا
 مرادف قرار دیا ہے قرآن مجید میں یہ جبکہ ایک پیغمبر برحق (حضرت یعقوب) کی زبان
 سے یہ کیا ہے۔ ”سہ لایئس من روح اللہ الا القوۃ الکافروں“ اللہ کی رحمت سے
 دینی و دنیوی ہوسکتے ہیں جو خدا کے مقرر اور اس کی ذات و صفات سے نا آشنا ہیں۔ دوسری
 جگہ ایک اور جلیل القدر پیغمبر حضرت برائیمہ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ”و من بفسط من
 رحمة ربه الا الصالون“ اپنے رب کی رحمت سے لبرابروں کے سوا کون دوسرے ہے۔

اس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے توبہ کی فضیلت و ترغیب و خدا کی رحمت کی وسعت
 و شمولیت کا اعلان و تبلیغ کر کے یاس و قنوط کی ماری ہوئی، اور غضب و جلال کے اعلانات
 و تنبیہات سے (جن میں یہودی صہ، اور شرعین کتب متقدمہ و قرون وسطی کے غالی فطرت
 اتن، عیسائی زبدوں، اور پادریوں نے انہما سرور کیا تھا) ڈری و رہی ہوئی انسانیت کوئی
 زندگی کا پیچھا نہ کیا، اس کے تن مردہ و رمال افسردہ میں نئی رون پھونکی، اس کے زخموں پر مرہم رکھا،
 و اس و خاک مذمت سے اٹھا سر عزت و شرف، خود اعتمادی، اور خدا اعتماد کی بامعرون پر پہنچی

نبوت محمدؐ کی پانچواں عظیم اور ناقابل فراموش احسان، اور ایک سرا قدر تحفہ، دین و دنیا کی وحدت کا تصور اور یہ انقلاب انگیز تلقین ہے کہ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں، محض اصطلاح کا اختلاف ہے، اور قدیم درسی زبان میں ”زنا“ لفظی ہے، انسان کے اعمال، اخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اصل انحصار، انسان کی اپنی کیفیت، عمل کے محرکات اور اس کے مقصد پر ہے، جس کو اسلام کے دین و شریعت کی زبان میں ”نیت“ کے ایک مفرد و سادہ، لیکن نہایت بلیغ و عمیق لفظ میں ادا کیا گیا ہے، اس کے نزدیک نہ کوئی چیز ”دنیا“ ہے اور نہ کوئی چیز ”دین“ اس کے نزدیک خدا کے رضا کی طلب، اخلاص اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ و ارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل، یہاں تک کہ حکومت، جنگ، دنیاوی نعمتوں سے تمتع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصول معاش کی جدوجہد، جائز تفریح و طبع کا سامان، ازدواجی و عائلی زندگی، سب اسی درجہ کی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب و المائت تک پہنچنے کا وسیلہ، اور خاص دین بن جاتی ہے، اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت، اور اپنی کامر جو رضا الہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ہجرت و جہاد، قربانی و سرفروشی اور ذروتیج) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے۔

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں (دین و دنیا) میں تقسیم کر دیا، کوئی پیمپوں اہل دین اور اہل دنیا میں بانٹ دیا تھا، جو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جدا تھے، اور ان سے زمین ایک موٹی سرحد کی لیک اور ایک وسیع خلیج حل تھی، بلکہ یہ دونوں خانے ایک دوسرے سے متصادم اور یہ دونوں کمپ باہم متحرک رہتے تھے، ان کے نزدیک دین و دنیا میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی، جس کو ان میں سے کسی ایک سے رسم و راہ پیدا کرتی ہو، اس کو دوسرے سے قطع تعلق اور عدائت جنگ کرنا ضروری تھا، کوئی انسان ایک وقت میں ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہو سکتا تھا، معاشی جدوجہد، غفلت و خد فراموشی کے بغیر، حکومت و سلطنت، نیکی و اخلاقی تعلیمات کو انہماک انداز کے اور خوف خدا سے خالی ہو کے بغیر، اور اینداز بننا، تارک مدنیہ ہو کے بغیر متصور ہی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ انسان مہم طور پر سہولت پسند اور لذت پرست واقع ہوا ہے، دین کا ایسا تصور جس میں دنیا کی کسی جائز تمتع، ترقی اور سرہندی، طاقت و حکومت کے حصول و گنجائش نہ ہو، انسانوں کی اکثریت کے لئے قابل قبول اور قابل برداشت نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا

متمدن، ذہین، صاحب صلاحیت، اور بائبل انسانوں کی بڑی تعداد نے اپنے سے ”دین“ سے بجائے ”دنیا“ کا انتخاب کیا، اور اس نے اس پر اپنے کو مطمئن و راضی کر لیا، وہ ہر قسم کی دینی ترقی سے مایوس ہو کر دنیا کے حصوں و راس کی ترقی میں مشغول ہوئی، دین و دنیا کے اس تضاد و دو یک مذہبی اور مسلم حقیقت سمجھ کر انسانوں کے مختلف طبقوں اور انسانی اراہوں نے عام طور پر مذہب کو خیر بائیں، سیاست و ریاست نے مذہب نے منہ اندھ لیا ہے بغوت کی اور اپنے واسطے یہ پابندی سے آزاد کیا، انسان ”پہلے بزرگی“ اور معشرہ ”شیر“ کے مہاراجہ اور راجا، دین و دنیا کی اس دوئی اور اہل دین و راس دنیا کی اس رقبت نے نہ صرف یہ کہ مذہب و اخلاق کے اثر کو محدود و کمزور اور انسانی زندگی و انسانی معاشرہ واسطے برکت و رحمت سے محروم کر دیا، بلکہ اس ابدی دینیت کا دروازہ کھولا جس کا سب سے پہلے یورپ شکار ہو، پھر دنیا کی دوسری قومیں یورپ کے فکری، علمی، سیاسی اقتدار کے زیر اثر آئیں، اس سے ہمیشہ متاثر ہوئیں، موجودہ دنیا کی صورت حال جس میں مذہب و اخلاق کا زوال، اور نفس پرستی (اپنے وسیع معنی میں) اپنے آخری نقطہ پر پہنچ گئی، دین و دنیا کی تفریق کا نتیجہ ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ عظیم ترین معجزہ اور انسانیت کے لئے عظیم ترین تحفہ اور آیت و رحمتہ معینین کا مظہر ہے کہ آپ کامل طور پر برسوں وحدت میں، اور یہ بیک وقت ”شیر“ اور ”باز“ ہیں، آپ نے دین و دنیا کے تضاد کے نظریہ کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت میں اور پورے رونے زمین کو ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا، دنیا کے انسانوں کو مقرب الہیوں سے نکال کر حسن عمل، خدمت خلق اور حصول رضا الہی کے ایک ہی میز پر بٹھا کر دیا، یہاں اب اس دنیا میں ہمیشہ قبائلی میں فقیر و زائد، سیف و شمشیر کے جامع رات کے عبادت گزار و رات کے شہسوار نظر آئیں گے، اور ان کو اس میں کسی قسم کا تضاد محسوس نہیں ہوگا۔

پھر انتخاب یہ ہے کہ بعثت محمدی سے پہلے انسان اپنی منزل مقصود سے بے خبر تھا، اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صد جیتوں کا صلہ میدان اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ مہم و مہم میں اور اپنی کوششوں کے لئے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنائے تھے، ان میں انسانوں کی زبان اور قوت عمل صرف ہو رہی تھی، کامیاب اور بے انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دوت مندین جاؤں، طاقتور اور حاکم بننے کا مطلب

صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقتور و رحیم بن جاؤں۔ سچ سے سچ رقبہ زمین اور کشتی سے شیر انسانی نفوس پر میری حکمرانی اور فراروں کی روانی تھی۔ ایلھوں آدمی ایسے تھے، جس کا پرواز تکمیل، نقش نگار، رنگ آئینہ لذت و لذات، قتل و سرکشی، بیاد و پادشاهان کی تقلید سے بلند نہیں ہوتا تھا، ہزاروں انسان ایسے تھے جس کی دنیا کی ذلت اپنے زمانہ کے دولت مندوں اور طاقتوروں اور کاروباریوں کی خدمت و خدائیہ مقصد اب و شاعری سے دل خوش کرنے میں مصروف ہو رہی تھی، محمد رسول اللہ نے اس انسانی کے سامنے اس حقیقی منزل پر گھڑی کر دی، آپ نے یہ باتوں پر پیش روں کہ خالق کائنات ہی سچ معرفت، کس ذات و صفات اور اس کی قدرت و وحدت کا صحیح سم، ملکوت السماوات والارض کی وسعت و عظمت اور لامحدودیت کی دریافت، ایمان و یقین کا حصول، خدا کی محبت و محبوبیت، اس کو راضی کرنا اور اس سے راضی ہو جانا، اس کثرت میں وحدت کی تلاش اور یافت، انسان کی حقیقی سعادت اور مال آدمیت ہے، اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا ایمان و یقین کی دولت سے نالا مال ہونا، انسانوں کی خدمت اور ابرار و قربانی کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا، اور مال و ترقی کے ان اصرار تک پہنچ جانا، جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، انسان کی کوششوں کا حقیقی میدان ہے۔

آپ کی بعثت کے بعد دنیا کی رت بدن گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعہ بھڑکا، خدا جی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایبائی، مہن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے مانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) گائی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں رویدگی، سوکھی مہینوں اور پتوں میں شادی اور بریلی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کوئیس نکلتی ہیں، اور درود یار پر سبزہ اگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثت محمدی بعض قلوب میں نئی حرارت، ایمانوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا، سروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل مقصود کی تلاش اور اس پر پہنچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ہر ملک اور قوم میں طبعیوں میں یہی نشہ اور ہر طبقہ میں اس میدان میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے، عرب و عجم، مصر و شام ترکستان اور ایران، عراق و خراسان، شمالی افریقہ اور اسپین اور بالآخر ہمارا ملک ہندوستان اور جزائر شرق الہند سب اسی صہبائے محبت کے متوالے

اور اسی مقصد کے دیوانے نظر آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوئی، آپ تاریخ و تذکرے کی کتابیں پڑھئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ خدا جللی، اور خدا شناسی کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا، شہر، شہر، قصبہ، قصبہ، گاؤں، گاؤں بڑی تعداد میں ایسے خدا مست، عالی ہمت، عارف کامل، والی حق اور خادم خلق، انسان و دوست، ایثار پیشہ انسان نظر آتے ہیں، جن پر فرشتے بھی رشک کریں، انہوں نے دلوں کی مروانیٹھیاں برما دیں، عشق الہی کا شعہ بھڑکا دیا، صوم و فنون کے دریا بہا دیئے، ہم و معرفت کی محبت کی جوت جگا دی اور جہات و وحشت، نظم و سداوت سے ندرت پیدا کر دی، مساوات کا سبق پڑھایا، دھوئیں کے مارے اور سمانے ستانے ہوئے، انسانوں کو نکلے لگایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے قطروں کی طرح ہر چپہ زمین پر ان کا نزول ہوا ہے، اور ان کا شمار ناممکن ہے۔

آپ ان کی کثرت (میت) سے سدوہ ان کی کیفیت کو دیکھنے، ان کی ذہنی پرواز، ان کی مروں کی طاقت اور ان کے ذوق سلیم کے واقعات پڑھئے، انسانوں کے سئے کس طرح ان کا دل روتا، اور ان کے غم میں ہلتا، اس طرح ان کی روح سستی تھی، انسانوں کو مصیبت سے نجات دینے کے سئے وہ کس طرح اپنے و خطرہ میں ڈالتے اور اپنی اور اور متعقین کو آزمائش میں مبتلا کرتے تھے ان کے حاکموں کو اپنی ذمہ داری کا کس قدر احساس اور محکموں میں اطاعت و تعاون کا کس قدر جذبہ تھا، ان کے ذوق مہادت، ان کی قوت دعا، ان کے زہد و فقر، جذبہ خدمت، اور مکارم اور ایک نئی حکومت دنیا میں پیدا کر دی۔

چند راتیں آپ کی آنکھیں بے خواب رہیں، لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے صحرا نشین اور شترسوار پیر و تخت خسروی پر آرام کرنے کے قابل ہو گئے۔

جنگ کے وقت آپ کی تلوار میں وہ حرارت ہوتی تھی کہ لوہا اس سے پکھلتا تھا، اور نماز میں آپ کے قلب مبارک میں وہ رقت اور محبت ہوتی تھی کہ آنکھیں اشکبار ہوتیں۔

فتح و نصرت کی دعا میں آپ کا آمین کہن تلوار کا کام کرتا تھا، اور جنگ میں آپ کی تلوار سلاطین (پیدائشی بادشاہوں) کی نسل کا خاتمہ کرنے والی تھی۔

دنیا میں آپ نے آئین نو کا آغاز کیا اور گزشتہ قوموں کی مسندیں الٹ دیں۔

دین و مذہب کی کنجی سے آپ نے دنیا کا دروازہ کھولا، مادر گیتی نے آپ جیسا فرزند

پیدا نہیں کیا۔

آپ کی نگاہ میل اعلیٰ وادفی سب ایک تھے، آپ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھاتے تھے۔

آپ نے نسل و نسب کے امتیازات کو یکسر ختم کر دیا، آپ کی پیدا کی ہوئی حرارت ایمانی نے اس خس و خاشاک کو جلا کر رکھ دیا۔

حالی نے اسی مضمون کو اپنے اس سادہ سے شعر میں ادا کیا ہے

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود نہیں کی لگائی ہوئی ہے

صدق اللہ العظیم ”وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت نبوی ﷺ

اور عصر حاضر میں اس کی معنویت و افادیت

یہ تقریر ۲۱ جون ۱۹۸۰ء کو بعد نماز عصر بمبئی کی ایک قدیم کارخانہ "انجمن اسلام" میں منعقد ہوئی اور عریض ہال میں عام دوست احباب نے ایک عظیم مجمع کے سامنے عصر حاضر میں سیرت نبوی کی معنویت و معنویت اور منصب نبوت کے عنوان پر ان کی جس سے سیرت نبوی کا پہلو کھل کر سامنے آجاتا۔

حضرات! عام مسلمانوں کے لئے مجموعی طور پر اور اہل بمبئی کے لئے خصوصی طور پر یہ بڑی مسرت، شکر اور فخر کا موقع ہے کہ سیرت نبوی ﷺ پر خطبات کا آغاز ہو رہا ہے میں اپنی محدود واقفیت اور مطالعہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ سیرت نبوی ﷺ پر سب سے زیادہ ٹھوس، سنجیدہ فکر انگیز اور معیاری کام ہمارے ملک ہندوستان میں انجام پایا ہے، ہم ہندوستانی مسلمانوں کو اس بات پر شکر آمیز فخر کا حق ہے کہ وہ نبی رحمت ﷺ جس کے متعلق قرآن شریف اعلان کرتا ہے۔ "قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً" جو مکافی حیثیت سے پورے کرہ ارض اور زمینی حیثیت سے بعثت کے بعد سے پوری انسانی تاریخ کا نبی ہے، اس کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو عصر جدید کے اسلوب اور تقاضوں کے مطابق روشن کرنے کی سب سے بڑی سعادت ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل ہوئی، قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری کی "رحمۃ للعالمین"، علامہ شبلی نعمانی کی کتاب "سیرۃ النبی" مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی کتاب "اصح السیر" سیرت کے عالمگیر کتب خانے میں امتیازی شان رکھتی ہیں، لیکن اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے شاید سب سے فائق، استاد محترم مولانا سید سلیمان ندوی کی "خطبات مدراس" ہے۔ دنیا کے مسلمان جو زبان بولتے ہیں، ان میں ان کتابوں کی کوئی نظیر نہیں، مختلف اسلامی

زبانوں اور معتد مغربی زبانوں میں ان سے ترجمے ہوئے ہیں۔

بہت سے حضرات یہ خیال کرتے ہوں گے کہ سیرتِ انبیؑ کی خدمت کا شرف جس ادارے کو حاصل ہوا، اس سے انتساب رکھنے والے افراد کے اور خاص طور پر ان کے قدم سے بھی کوئی کتاب سیرت پر نکلی ہو، بہت آسان ہے کہ وہ یہ سیرت و فتواریں اور یہ سیرتِ نبویؐ کو پیش کرے، لیکن ایک مصنف کے تجربے کی روشنی میں، میں یہ جتنا سوچتا کہ یہ بات سہولت کی باعث نہیں، بلکہ دشواری کی باعث ہے، اس لئے کہ جس کو سیرت پر قلم اٹھانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ کسی ایسے ادارے سے تعلق رکھتا ہے، جس سے سیرت پر بند ترین اور منتخب ترین لٹریچر شائع ہوا، اس کا معاملہ سیرتِ نبویؐ کے بارے میں وہی ہے جس کو فارسی شاعر نے اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے۔

دامن نگہ و گل حسن تو بسیر
گلچین بہر تو، ز دامن گلہ دارو

وہ سوچتا ہے کہ وہ مقدس داستان کو کہاں سے شروع کرے اور کہاں ختم کرے، اور کس چیز کو اور کس چیز کو چھوڑ دے، جس طرح کہ گلچیں کے لئے دشواری ہے کہ وہ کس پھول کو لے اور کس پھول کو چھوڑ دے، اور پھر اس دامن کو جو بہت محدود اور تنگ ہے، اس چمن کے پھولوں سے کس طرح سجائے، بالکل سی طرح کی آزمائش آج میرے سامنے بھی ہے، میں یہ کوشش نہیں کروں گا کہ آپ کے سامنے سیرتِ نبویؐ کو اول سے آخر تک سبق کی طرح سنادوں، آپ حضرات اہل علم ہیں، اور آپ کی نظر سے سیرت کی کتابیں گزر چکی ہیں، اور گزرتی رہتی ہیں، میں اپنی سب سے بڑی معذرت یہ سمجھوں گا کہ آپ کے دلوں میں یہ سیرت کے مطالعے کا نیا شوق پیدا ہو جائے، اور یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ابھی آپ کو بہت کچھ پڑھنا ہے، ابھی آپ نے اس ککستاں کی سیر ہی نہیں کی ہے، اور یہ کہ آپ اس مکتبِ حسن، اس مکتبِ عشق، اس مکتبِ عقل و علم، اس مکتبِ انسانیت آموزی سے صاحبِ علم ہیں، میں اپنے و بہت خوش نصیب سمجھوں گا اور آپ کو مبارکباد دوں گا کہ سیرت کے مکتب میں ہمارا اور آپ کا نام لکھ دیا جائے، اس سے بڑھ کر میں ایک مسلمان کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں سمجھتا کہ اس کا نام مکتبِ عشق میں صاحبِ علم بننے کے لئے قبول کر لیا جائے، ہم آج سے سیرت کا مطالعہ کریں

گے اور یقین ہے کہ یہ سلسلہ بڑا مبارک ہوگا، اور اس کے بانی صد ہزار مبارک باد کے مستحق ہوں گے، اُسر آپ کے اندر یہ جذبہ بیدار ہو جائے کہ اب ہم سیرت کا مطالعہ کریں گے اور ہم یہ سمجھیں گے کہ ابھی ہم نے کچھ نہیں پڑھا ہے۔

میں سب سے پہلے آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کیا کام کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو یہ مقام بلند حاصل ہے، جو مذہب داری اس کے سپرد کی جاتی ہے، اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ نوع انسان کی لئے اتنا کیوں ضروری ہے؟ رواں دواں قافلہ انسانیت کے سفر کے لئے یہ بات کیوں خطرے کی ہے کہ اس کو اس سفر میں ایک پیغامبر کی رہنمائی حاصل نہیں، میں سب سے پہلے اس پر مختصر روشنی ڈاؤں گا پھر یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ نبی کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ نبوت کی حقیقت اور اس کا امتیاز کیا ہے اور اس اہم اور مقدس کام کے لئے کس طرح کی شخصیت درکار ہے؟ آنحضرت کو انبیاء کرام کی صف میں اللہ تعالیٰ نے کیا امتیاز عطا فرمایا اور کیا کامیابی آپ کے حصے میں رکھی، میں یہ بتانے کے لئے کہ نبوت کا کام ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسانیت کے سفینے کے لئے خطرہ ہے کہ وہ کس وقت ڈوب جائے، وہ کونسی مہم ہے، جو نبی ہی انجام دیتا ہے، اور وہ کون سا خطہ ہے جو وہ تنہا پڑ کرتا ہے اس کے لئے میں ایک کہانی کا سہارا لوں گا، اور آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات کہانیوں سے بہت سے عقدے اور ایسی گتھیاں سمجھ جاتی ہیں جو بڑی بڑی فلسفیانہ بحثوں سے نہیں سمجھتیں، خاص طور پر جب وقت کم ہو اور آدمی زیادہ گہرائی میں نہ جانا چاہے۔

آپ نے یہ کہانی سنی ہوگی کہ کچھ نوجوانوں کو سیر کا خیال آیا، وہ دریا کے قریب کسی بستی کے رہنے والے تھے، برسات کا موسم تھا، سہنا وقت تھا، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، اور فرصت کے دن تھے، ان کو شوق ہوا کہ وہ دریا کی سیر کریں اور موسم کا لطف اٹھائیں، ایک کشتی انہوں نے کرائی پر لی، اس پر سوار ہوئے، دریا بھی روانی پر تھا، اور ان کی طبیعت بھی موج پر تھی، وہ بے تکلفی سے آپس میں باتیں کرتے تھے، مگر اس وقت انہوں نے مدح کو اپنا مخاطب بنایا اس سے چوچھا (پتہ پیا) کہہ کر مخی طلب کیا (آپ کی عمر یہ ہے؟ وہ بے چارہ بے پڑھا آدمی تھا، اس نے اپنی عمر بتائی ۶۰ سال کی عمر، ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ چچا آپ نے کیا کیا پڑھا ہے؟ اس نے کہا کہ میری اوقات کیا؟ میں نے شروع ہی سے کشتی چلانے کا پیشہ اختیار کر لیا، اور مجھے

پڑھنے کا موقع نہیں ملا، دوسرے تیز طرار صاحب زادے بولے کہ چچا آپ نے جغرافیہ تو ضرور پڑھا ہوگا، بچے رے ملاتے کہہ میں نے اس کا نام ہی نہیں سنا، پہلے تو اس کو یہی سمجھنا مشکل ہوا کہ جغرافیہ کی آدمی کا نام ہے، یہ کیسی علم کا؟ لوگوں نے کہا کہ اچھا آپ نے ہسٹری تو پڑھی ہو؟ پھر اس نے کانوں پر ہاتھ رکھا، پھر ان لوگوں نے بیومیٹری کو پوچھا اور اس کے کالج اور یونیورسٹی میں جو مضامین داخل تھے، ان تمام مضامین کا (subjects) انہوں نے باری باری سے نام لیا، اور اس بچے نے سب پر سر جھکا دیا، وہ پشیمان اور شرمندہ ہوا، اس نے کہا کہ صاحب میں نے تو سچ تک ایسے نام بھی نہیں سنے تھے، عمر تو پہلے پوچھ لی تھی، کہنے لگے کہ آپ نے اپنی آدمی عمر کھودی ہے، آپ نے کچھ کام کیا ہی نہیں، خیر دریا اس وقت مزے میں تھا، موجیں اٹھ رہی تھیں، اور کہیں بارش بھی ہوئی تھی، اب دریا کی موجیں اس کشتی کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرنے لگیں، اور کشتی ڈانوا ڈول ہونے لگی، کبھی ادھر جھکتی تھی، کبھی ادھر جھکتی تھی، اب اس ملح کی بن آئی خدا کو اس کی عاجزی اور اس کی بے زبانی پر رحم آیا، اب ملح کی باری آئی، اس نے کہا کہ صاحبزادو! ایک بات میں بھی پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ سب کچھ پڑھا ہے، پیرنا بھی سیکھا ہے؟ اگر یہ کشتی الٹ گئی تو تم دریا کے پار کس طرح پہنچو گے؟ انہوں نے کہا کہ پیرنا تو ہم نے نہیں سیکھا ہے! ملح نے کہا جاؤ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی۔

انہوں نے تو یہ کہا تھا کہ تم نے اپنے آدمی عمر کھوئی، اب اس ملح نے کہا کہ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی، اگر کہیں کشتی الٹ گئی تو میں ہاتھ پیر مار کر کنارے پہنچ جاؤں گا یہ ندی دریا تو میرا گھر ہے، میں اس کی چھٹی ہوں، مگر تم نے جو بڑے بڑے ذراؤں نے نام لئے تھے (اتنی جدی جاہل آدمی کو نام یاد نہیں ہو سکتے تھے) وہ آپ کے کیا کام آئیں گے؟ آپ اگر ڈوبیں گے تو ان میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں بچا پائے گی، یہاں تو سیدھا سادھا پیرنا کام آئے گا، جس کو پیرنا آتا ہے یا آپ کو کہہ لیں کہ جس کو پیرنے کی سائنس آتی ہے وہ کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اپنی جان بچالے گا اور دریا پار کر لے گا، یا کشتی چلانا جس کو آتا ہے، وہ کشتی کنارے لگا دے گا، لیکن اگر سب کچھ آتا ہے اور پیرنا ہی نہیں آتا ہے، زندگی کے اس طوفانی دریا کو جس نے عبور کرنا نہیں سیکھا اور جس نے اسکی موجوں سے جو منہ پھیلائے ہوئے بڑھتی ہیں، بچنے کا فن نہیں معلوم کیا تو اس نے یہ جو کچھ پڑھا ہے کچھ کام نہیں آئے گا۔

حضرات! ہماری اس پوری زندگی کی مثال یہی ہے، ہمارے تمام محسن، انسانی علوم کے بانی بڑی بڑی کتبوں کے مصنف، دنیا کے دانشور، فلسفی، حکیم ریاض داں اور سائنس داں یہ سب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، یہاں انجمن اسلام اور اس کے اسکول کے بالکل سہارے کے نیچے بیٹھ کر یہ گزارش کر رہا ہوں، ہم ان میں کسی کی تحقیر نہیں کرتے ہیں، خاص طور پر میرے جیسے طالب علم کی گردن ان کے احسانات کے بوجھ سے دبی جا رہی ہے۔ اور میں جو آپ کے سامنے یہ دو حرف کہہ رہا ہوں اس کو بھی ان کا احسان سمجھتا ہوں، لیکن واقعہ اپنی جگہ پر واقعہ ہے، یہ وہ حقیقت ہے، جس کا اعلان امریکہ کی کسی بڑی یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی، یہاں رٹری میں بھی، بڑے سے بڑے دانش کدے اور بڑے سے بڑے ایوان علم میں بھی کیا جاسکتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ادنیٰ خداموں نے بار بار اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اور بیان کیا کہ اے دانشور! علم کو وسعت اور ترقی دینے والو! اے انسانی عقل کے کمالات دکھانے والو! زمین کے خزانے کو اگلوادینے والو! آسمان سے تارے توڑ کر آنے والو! اور اے چاند کی سطح پر جانے والو! تم سب خطرے میں ہو، جب تک تم کو شنواری کا یہ علم نہیں آتا اور وہ حقائق اولین جن پر زندگی کی بنیاد ہے، اور یہ انسانی شیرازہ جس کی وجہ سے مجتمع ہے، اور وہ بڑے مقاصد جن کی وجہ سے اس زندگی اور اس دنیا میں معنویت پائی جاتی ہے، اگر ان پر نظر نہیں اور اگر تم نے زندگی گزارنے کا سلیقہ نہیں سیکھا جو تنہا پیغامبر سکھاتے ہیں، وہ بغیر کسی تواضع اور انکساری کے اور بغیر کسی ادنیٰ خوف اور لحاظ کے صاف صاف کہتے ہیں "اسما اناشر مثلکم یوحی الی" (میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، فرق مجھ میں اور تم میں یہ ہے کہ میری طرف وحی آتی ہے) زندگی کا سلیقہ کسی نے اگر نہیں سیکھا ہے، اور سب کچھ سیکھ لیا ہے، وہ اگر فرد ہے تو خطرے میں ہے، اگر قوم ہے تو خطرے میں ہے، اگر تمدن ہے تو خطرے میں ہے، تہذیب ہے تو خطرے میں ہے، مسمیٰ مرتز ہے تو خطرے میں ہے، میں نے ایک سیدھی سادی کہانی کا (جو نبوت اور نبی کے مقام سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی) سہارا لیا ہے، آج بھی دنیا کا حال یہ ہے کہ ہمیں اپنی حقیقت کا علم نہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ زندگی کیا ہے، کتنی وسیع کتنی عمیق، کتنی نازک، کتنی لطیف ہے، زندگی گزارنا کتنی بڑی ذمہ داری ہے، اس زندگی کے دریا کو عبور کرنے کے لئے اور اپنی کشتی کو پار لگانے کے لئے کن بنیادی حقیقتوں پر ایمان لانے اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے، ان کی

حفاظت کرنے اور ان کو زندہ رکھنے کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ کیسے تعاون کی ضرورت ہے؟ آج ہمارے اس متمدن اور ترقی یافتہ دور کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کو زندہ رہنے کا فن معلوم نہیں بلکہ معلوم کرنے کی کوئی خواہش بھی اس کے اندر نہیں، پیغمبر خاص انشائات کے مدعی نہیں ہوتے، وہ ادب اور شاعری کے دعوے دار نہیں ہوتے، وہ بہت بڑی ذہانت، ہوشیاری، بال کی کھال نکالنے کے مدعی نہیں ہوتے، وہ کہتے ہیں کہ زندگی کے دریا کو پار کرنے کا فن ہم سے سیکھا جا سکتا ہے، اگر تمہیں اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرنا ہو، اگر تمہیں خالق کائنات کو حق طور پر سمجھنا، اس کا علم حاصل کرنا، اس کو راضی کرنا اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہو تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں، ہمیں خدا نے اس خدمت کے لئے مقرر کیا ہے، نہ اس سے منہ اس سے زیادہ، نہ اس میں وہ کسی معذرت سے کام لیتے ہیں، نہ کسی فخر و تعنی سے، بالکل حقیقت پسندانہ اور عملی انداز میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی چیز کے مدعی نہیں، ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ زندگی گزارنے اور انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا فن ہم سے سیکھو، سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اس دنیا کو کس نے بنایا اور کس لئے بنایا، تم کہاں سے آئے تھے کہاں جاؤ گے؟ ہم نے مانا کہ تم کو سب کچھ آتا ہے مگر اپنے پیدا کرنے والے اور مقصد زندگی سے غافل ہو تو ان ممالک و ترقیات، اور تسخیر کائنات سے کیا حاصل؟ بقول اقبال۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

ہم مانتے ہیں کہ تم سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتے ہو، چاند پر پہنچ سکتے ہو، تم سمندر کی تہ سے موتی نکال کر لا سکتے ہو، مگر سوال یہ ہے کہ تم کو آدمیوں کی طرح اس سطح زمین پر چلنا بھی آتا ہے؟ کسی مغربی فلسفی نے ایک مشرقی دانشور سے بہت فخر و ناز سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے ہماری مغربی تہذیب نے کیا کیا کمالات دکھائے ہیں، ہم نے بند پر وازی اور تیز رفتاری کے کیسے کیسے رکارڈ قائم کئے ہیں؟ مشرقی فلسفی نے جواب دیا کہ ہاں تمہیں فضا کے آسمانی میں چیزوں کی طرح اڑنا آ گیا اور تمہیں دریا میں مچھلیوں کی طرح تیرنا آ گیا، لیکن یہ بتاؤ کہ یہ

تمہیں زمین پر آدمیوں کی طرح چن بھی آیا " تو پیغمبرِ بغیر کسی نہ وہ انسان کہ یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ خدا کے بنائے اور پیدا کئے ہوئے انسان کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح رہا جاتا ہے، دنیا کے اس نفع کو کامیاب طریقے پر طے کر کے اس طرح اسے مالک کے یوں انعام دینے کیلئے جایا جاتا ہے۔ اس میں یقین بتاتے ہیں، نہ کہ ہم ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بہت کا وہ کار خاص جو نبوت اور انبیاء انجام دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور آپ کی افراتیت سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آپ کے نام کی عظمت کیا ہے؟ آپ اور آپ کے مقدس رفقاء جن و انبیاء کے نام سے ہم جانتے ہیں، (اللہ کا دروازہ اسلام اس سب پر) وہ کیا کام انجام دیتے ہیں۔ اس کے لئے میں نے ایک فقیر کی لہائی آپ کے سامنے رکھی ہے کہ وہ مدح تھا تو دو کئے کا آدمی، لیکن ان جو انوں کے مقابلے میں جنہوں نے اپنے مانع میں اسیریوں کی اسیریوں کی تھیں، اور جنہوں نے فلسفے کے سمندر کی سائے تھے، جن و ان کی تاریخ پوری یہ تھی، وہ اس مساویہ پر سوچنا کہ اس کے سامنے ہے حقیقت انسان تھے، ان کی زندگی فطرت میں تھی، وہ سختی پر سوار تھے، ان کی قسمت سختی سے وابستہ تھی، و رشتہ کی قسمت اس فنِ مداح سے وابستہ تھی، اور وہ اس سے نا آشنا تھے، یہ ہے نبوت کا کار خاص جو نبوت ہی انجام دیتی ہے۔

اب میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کو دوسروں کے مقابلے میں کیا امتیاز حاصل ہوتا ہے، ان کو یہ کہنے کا حق کیوں حاصل ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی ہے اور محسوسات اور مشاہدات کا جو عالم ہمارے اور آپ کے سامنے ہے، اسے پیچھے اور کون کی حقیقتیں کا سرکاری ہیں، ہم ان کو دیکھتے نہیں ہیں، اس قانونِ ثنوی (Natural laws) کے پیچھے کوئی اور حقیقت اور ارادہ ہے جو اس کائنات کو سمجھنے کے لئے ہے، اور اس کے متضاد عناصر کو ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، چارہ ہے، سورج کی حرارت جو اس سے زیادہ بڑھتی نہیں دیتا جو کہ اس زمین و خاک سے یہ سردی زمین کی پرت کو اس سے زیادہ موم ہوئے نہیں دیتا کہ یہ زمین کو آب باندھ دے، سمندر اور خشکی کے درمیان جو تناسب ہے، اس تناسب میں اگر اس فرق آئے نہیں دیتا، اگر آپ ریکی کی کتاب (Man does not stand alone) انسان کیلئے نہیں (ہے) کا مطالعہ کریں، (اور آپ میں سے بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر مجھ سے زیادہ

پڑھا ہوگا) آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس دنیا کو اس تناسب کے ساتھ بنایا گیا ہے اور اس میں کتنے متضاد معنی صریح ہیں، آک اور پانی کا مجموعہ کس طرح چل رہا ہے، سہمی اور ایچیٹی Positive (and ne gative) مثبت اور منفی حالتیں کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مصالحت اور تعاون سے ساتھ کام کر رہی ہیں، ان میں اس وقت نگرانی نہیں ہوتا ہے، ان میں کسی وقت بغاوت نہیں ہوتی، ان میں نہیں برائی، نا ہمواری نہیں پیدا ہوتی، شیب و فرا نہیں پیدا ہوتے، کوئی حقیقت کے جاننے کا نہیں ہے یا یہ ذریعہ ہے، اور یہ جاننے کا اس کو یوں حق حاصل ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں، اور یہ جانتے ہیں، اور تم نہیں دیکھتے اور نہیں جانتے؟ اس کے لئے میں پھر ایک واقعے کا سہاراؤں گا مگر اس مرتبہ واقعہ ہندوستانی بہانیوں اور ہماری نصابی کتابوں کا واقعہ نہیں ہوگا بلکہ سیرت نبوی کا واقعہ ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت و اسدر عتبر تک الا قریس (اے محمد ﷺ) آپ قریبی لوگوں اور اپنے سے قریبی عشق رکھنے والوں کو ڈرایے (نازال ہوئی، مکہ معظمہ کی سڑکوں اور محدود زندگی میں جس میں ابدی و اطاعت کے ذرائع مفقود یا بہت محدود تھے، وقت محدود، مدد کی آہوائی پھیلی ہوئی اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے چوڑی آبادی کو جو کہ مدد کی دادوں میں مکہ کے آگے پیچھے بکھری ہوئی تھی، سب کو جمع کیا جائے؟ صدیوں سے جس کے آباء واجداد نبوت کے منہموم اور غیبی حقائق سے نا آشنا تھے، ان کو کیسے ان غیبی حقائق سے مانوس کیا جائے؟ یہ وہ ایک عظیم امتحان تھا، جو بڑے بڑے دانشوروں کو بھی شل کر سکتا تھا، اس کا حل کرنا آسان نہیں تھا، لیکن یہ بھی الہام کی بات تھی، اور اللہ کی تائید تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح راستہ بتایا، آپ صفائی پہاڑی پر چھائے آپ میں بہت سے بھائی حج کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہوں گے، انہوں نے صفا دیکھا ہوگا، آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے اس کی حالت دوسری تھی، آج سے پچیس سال پہلے بھی وہ سچھ اور تھا، وہ صفا پر آپ چلے گئے، وہاں آپ ﷺ نے ایک آواز بلند کی "یا صباحہ" یہ ایک حمد تھا جو اپنے اندر معافی کا ایک دفتر رکھتا تھا، اس جملے میں عرب کے لوگوں کے لئے ایک نوٹس تھا، اور وہ خطہ کے مکمل تھے، یہ ایک یہ حمد تھا، جس سے عرب کی پوری تاریخ وابستہ تھی، وہ تاریخ یہ تھی کہ جب عرب کے کسی قبیلے کا حمد ہوتا تھا، جو ان کا دن رات کا مشغلہ تھا، ایک شاعر کہتا ہے کہ "میرا اٹھوڑا جب جو ان سب کے تو اللہ کرے کہ کہیں نہ نہیں

لہذا فی چھڑجے تاکہ میں اپنے گھوڑے کے جو ہر دھاسکوں ان کا تو یہ کھیل تھا، اس موقع پر کوئی شخص کسی بند جلد پر چلا جاتا تھا، اور کہتے تھے کہ ”یا صبا حادہ (خطہ ہے!)“ وگت جمع ہو جاتے تھے، چنانچہ یہی ہوا کہ جن لوگوں نے آپ کی آواز پہنچی انہوں نے کہا کہ ”الصادق ار مین“ (یہ اس دنیا کے صادق ترین انسان کی آواز ہے)۔ بھڑیا آیا، بھڑیا آیا کی کہانی ہم لوگوں نے کتابوں میں پڑھی ہے، اور آخر میں اعتبار جاتا رہا اور کچھ بھڑیا آیا اور کھا کیا، عرب کے لوگوں میں سب خرابیاں تھیں، لیکن یہ چالاک ان کے اندر نہیں تھی، وہ سی سی پروپیگنڈے سے نا آشنا تھے، تو کوئی شخص بھی چلا جاتا اور کہتا ”یا صبا حادہ“ عربوں کی اصل فطرت دروغ بیانی سے بہت دور ہے، اسی بنا پر مفسرین نے کہا ہے کہ نفاق عربوں کا مرض نہیں، عربوں کی نفسیت سے اس کو مناسبت نہیں، یہ مرض وہاں پیدا ہوا جہاں غیر عرب عناصر (یہودی وغیرہ) معاشرے میں تھے، اس آواز کے سننے کے بعد کسی کو کوئی شک نہیں رہتا تھا، بہر حال آپ نے آواز لگائی ”یا صبا حادہ“ اور سارا مکہ دوڑ کر کوہ صفا کے دامن میں جمع ہو گیا اور آنکلیں پھڑپھڑا کر دیکھنے لگا، کون ہے ”پچون تو یا انہوں نے فوراً اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کوئی شکر ہے جو ہم پر حملہ کرنے والا ہے، اب وہ منتظر تھے کہ وہ لشکر کہاں سے آنے والا ہے، کدھ سے حملہ کرنے والا ہے؟“ آپ نے غبت سے کام نہیں لیا، فرمایا گوا تم نے مجھے آج تک کیسا پایا، وگوں نے کہا کہ ”الصادق الامین“ (سچ بولنے والا اور امانت دار) یہ پہلا ایچ تھا جو نبوت ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ ہر اصلاح کی تاریخ میں ضروری مرحلہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اصلاح کا جھنڈا لے کر اہو، وہ کسی قوم کی اصلاح اور نجات کا صحیح راستہ اٹھانے کے لئے کھڑے ہو تو پہلے اس کے متعلق یہ اطمینان کر لینا چاہئے کہ وہ کیسا ہے، بے غرض ہے، مخلص ہے، اسی لئے فرمایا کہ تم نے آج تک مجھ کو کیسا پایا“ وگوں نے کہا کہ سچا اور امین، فرمایا کہ میں اس تم سے یہ ہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر جو رات کے اندھیرے میں یہاں آ کر چھپ گیا ہے، تم پر اچانک حملہ کرنے والا ہے تو تم باور کرو کہ عرب کے وگ زیادہ تر ناخواندہ تھے، اور فلسفے وغیرہ علوم سے نا آشنا، لیکن اللہ نے ان کو ایک دوست دی تھی، جس میں وہ دنیا کی قوموں میں (جو تمدن کی بنیادوں میں مبتلا ہو چکی تھیں اور جنہوں نے فلسفہ، شاعری اور ادب میں بڑی ترقی کی تھی) عربوں کو امتیاز حاصل تھا، وہ یہ تھا کہ وہ فطرت سیم رکھتے تھے، اور فطرت سیم یہ عقل سیم اللہ کی بڑی نعمت ہے، ذہانت

سے بڑھ کر عقل سیم (Common sense) چاہئے، انہوں نے فوراً صورت حال کا جائزہ لیا، انہوں نے دیکھا کہ تم پہاڑ سے نیچے ہیں، وریک شخص پہاڑ کے نیچے ایسا ہے، پہاڑ کے نیچے سے جسے وہی دیکھ رہا ہے، سامنے سے دیکھ رہا ہے، تو اس پر وہ یہ متب کہ پہاڑ سے متب (چپے) میں ایک شہر چھپا ہوا ہے تو اس بنا پر اس کے جھٹانے کی کوئی وجہ اور کوئی جواز نہیں ہے۔ تم یہ نہیں کہ تم تو نہیں دیکھتے، ہمیں اچھا لگے! اس لئے ہم پہاڑ کے نیچے ہیں اور وہ پہاڑ سے پر، ان کی عقل سیم نے فوراً ان کی رہنمائی کی کہ اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ دعویٰ کرے کہ پہاڑ سے چپے یہ شہر ہے، میں یہ نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ چرم میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم جو زندگی گزار رہے ہو، تمہارے عقائد ہیں تمہارے جو خلق ہیں تمہارے جو یہ دور ہے، اس کا سب سے بڑا عقائد تمہاری زندگی ہے جو مقصد بن گئے ہیں، تمہارا جو طرز زندگی ہے وہ حقیقی خطہ ہے، اور ہم ارشمنوں اور ہمارے شہروں کے بھی زیادہ خطرناک ہے، تم اس دشمن سے ڈرتے ہو، اس دشمن سے جو آئے ہیں اور سو اتوں و ہنگاموں کے، اس میں تمہیں اس دشمن سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے دلوں کے اندر بیٹھ ہوا ہے، تمہارے دماغوں کے اندر اس نے اپنی چھوٹیاں قائم کر لی ہیں، وہ تمہارے گروہوں کے اندر موجود ہے، اس حقیقی اور جانیں دشمن سے ڈرو، یہ تمہارے عقائد تمہاری خطہ ناک جہات، تمہارا قہر خداوندی کو بھڑکانے والا ہے، اور دنیا کو دوزخ کا نمونہ بنانے والا طرز زندگی ہے، یہ تمہاری نفس پرستی، ہوا ہواؤں و ریش نائے دوش و ”بھیش کوش“ کے فلسفے والی زندگی ہے، یہ وہ زندگی ہے جسے خدا کی رہنمائی و آسمانی تعلیمات منظم نہیں کرتیں، بلکہ خواہ مخواہ قوانین اور ذاتی معادلات چلا رہے ہیں، یہ نبوت کی حقیقت ہے، آپ نے چند غظوں میں وریک عملی مظاہر کے ثابت کر دیا کہ نبی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اعدائے سر کے کہ اس کا مشیہ، اور اس کا عالم محسوسات سے پرے بھی آیا ہے، اس سے چپے حقائق کی ایک دنیا ہے، مجدد کائنات ہے، حقائق کائنات ہے، اس کی ذات ہے، اس کی صفات ہیں، اس کا طریقہ کار ہے، اس کے افعال ہیں، اس کا اسلوب کے ساتھ معاد ہے اس کے مرضیات و نامرضیات کا ایک معاد و رخص ہے، اس تفہیم کے لئے اس سے بہتر اور کوئی ماہر فہم اور دل نشین طریقہ نہیں ہو سکتا تھا، نہ صرف عرب کی اس محد، زندگی اور معاشرے میں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے

ترقی یافتہ دور میں بھی نبوت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی۔
حضراتِ اوقات کم ہے اس لئے میں یہ عرض کروں گا کہ یہ مسئلہ کے انسانوں کی زندگی
تبدیل ہو، انسانوں کے عقائد تبدیل ہوں انسانوں کے مسلمات (جن چیزوں کو انہوں نے
سمجھ لیا کہ زندگی کے لئے نائزیر ہیں) خواہ وہ معیار زندگی ہوں، خواہ وہ مقدس زندگی ہوں، خواہ
وہ دولت ہو، خواہ وہ طاقت ہو یا اقتدار کا حصول ہو، خواہ وہ نفس کے تقاضوں کی تکمیل ہو، خواہ وہ
اپنی برتری کا اظہار ہو، ان چیزوں کو ہم بدل دینا انسان کی قلبِ مابیت کر دینا، انسان کو اندر
سے اتنا تبدیل کر دینا کہ وہ بھی بدل جائے، اور دنیا کو بھی بدل کر رکھ دے، یہ کھیل نہیں ہے۔ یہ
ارادۃ الہی، خدائی فیصلے، خدائی تائید اور نبوت کے منصب و مقام اور اس کے ساتھ جو خدائی مدد
ہوتی ہے اور نبی کی شخصیت کے بغیر نہیں ہو سکتی، ہندوستان کی عظیم ترین اور طاقتور ترین شخصیتوں
نے چاہا کہ چھوٹ چھوٹ دور ہو جائے، نا برابری دور ہو جائے، اور مساوات و اشتراکیت کا دور
دور ہو، یہ بھی نہ ہو سکا اور جہاں ہوا وہاں جبر و قہر ہوا ہے، اس میں معاشرے کو اپنے حال پر چھوڑ
دیا جائے تو ابھی بغوت کرنے کے لئے تیار ہے کل آپ سن سکتے ہیں کہ وہ نفعِ مالٹ کر رہ گیا
اور پورے ملک میں انقلاب آ گیا اور آتا رہتا ہے، چھوٹ چھوٹ آج تک دور نہیں ہوئی ملک
کی رسم میں نہیں جانتا کہ آپ کے یہاں اس کے لئے کیا اصلاح طلاع ہے اور میری دعا ہے کہ آپ
کے یہاں یہ بیماری نہ ہو۔ یہیں ہمارے ہندوستان میں نئی ریاستیں ہیں جہاں یہ بیماری اپنے
پورے شباب پر ہے کہ لڑکیاں بیٹھی ہیں اور ان کو اس لئے برہمن میں مل رہے ہیں، جو زارشتہ نہیں مل
رہا ہے کہ صاحبزادے اور صاحبزادے سے زیادہ ان کے والدین ماجدین ”مطالبتہ“ کرتے
ہیں کہ اس کے لئے یورپ جانے کا انتظام کیا جائے۔ امریکہ جا کر تعلیم حاصل کرنے کا انتظام
کیا جائے، اس کے لئے بینک میں اتنا حساب جمع کر دیا جائے اس کے لئے کار، کم سے کم اس
کے لئے اسکوٹر کا انتظام کر دیا جائے آج قانون بھی اس کے خلاف ہے، عقل بھی اس کے
خلاف ہے، ہم اس کے نہایت عیب اور نہایت، نحوس نتائج دیکھ رہے ہیں، بڑے بڑے شریف
لوگ خود کشیاں کر رہے ہیں، اور گھروں کی زندگی جہنم بن گئی ہے، اس باب کو میٹھی مینڈ تھیب
نہیں لیکن یہ رسم ہے کہ پورے طور پر موجود ہے۔

اسی طریقے سے امریکہ جیسے ملک نے شراب کو ختم کرنا چاہا، اس نے پوشش کی کہ شراب

نوشتی نِ عادت ختم ہو، یہ مسٹر ہوور (Hoover) کے زمانے کا واقعہ ہے، اب تفصیلات دیکھ لیجئے کہ امریکہ نے گھٹنے ٹیک دیے اور اپنے پورے وسائل اس کے سئے استعمال کئے، لیکن شراب نوشی حدِ نون تک پہنچ گئی، یعنی جو لوگ صرف شراب نوش تھے، ان لوگوں نے شراب نوشی پر کمر سلی اور حکومت کو شکست تسلیم کرنی پڑی، حکومت نے ماتِ ہاں، لیکن شراب پیناؤں نے نہ چھوڑا، وقت آلم ہے، اس سئے اختصار سے کام لیتا ہوں، عہدِ جاہلیت کی چند رسمیں آپ کے سامنے مثال کے طور پر رکھتا ہوں، اس وقت دخترشی کی رسم تھی، اور ایسی رسم تھی کہ اس کی جزیں عربوں کے مزارع میں عربوں کی تاریخ، عربوں کے معاشرے میں اتنی گہری تھیں کہ تصور نہیں کیا جاسکتا تھا کہ عرب دخترشی سے باز آسکتے ہیں، یمن چند برسوں میں ایسا انقلاب ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لے گئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی اُمہ ہر سے دوڑی دوڑی آئی اور بھائی بھائی کہہ کر آپ سے پٹ گئی، اس وقت صحابہ کرام میں یہ مقابلہ شروع ہو گیا کہ یہ بچی پرورش کے لئے ہم کو دی جائے، یعنی جو مائیں بچیوں سے اپنی کودیں خالی کرتی تھیں اور جو باپ شقی اور سمدن بچیوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے، ایسے واقعات ہیں کہ آپ سینے و آپ تڑپ جاتے ہیں، حضرت علیؑ نے کہا کہ بچی مجھے ملنی چاہئے میری بہن ہے، حضرت جعفرؑ نے کہا کہ مجھے عطا ہو کہ میں بھائی بھی ہوں اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے، حضرت زیدؑ نے کہا کہ میرا حق ہے کہ مسلمان ہونے کے رشتے سے ان دونوں سے کم نہیں، آپ نے حضرت جعفرؑ کے حوالے کیا کہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے، اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا، اسی طرح شراب جو عرب کی گھٹی میں پڑی تھی، جب اس کی حرمت کا اعلان ہوا تو ہونوں سے اکائے ہونے جا رہا دیکھئے شراب کے ظرف اس طرح لٹکھادیے گئے کہ وہ مدینے کی نایوں میں بہتی تھی۔

سیرت محمدی ﷺ کا اصل پیغام یہی ہے، آپ وائیک کام کے سئے مامور کیا لیا، آپ کے ساتھ لہو کی تائید تھی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ انقباضِ عظیم دنیا میں رونما ہوا کہ اس کی مثال نہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ملتی ہے، اور نہ اس وقت کی تاریخ میں ملتی ہے، آج لوگوں کو مطمئن کرنے کے ذرائع وافر مقدار میں موجود ہیں، یمن ہم انسانوں کو مطمئن نہیں کر سکتے، معاشرے میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آسکتے۔

جہاں تک عام انسانی جذبات کا تعلق ہے، خلوص کا تعلق ہے قربانی کا تعلق ہے، ان کی مثالیں دور تک نہیں میں گی، مگر ان کو کوئی ایسی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، وہی نابرابری ہے، وہی طبقاتی تفریق ہے، وہی انسانی آبرو و عزت کی بے قیمتی ہے وہی انسان انسانیت کا بھکاری ہے، وہی انسان انسان کا شکاری ہے، وہی دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہے، وہی چھوٹ، چھت ہے، وہی شراب نوشی کا جنون ہے، اور ہزاروں آدمیوں کی جانیں زہریلی شراب میں جاتی ہیں۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ سنجیدگی کے ساتھ سیرت کا مطالعہ کریں، اور ہمارے ہندوستان میں اردو کا جولٹریچر تیار ہو گیا ہے، اس کا بغور مطالعہ کریں، اگر اس مجلس سے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک پیدا ہو جاتی ہے تو یہ مجلس اور یہ اہتمام جو اس مبارک موقع کے لئے کیا گیا پورے طور پر وصول ہوا۔

وما التوفیق الا من عند اللہ

بسمہد الرحمن الرحیم

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد

حی بہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ایسا انسان بنی مجھوتھی جس میں نبوت کے اعجاز
مقتضی انسانی کمالات پیدا کر دیے تھے۔ مدامقابل الفاظ میں

”خاکی و نوری نہاد بندہ مولی صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کے ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتمو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
مہد من کو دیہ اس نے پیہم رخیل
ساقی ارباب ذوق، فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا حق، تیغ ہے اس کی اخیل

اب ہم اس کے بارے میں کچھ تاریخی شہادتیں اور بیانات نقل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم
ہو کہ یہ محض عقیدت مندی پر مبنی یکطرفہ بیان نہیں ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰؑ اور صحابہ کرامؓ:

ہم اس سلسلہ کا آغاز سیدنا علی مرتضیٰؑ رحمہ اللہ وجہہ کے خطبات کے وقت تہا سرت سے

کرتے ہیں کہ صحیہ کرام کے بارے میں (جن کی ذات بعض مکاتب خیال اور فرقوں کے یہاں موضوع بحث بن گئی ہے) ان کی شہادت شہادت مبینی کے مصداق اور ان کا بیان، اہل بیت کرام کی صداقت اور بدعت و فسادت عوی کا مظہر ہے، یہ ملحوظ رہے کہ یہ بیان اپنے ان رفقاء کے متعلق ہے جو ان کی زندگی میں سفر آخرت اختیار کر چکے ہیں اور اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ یہ بیان صرف چار جمیل اقدار صحیہ اور رفقاء (سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود، عمار بن یاسر) کے متعلق نہیں ہو سکتا، جن میں سے متعدد ان کی زندگی میں موجود اور ان کے ہم رکاب ہیں۔ (۱) یہ اقتباسات آپ کے خطبات اور رسائل و فرامین کے (حضرات شیعہ کے نزدیک) معتبر اور متفق علیہ مجموعہ ”نہج البلاغہ“ سے ماخوذ ہے جو شہرہ آفاق ہاشمی شیعہ ادیب و شاعر ”الشریف ارضی“ (۳۵۹-۴۰۴ھ) کا جمع کیا ہوا ہے۔ جو اپنے عہد سے لے کر اس عہد تک مستند، متداوم اور متبرک ہے اور جس کی شرح مشہور شیعہ عالم و متکلم ابن ابی الحدید (۵۸۶-۶۵۵ھ) نے بڑے شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہے، خطبت و بدعت کے اس شکوہ اور کمال کی بناء پر جو حضرت امیر المومنین کا حصہ ہے اور قرآن کو ہر طرح کے شک و شبہ سے دور رکھنے کے لئے ہم ایک طرف اصل عبارت نقل کرتے ہیں، دوسری طرف اس کا ترجمہ دیتے ہیں۔ امیر المومنین فرماتے ہیں

لقد رأيت اصحاب محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم فمارى احداً يشبههم منكم لقد كانوا يصبحون شعناً عبداً وقد باتوا سجداً وقياماً، براوحون بين جباههم وحوادثهم، ويقفون على مثل الجمر من ذكر معادهم كان بين أعينهم ركب المعرى من هول سجدتهم اذا ذكر الله هملت أعينهم حتى تبلى جيوبهم وما دوا كما يمد الشحر يوم الريح العاصف، خوفاً من العقاب ورجاءاً للثواب

میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی ایسی شان دیکھی ہے کہ میں تم میں سے کسی کو ان کا مشابہہ نہیں، وہ صبح اس حال میں نظر آتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں۔ رات انہوں نے سجدے اور قیام میں گزاری ہوتی۔ کبھی اپنی پیشانیوں پر جھکے ہوتے تھے، کبھی

(۱) حضرت عمار بن یاسر نے خلافت مرتضوی میں ۳۷ھ میں اور سلمان فارسی نے ۳۶ھ میں وفات پائی۔ حضرت علیؑ کی شہادت ۴۰ھ کا واقعہ ہے۔

اپنے رخساروں پر قیامت کی یاد سے ایسے بے چین نظر آتے تھے، جیسے انکاروں پر کھڑے ہوں۔ ان کی پیشانی (کثرت و طول سجود سے ایسی سخت و خشک معلوم ہوتی تھی جیسے بکری کی ٹانگ، اللہ کا نام لیا جاتا تو ان کی آنکھیں ایسی اشکبار ہو جاتیں) کہ ان کی سر پہان اور دامن تر ہو جاتے اور وہ اس طرح لرزتے ہوئے نظر آتے جیسے تیز آندھی کے وقت درخت سزائے خوف اور ثواب کی امید میں۔

دوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں:

این القوم الذین دعوا الی الاسلام نقبلوہ وقرار القرآن فاحکموا
وہیجوا او القتال فولہوا ولہ اللقام الی اولادہا و سلوم الیسوف اغما دہا، واحذوا
باطراف الارض زحفا زحفا وصماً و صفاً بعض ہلک و بعض بجاء لایشرون
بالاحیاء ولا یعزون بالموتی مرہ العیون عن البکاء خمعی البطون من الصیام، ذبل
الشفاء من الدعاء صمراً لامواللہ من المہر علی وجوہہم غیرۃ الخاشعین

وہ لوگ کہاں ہیں جن کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے اس کو قبول کیا۔ قرآن پڑھا تو اس پر اچھی طرح سے عمل کیا۔ جہاد کے لئے ان کو جوش دلایا گیا تو اس طرح اس کی طرف بڑھے جیسے اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف دوڑ کر جاتی ہیں۔ انہوں نے تلواریں بے نیام کر لیں اور اطراف زمین میں گروہ درگروہ ہو کر پروانہ دار بڑھے۔ کوئی شہید ہو گیا، کوئی بچا نہ ان کو اپنے ساتھیوں کی زندگیوں کی مبارکباد دی جاسکتی ہے، (اس لئے کہ وہ شہادت کو نعمت سمجھتے ہیں) نہ دنیا سے رخصت ہونے والے ساتھیوں پر ان سے تعزیت کی جاسکتی ہے (کیونکہ وہ ان پر رشک کرتے ہیں اور ان کو کامیاب سمجھتے ہیں) ان کی آنکھیں فرط غریہ سے سفید ہو گئیں۔ ان کے پیٹ روزوں کی وجہ سے پیٹھ سے لگے ہوئے ہیں، ان کے ہونٹ دعا سے خشک ہو رہے ہیں، ان کے رنگ بے خوابی و شب بیداری سے زرد ہیں۔ ان کے چہروں پر اہل خشیت کی اداسی ہے۔

اولئک اخوان الزاہبون! فحق لنا ان نطمأ الیہم و بعض الایدی علی فراقہم۔
یہ میرے وہ بھائی ہیں جو دنیا سے چلے گئے۔ ہم کو حق ہے کہ ہم میں ان سے ملنے کی پیاس پیدا ہو اور ہم ان کی جدائی پر ہاتھ ملیں۔

صحابہ کرام و شیخین کے بارے میں غیر مسلم فضلاء اور مستند مغربی مورخین کی شہادتیں:

اس مبارک آغاز کے بعد ہم چند غیر مسلم فضلاء اور مستند مورخوں کی شہادتیں نقل کرتے ہیں۔ مغربی فاضل کائناتی اپنی کتاب ”سنین الاسلام“ میں کہتا ہے

”یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے مستقبل میں اسلام کے مبلغ اور محمد (ﷺ) نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعسیمات پہنچائی تھیں، اس کے امین تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچ دیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں بر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا اور بعد میں انہوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (ﷺ) کے اصول و افکار کی تخم ریزی زر خیز زمین میں کی گئی تھی جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے۔ یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے ماخذ تھے اور رسول اللہ ﷺ سے جو لفظ یا حکم انہیں پہنچا تھا اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قبل احترام پیشرو جنہوں نے مسیح سوسائٹی کے اولین فقہاء، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔

مشہور فرانسیسی مصنف ڈاکٹر یبہان اپنی شہرہ آفاق کتاب ”تمدن عرب“ میں لکھتا ہے

”غرض یہ ہے کہ اس نئے دین کو بہترے مواقع درپیش تھے اور بے شک وہ اصحاب نبی ﷺ کی خوش تدبیری تھی جس نے انہیں ان مواقع پر کامیاب کیا، انہوں نے خلافت کے سب سے ایسی ہی اشخاص کا انتخاب کیا جن کی ساری غرض امتداد دین محمدی تھی۔ (۱)

مشہور انگریز مصنف گلبن خلائے راشدین کے متعلق اپنی کتاب ”زوال و سقوط روما“ میں لکھتا ہے

(۱) تمدن عرب صفحہ ۱۲۴ ترجمہ شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی، مطبع آگرہ

”پہلے چار خلفاء کے اطوار صاف اور ضرب المثل تھے، ان کی سرگرمی، دہدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت و اختیار پا کر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائی فرائض اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں۔ (۱)“

ڈاکٹر فلپ ہٹی اپنی مشہور کتاب ”مختصر تاریخ عرب“ میں لکھتا ہے
 ”ابوبکرؓ مدینہ کو مغلوب کرنے والے اور جزیرۃ العرب کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے متحد کرنے والی ایک سیدھی سادی زندگی گزارتے تھے جو متانت و وقار سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اپنی خلافت کی مختصر مدت کے پہلے چھ مہینے میں روزانہ اپنی قیم گاہ ”سج“ سے جہاں وہ اپنے مختصر خاندان کے ساتھ ایک معمولی سے مکان میں رہتے تھے، صبح اپنے دارالحکومت مدینہ کی طرف آتے تھے۔ وہ حکومت سے کوئی تنخواہ نہیں لیتے تھے، اس لئے کہ اس وقت حکومت کی کوئی آمدنی نہیں تھی جو قابل ذکر ہو۔ وہ حکومت کے تمام کام مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں بیٹھ کر انجام دیتے تھے۔“

ان کے باصلاحیت جانشین عمر (۳۳-۶۳۴ء) سادہ زندگی بسر کرنے والے اور بہت فداں تھے۔ دراز قد، مضبوط جسم اور سر کے بال گرے تھے۔ خفیہ ہونے کے بعد کچھ عرصہ تجارت ان کا ذریعہ معاش تھی اور بالکل بدوسر داروں کی طرح ان کی زندگی شان و شوکت اور لڑائی کے مظاہرے سے دور تھی۔ ان کا بے داغ کردار ان کے جانشینوں کے لئے ایک مثال تھا، بتایا جاتا ہے کہ ان کے پاس صرف ایک قمیص اور ایک لبادہ تھا جس میں پیوند گئے ہوئے تھے۔ گھوڑوں چھال بھرے ہوئے بستر پر سوتے تھے اور انہیں دین کی پاسداری، انصاف اور حکومت کو اسلام اور عربوں کے لئے محفوظ رکھنے کے وعدہ اور کسی بات کی فکر نہیں تھی۔“ (۲)

سروہیم میورا اپنی مشہور کتاب ”تاریخ خلافت اولی“ میں لکھتا ہے
 ”ابوبکرؓ کے دربار کی سادگی کا وہی عالم تھا جو محمد ﷺ کی زندگی میں تھا۔ نہ خدام تھے اور نہ محفل اور نہ حکومت کی شان و شوکت ظاہر کرنے والی کوئی اور شے۔ ابوبکرؓ محنت کے مادی تھے اور ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملات کی جزئیات پر بھی نظر

(۱) تمدن عرب صفحہ ۸۵-۲۸۴، جلد نمبر ۵ مطبوعہ لندن ۱۹۱۱ء

(۲) شری آف دی عربس، لندن ۱۹۵۲ء صفحہ ۷۶

رکھتے تھے۔ راتوں کو وہ مصیبت زدہ اور غرباء کی تلاش میں گھومتے رہتے۔ حکومت کے عمل اور اس کی کام و تعینات کرنے میں کنبہ پروری یا طرفداری سے باز اور ان کی کردار سے قتل و دانش کا اظہار ہوتا ہے۔“ (۱)

مزید لکھتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ کے بعد سے سلطنت اسلام میں سب سے بڑے شخص عمرؓ تھے، کیونکہ انہیں کی دانائی، استقلال کا ثمرہ تھا کہ اس دس سال کی مدت میں شام، مصر، فارس کے علاقے جن پر اس وقت اسلام کا قبضہ رہا ہے، تسخیر ہو گئے۔ مگر باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہونے آپ کو کبھی اپنے فیصلہ فراست اور متانت کی میزان میں پاسبان رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب کے ساتھ اپنے آپ کو ملقب نہ کیا۔ دور دراز صوبوں سے لوگ آتے اور مسجد نبوی ﷺ کے صحن کے چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں؟ حالانکہ شہنشاہ یعنی خلیفہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔“ (۲)

جسٹس سید امیر علی کے بیانات:

سنی فضلاء اور مصنفین کے بجائے ہم چند اقتباسات رائٹ آؤریبل جسٹس سید امیر علی (۳) کی کتاب (A short History of the Saracens) سے پیش کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

The Annal of Early Caliphte London 1892. p 122 (۱)

(۲) ترجمہ خوز ”آیات بیانات“ از اب محسن الملک صفحہ ۲۰-۲۱ (مطبع مصطفائی، ۱۳۱۵ھ)

(۳) سید امیر علی (۱۸۴۹ء-۱۹۲۸ء) سادات کے ایک شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو خراسان سے نادر شاہ کے ساتھ آیا۔ محمدیہ ہنگلی کالج کلکتہ میں انگریزی اور عربی کی تعلیم حاصل کی اور قانون کا مطالعہ کیا۔ ۱۸۷۳ء میں بیرسٹری کی سند حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء میں بنگال ہائی کورٹ سے سبکدوش ہوئے اور انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کر دی۔ ۱۹۰۹ء میں لندن کی پریوی کونسل کی قانونی کمیٹی کے پہلے ہندوستانی رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں تقاضا کیا۔ اسلامیات پر لکھنے والے شاید کسی ہندوستانی مصنف کے پاس ایسا پر زور علم اور اس کو اہل زبان کی طرح انگریزی پر ایسی قدرت ہو جتنی کہ سید امیر علی کو تھی بقول مستشرق ”کم ایسے اہل زبان ہوں گے جو مصنف کے اسلوب کا مقابلہ کر سکیں۔“

”خلفاء راشدین کے زمانے میں مسلمانوں کی جو سیاسی حالت تھی، اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو جو منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے وہ ایک عوامی حکومت کا ہے جس کا سربراہ ایک منتخب شدہ امیر تھا جو محدود اختیار کا مالک تھا، رئیس مملکت کے خصوصی اختیارات انتظامی اہتمامی امور کے دائرہ کے اندر محصور تھے۔ قانون سب کے لئے ایک تھا۔ امیر کے لئے بھی اور غریب کے لئے بھی، صاحب اقتدار کے لئے بھی اور کھیت پر محنت و مشقت کرنے والے کے لئے بھی۔ (۱)

آگے لکھتے ہیں۔

”خلفائے راشدین نے جس سخت گیری سے اپنے آپ کو عوام کی بہبود کے لئے وقت کر رکھا تھا اور جس انتہائی سادگی سے وہ زندگی بسر کرتے تھے وہ ہادی اسلام کی مثال کی پوری پوری تقلید تھی۔ انہوں نے خدم و حشم اور ظاہری شان و شوکت کے بغیر محض اپنے حسن کردار اور سیرت کی مدد سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کی۔ (۲)

جہاں تک شیخین (خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ) کا تعلق ہے، سید امیر علی نے ان کے زاہدانہ طرز زندگی، ان کی معدلت شعاری اور ان کی خدمات اور احسانات کا پوری فراخ دلی اور زور قلم کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”عربوں میں کسی قبیلہ کی سرداری اور سربراہی موروثی نہیں ہوتی۔ اس کا انحصار انتخاب پر ہوتا ہے۔ عمومی حق رائے دہندگی کے اصول پر شدت سے عمل کیا جاتا ہے۔ قبیلہ کے تمام افراد کی سردار کے انتخاب میں آواز ہوتی ہے۔ انتخاب متونی کے پسماندگی کے افراد زینہ میں سن و سال، بزرگی و تقدم کے اصول پر ہوتا ہے۔

اس قدیم قانون و روایت کی پیغمبر صاحب کے جانشین کے انتخاب میں بھی پابندی کی گئی، چونکہ حالات کی نزاکت کسی تاخیر کی اجازت نہیں دیتی تھی، اس لئے ابو بکرؓ جو اپنی عمر اور اس حیثیت و مرتبہ کی بناء پر جوان کو مکہ میں حاصل تھا اور وہ عربوں کے حساب و اندازہ میں بڑا

(۱) خود از دوعہ ترجمہ "Sprit of Islam" مطبوعہ ادارہ ثقافت، لاہور، صفحہ ۴۲۰-۴۲۱

(۲) روح اسلام صفحہ ۴۲۳

مرتبہ رکھتے تھے بغیر کسی تاخیر کے خلیفہ یا پیغمبر کے جانشین منتخب ہوئے۔

ابوبکرؓ اپنی دانشمندی اور اعتدال کی وجہ سے امتیاز خاص کے مالک تھے۔ ان کے انتخاب و حضرت علیؓ اور خاندان نبوت نے اپنی روایتی خصوص اور اسلام کے ساتھ وفاداری و اردلی و انتہائی کی بنا پر تسلیم کیا۔“ (۱)

آگے چل کر حضرت عمرؓ کے متعلق لکھتے ہیں

”حضرت ابوبکرؓ کا مختصر دور خلافت ریگستانی قبیلوں میں امن و امان کرنے ہی میں صرف ہو گیا۔ انہیں صوبوں کی باقاعدہ تنظیم کی مہلت نہ ملی، لیکن جب حضرت عمرؓ جو صحیح معنوں میں ایک عظیم انسان تھے، مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت محکوم قوموں کی فلاح و بہبود میں انتھک کوششوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو ابتدائی مسلم حکومتوں کا صرہ امتیاز ہے۔“ (۲)

حضرت عمرؓ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتے ہیں

”حضرت عمرؓ کی جانشینی اسلام کے لئے بڑی قدر و قیمت کی حامل تھی۔ وہ اخلاقی طور پر ایک مضبوط صیحت و سیرت کے آدمی، انصاف کے بارے میں بڑے با اصول اور حساس، بڑی قوت عمل اور سیرت کی پختگی کے آدمی تھے۔“ (۳)

حضرت عمرؓ کی وفات اسلام کے لئے ایک بڑا سانحہ اور خسارہ تھا۔ تخت سلیمان منصف، دور بین، اپنی قوم کی سیرت و مزاج کا بڑا وسیع تجربہ رکھنے والے، ایک ایسی قیادت کے لئے بڑے موزوں تھے جو بے آئینی کی خوگر تھی۔ اپنے مضبوط ہاتھ میں تازیانہ رکھتے ہوئے خانہ بدوش قبائل اور ان نیم وحشی لوگوں کے رجحانات کو انہوں نے قابو میں رکھا اور ان کو اس وقت اخلاقی سراوٹ سے بچا لیا جب ترقی پسند شہروں کے عیش و عشرت اور وسایل راحت اور مفتوحہ ملکوں کی دولت سے ان کا سابقہ پڑ رہا تھا۔ وہ اپنی رعیت کے ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے دسترس میں تھے۔ رات میں لوگوں کی حالت معلوم کرنے کے لئے بغیر کسی محفظہ یا مصرحہ کے گشت کرتے۔ یہ اس شخص کی حالت تھی جو اپنے عہد کا سب سے طاقتور حکمران تھا۔“ (۴)

(۱) A Short History of the Sarcens P-21 (۲) روح اسلام صفحہ ۴۳۰

A Short History of the Sarcens P-27 (۳)

A Short History of the Sarcens P-43 (۴)

حضرت عثمان غنیؓ:

مستند تاریخ کی شہادت ہے کہ خیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سادہ اور زائدانہ تھی۔ وہ باہر سے آنے والے وفود اور خدفت کے مہمانوں کو پر تکلف نہانا اٹھلاتے تھے، لیکن ان کو گھر میں روغن و زیتون یا سرکہ کے ساتھ روٹی اٹھاتے دیکھا گیا ہے۔ (۱) صائم الدہر تھے۔ خدام کے باوجود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ رات کو کسی ملازم کو جگاتے نہیں تھے۔ فرماتے تھے کہ رات ان کی ہے۔ (۲)

ان کا ایک خدام تھا۔ انہوں نے اس کے کبھی کان نہ نیچے تھے، اپنے عہد خلافت میں اس سے کہا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو، اس نے ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا۔ حضرت عثمان نے کہا اچھی طرح سے بد لے لو، دنیا میں بدلہ ہو جائے، آخرت میں سب باقی نہ رہے۔ (۳)

عبدالملک بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے عہد خلافت میں جمعہ کے دن منبر پر دیکھا، ان کے جسم پر ایک موٹی عددنی چادر تھی جس کی قیمت چار پانچ درہم ہوتی تھی۔ (۴) حسن بصری راوی ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں دو پہر کو آرام کر رہے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں تو ان کے پہلو پر کنکریوں کا نشان نظر آتا ہے اور لوگوں میں چرچا ہے کہ یہ امیر المؤمنین ہیں۔ (۵) منبر پر بیٹھ کر بازار کے نرخ وغیرہ دریافت کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے معاملات کا ان کو بڑا اہتمام تھا۔ موکی بن طلحہ راوی ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا۔ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مؤذن اقامت کہہ رہا ہے اور وہ لوگوں سے ان کے حالات اور سفر کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔ ان کے ایشاد و قربانی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے ان باغیوں سے جو مصر سے آ کر ان پر حملہ آور ہوئے تھے، طاقت موجود ہونے کے باوجود رنہ اور کسی مسلمان کا خون بہانا پسند نہیں کیا اور اسی حال میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے جان

(۱) ایت شریح بن مسلم تصحیح حدیث، ۱، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹،

دی۔ اسی کے ساتھ خلافت سے دستبردار ہونا بھی گوارا نہیں کیا جس کو وہ مسلمانوں کی امانت اور احادیث اور ارشادات نبوی ﷺ کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کی منشاء سمجھتے تھے۔ (۱)

بقول سید امیر علیؒ ”ان کی سب سے بڑے خوبی خدا ترسی تھی۔“ جبکہ ولیم میور کے مطابق وہ بہت نرم دل تھے اور اگر انہیں امن وامان کا زمانہ ملتا تو وہ عوام میں بہتر مقبول ہوتے۔“ (۲) شارٹرانسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں یوی ڈیاوید رقم طراز ہیں کہ ”ولیمائوسن“ نے ذکر کیا ہے اور کنیانی نے زیادہ تفصیل سے بیٹ کیا ہے۔ عثمانؓ نے عمرؓ کی پالیسی پر ہی عمل کیا اور اسے اور ترقی دی۔ (۳)

خلافت عثمانی میں جو ۱۲ سال کے عرصہ پر محیط ہے، ایسی عظیم الشان فتوحات حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ہوئیں جن کی نظیر اس سے پیشتر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس زمانہ میں اسلامی مملکت کے دائرہ میں بڑی وسعت ہوئی۔ اس کے حدود سندھ سے لے کر اندلس (اسپین) تک جا پہنچے۔ اسلامی افواج نے اس عہد میں بڑی جنگوں کے علاوہ بحری قوت کا بھی مظاہرہ کیا اور قبرص، رودس کے جزائر فتح کئے۔ ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا گیا، حالانکہ اس سے پیشتر ان کے پاس ایک کشتی بھی نہ تھی۔ اسلامی فوج ۳۲ھ میں اپنے قسطنطنیہ (پاس فورس) تک جا پہنچی۔ ۳۵ھ میں طرابلس (لیبیا) پر فوج کشی ہوئی اور دو ہی سال بعد تیونس، الجزائر اور مراکش کے مدقوں کو فتح کر لیا گیا۔ اس سال عبداللہ بن نافع نے سمندر پار کر کے اندلس کا محاصرہ کیا۔ مسلمانوں کی فوجیں قفس (رب پال) اور بحیرہ اسود کے کناروں تک جا پہنچیں۔ ۴۰ھ میں خراسان اور طبرستان کی طرف پیش قدمی ہوئی۔ جرجان، خراسان اور طبرستان فتح ہوا۔ عبداللہ بن عامر نے مزید آگے جا کر سوات، کابل، بھجستان، نیشاپور اور اردگرد کے علاقوں کو مطیع بنایا۔ طبرستان اور کرمان فتح ہوئے اور یوں کوہ قاف اور بحر خزر (قزاقین) تک اسلامی حکومت وسیع ہو گئی۔ ان کے مبارک عہد میں مسلمانوں نے ہندوستان کی طرف بھی توجہ دی اور کجرات

(۱) ایضاً صفحہ ۶۰

(۲) ماخوذ از کتاب تاریخ الخلفاء (سیوطی) الہدایۃ والنبہۃ بیروت مکتبۃ المعارف (بن شیر طبع ۱۹۶۶ء، غیرہ

مطبعۃ اسعدیہ مصر ۱۹۵۳ء)

کے ساحلی علاقوں تک ان کے قدم جا پہنچے۔ (۱) ان کے عہد خلافت میں تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت، تجارت و علوم و فنون کو بھی ترقی ہوئی۔ دولت و ثروت اور فارغ ابالی کا دور دورہ ہوا۔

ان کی ایک اہم خدمت مسجد الحرام کی توسیع ہے جو ۲۶ھ میں کی گئی۔ ۲۹ھ میں انہوں نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع کرائی، بحری فتوحات کے سلسلہ میں بھی حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور پرانی مساجد مزید وسیع کی جائیں۔ ان کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ عالم اسلام کو ایک مصحف اور ایک ہی قرأت پر جمع کرنا تھا۔ قرآن مجید کو لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی قرأت پر سارے ممالک اسلامیہ کو متحدہ کر دینا خلافت عثمانیہ کا مہتمم بالشان واقع ہے۔ (۲)

حضرت علی مرتضیٰ:

جہاں تک خلیفہ چہارم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذات کرامی کا تعلق ہے، ان کے بارے میں سوائے خوارج کے کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ ہم یہاں ان کے ایک رفیق ضرار بن ضمیر کا ایک بیان پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کی فرمائش و اصرار پر امیر المومنین کے بارے میں اپنی معلومات، مشاہدات و تاثرات پیش کئے اور الفاظ میں تصویر کشی کی، اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ خلافت و حکومت میں بھی اس قدسی جماعت کی یہ حالت تھی جو در سگاہ نبوت اور مد رسہ ایمانی و قرآنی ہے تیار ہو کر نکلتی تھی۔

”ان کو دنیا اور اس کی بہار اور رونق سے وبشت ہوتی تھی اور رات اور اس کی تاریکی میں دل بہلتا تھا، آنکھیں پر اشک رہا کرتی تھیں، ایک لمحہ فکر اور سوچ میں رہا کرتے تھے۔ لباس

(۱) ان وسیع و عظیم فتوحات کے نتیجے میں جس وسیع پیمانہ پر اسلام کی شاعت ہوئی اور ملک کے ملک اور قوموں کے قومیں درہ سلام میں داخل ہوئیں اس کا آسانی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے ورنہ تاریخ میں اس کی شہادتیں ملتی

ہیں۔ (۲) تلخیص از اردو دار المعارف اسلامیہ ص ۲ بحاجہ یونیورسٹی، لاہور ۱۹۷۳ء۔ یہاں ان کا انچاسی سے خاندان ہوگا۔ حضرت علیؓ سے وفد کے کچھ لوگوں نے اس بات کی شکایت کی کہ ان کے پیروں کے قرآن مجید کی ایک قرات پر وہیں جو جمع رویا ہے تو حضرت علیؓ سے انتہائی برائی کے ساتھ جواب دیا۔

”خاموش اعمان“ نے ہم میں سے سربرخود سے بڑی سے ہی یہ قدم اٹھایا تھا، اور اگر اس وقت نہ ہوتا۔ جائے میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔“

وہ پسند آتا جو موٹا ہو، کھانا وہ دل کو بھرتا جو معمولی اور سادہ ہو، بالکل معمولی آدمی کی طرح رہتے، ہم میں اور ان میں کوئی فرق معصوم نہ ہوتا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو جواب دیتے۔ جب ہم آتے تو وہ سلام میں پہل کرتے، جب ہم بلا تے تو بے تکلف آجاتے، لیکن ان کے یہاں اس تقرب اور ہمارے قرب کے باوجود رعب اتنا تھا کہ ہم گفتگو نہ کر سکتے اور خود چھیڑ کر بات نہ کر سکتے۔ دین داروں کی تعظیم کرتے تھے اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے۔ طاقتور و ان سے کسی غلط چیز کی امید نہ ہوتی اور کمزور ان کے انصاف سے ناامید نہ ہوتا۔ بخدا میں نے ان کو بعض مواقع پر اس وقت دیکھا ہے کہ رات نے اپنے پردے ڈال دیئے تھے اور تاریا دھل گئے تھے۔ وہ اپنی محراب میں کھڑے تھے، وار بھی پکڑے ہوئے، مار مزیدہ کی طرح تڑپتے تھے اور اس طرح روتے تھے کہ جیسے دل پر چوٹ لگی ہو، ویسا میں سن رہا ہوں اور وہ کہہ رہے ہیں۔ اے دنیا! یہ مجھ سے چھیڑ کرنے چلی ہے، اور مجھ پر تیری نظر ہے؟ اس کی امید نہ کرنا، کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھ کو ایسا چھوڑا ہے کہ کبھی تیرا نام بھی نہ لوں گا۔ تیری عمر مختصہ، تیری زندگی بوقت اور تیرا خضرہ بہت ہے۔ ہائے سامان سفر کس قدر کم ہے، سفر کتنے دور کا ہے۔ راستہ تنہا وحشت ناک ہے۔“

خلفاء کی زبیدانہ زندگی اور خاندان میں سے کسی کو جانشین نہ بنانا:

ان خلفاء کے اخلاص، لہجیت، ان کی عظمت و انفرادیت کی کھلی ہوئی ایک دلیل یہ تھی کہ انہوں نے موسسین سلطنت اور دوراندیش بلند حوصلہ حکمرانوں کی طرح نہ تو اس بے پایاں دولت اور صدیوں کے اندوختہ سے جو سیلاب کی طرح فارس و روم سے، منڈتا ہوا چلا آ رہا تھا، کوئی فائدہ حاصل کیا اور عیش عشرت کی نہ سہی، فراغت و راحت کی زندگی گزاری، بلکہ اپنے مقتدی اور محبوب کے نقش قدم پر چل کر مسرت و تنگی اور زبید و ایثار کی زندگی گزاری بلکہ وہ خلافت کی منصب پر متمکن ہونے سے پہلے زیادہ فارغ البال و مطمئن تھے۔

جس طرح ان خلفاء نے زندگی بسر کی، اس کے متعلق کہیں لکھا ہے۔

”ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی ہمت و جرأت کی آزمائش رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے سخت

حالات اور دشمنوں کے ذریعے ہو چکی تھی ورجنت کی بشارت نے انہیں دنیاوی مذاات اور

خطرات سے پرواہ نہ دیا تھا۔ لیکن انہوں نے حکومت کی باگ ڈور اس وقت سنبھالی جب وہ سن رسیدہ ہو چکے تھے اور دین اور انصاف ان کی نظروں میں حکومت سے زیادہ اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ ان کی انتہائی سادہ زندگی ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی جو روئے زمین کے بادشاہوں کی شان و شوکت کے لئے تازیانہ کا حکم رکھتی تھی۔“

دوسرے یہ کہ ان میں سے کسی نے اختیار کے باوجود اپنے بیٹے یا قریب ترین فرد خاندان کو اپنا جانشین نہیں بنایا بلکہ بالعکس انہوں نے ان کو خلافت کی ذمہ داری سے الگ رہنے کی ہدایت اور مسلمانوں کو ان کو منتخب نہ کرنے کی وصیت کی، جس کی بناء پر (فطرت، جذبہ انسانی اور صدیوں نہیں ہزاروں برسوں کی حکومتوں، حکمرانوں کی روایات اور تجربوں کو سامنے رکھ کر) اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا۔ وہ سرتاپا اخلاص، لہجہ خطاب اور باطن بے غرض و بے وث تھے اور ان کا خلافت کی ذمہ داری قبول کرنا محض رضائے الہی کی خاطر، دین کی اشاعت و استحکام اور فتنوں اور خطرات کے دروازے بند کرنے کے سوا کچھ نہ تھا ورنہ (جیسا کہ بعض مکاتیب کا خیال اور قول ہے) اگر انہوں نے خلافت اپنے ذاتی اغراض، جاہ طلبی اور مقصد براری کے لئے قبول کی تھی تو دنیا کا فائدہ اٹھائے بغیر اپنی عاقبت خراب کرنا ”گنہ بے لذت“ کے سوا کچھ قرار نہیں پاتا اور یہ کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہو سکتا کہ وہ ”کوہ کندن کاہ برآوردن“ کے مترادف ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کا زہد و ایثار اور احتیاط :

ہم اس موقع پر ایک مثال حضرت ابو بکرؓ کی سیرت کی اور ایک حضرت عمرؓ کے واقعہ کی لئے یہ اکتفا کریں گے۔ جس کے بعد ہر ایسا شخص جس کی عقل و ضمیر کو تعصب نے مغلوب نہیں کیا ہے، وہ خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔

عہد صدیقی کا مورخ لکھتا ہے

”ایک روز حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی، جواب دیا میرے پاس کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں خرچ روزمرہ میں سے کچھ درہم بچ کر جمع کر لوں۔ فرمایا جمع کرو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابو بکرؓ گودے کے شیرینی

۱۔ دو۔ پیسے لے کر کہا۔ معصوم ہوا کہ یہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہیں۔ لہذا بیت المال کا حق ہے۔ چنانچہ وہ پیسے خزانہ میں جمع کر دیئے اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔“ (۱)

حضرت حسنؑ راوی ہیں کہ ”حضرت ابو بکرؓ کا آخری وقت ہوا تو فرمایا ”اے کشتہ وہ اونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے تھے اور وہ گن جس میں ہم کھانا کھاتے تھے، اور وہ چادر جو ہم استعمال کرتے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم مسلمانوں کا کام کرتے تھے۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان سب کو عمرؓ کے پاس پہنچا دینا۔ جب حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے وہ چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ابو بکرؓ اتم پر خدا کی رحمت ہو۔ تم نے اپنے بعد والے پر بڑا جھوٹا ل دیا۔“ (۲) یہ بھی آتا ہے کہ جب آخر وقت ہوا تو فرمایا کہ ”میری فلاں زمین اس رقم کے عوضہ میں بیت المال کی طرف منتقل کر دی جائے جو میں اپنی خلافت میں بیت المال سے وصول کر چکا ہوں۔“ (۳) ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ”میرے مال میں سے آٹھ ہزار درہم لے کر بیت المال میں داخل کر دینا۔ اس لئے کہ اسی قدر مجھ پر صرف ہوئے تھے۔“

انتقال کے وقت فرمایا کہ ”یہ دونوں کپڑے جو میرے جسم پر ہیں ان کو دھو ڈالنا اور اسی میں مجھے کفن دینا، نئے کپڑے کی مرمت والے کے مقابلہ میں زندہ رہنے والے کو زیادہ ضرورت ہے۔“ (۴)

حضرت عمرؓ کا سرکاری دودھ اور سفر شام:

اب دوسری مثال حضرت عمرؓ کی پیش کی جاتی ہے۔ آپؐ نے بہت سی مملکتوں کے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہوئی اور ان کے شاہانہ تزک و احتشام اور کرفر کا تماشا دیکھ ہوگا۔ چھٹی صدی مسیحی کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا حضرت عمرؓ کا سرکاری دورہ (سفر شام) کی روداد مورخ کی زبان سے سنئے۔

(۱) ۵ مل ابن شیراز ۲ صفحہ ۲۲۳ (یڈن ۷۷-۱۸۵۷)

(۲) تاریخ خلفاء صفحہ ۷۸، مطبع السعادة مصر ۱۹۵۲

(۳) یہ صفحہ ۸۳

(۴) طبقات جلد ۳ صفحہ ۱۳۱

مولانا شبلیؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”الفروق“ میں ۱۶ھ کے سفر بیت المقدس کا حال بیان کرتے ہوئے مستند عربی تاریخوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظمؓ کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلاں کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سر و سامان سے ہوگا؟ لیکن یہاں تقارہ و نبوت، خدم و حشم، اؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظمؓ نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے، زمین دہل جاتی تھی۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی نہیں لکھا گیا۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے دم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو ایل ل کرنے لگا۔ فرمایا کم بخت! یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی؟ یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سر و سامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔“

دوسرے سفر شام ۱۸ھ کا حال بھی سن لیجئے:

”حضرت عمرؓ نے شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفان کا غلام اور بہت سے صحابہؓ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہوئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے، پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے تمہارے آگے۔ اسی حیثیت سے ایلہ آئے۔ یہاں دو ایک روز قیام کیا، گزی کا کرتہ جو زیب تن تھا، کجاوہ کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا، مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کے حوالہ کیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا تیار

کر کے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔“ (۱)

خلفائے ثلاثہ کے ساتھ سیدنا علی مرتضیٰ کا تعاون:

جیسا کہ سید امیر علیؑ نے لکھا ہے۔ ”رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے لئے حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کو حضرت علیؑ اور رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے افراد نے بخوشی قبول کر لیا۔ (۲) ولیم میور نے بھی اگرچہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے ذاتی ترکہ کے متعلق غلط فہمی کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؑ، حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں اسی طرح حاضر ہوتے تھے، جس طرح دوسرے صحابہؓ اور وہ قاضی القضاۃ کی خدمت بھی انجی مودیتے رہے۔ (۳) ولیم میور یہ بھی لکھتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے خطوط و مخطوطات پر حضرت علیؑ ہی لکھ کر دیتے تھے۔ (۴)

”نیچ ابلانڈ“ کا انگریزی ترجمہ جسے عامی شعبہ مسلم انجمن نے طبع کیا ہے، اس کے مترجم مسکری جعفری نے اپنے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؑ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور انہیں قبول بھی کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے سسنت روم سے جنگ کے موقع پر حضرت علیؑ کی رائے لی تو انہوں نے کہا کہ آپ یہیں موجود رہیں اور کسی تجربہ کار کو مائدین نہ بھیجیں۔“ (۵) اسی طرح فارس سے جنگ کے موقع پر حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کو میدان جنگ پر جانے سے منع کیا۔ (۶) حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کو جو صلاۃ کی تھی اس کی تصدیق ”نیچ ابلانڈ“ میں شامل ہے۔ حضرت علیؑ کے خطبہ نمبر ۳۷ اور ۱۴۹ سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ (۷)

(۱) غاروق ج ۱ صفحہ ۱۴۲-۱۴۵ معارف پرہیز اعظم گڑھ ۱۹۵۶ء۔ وقتہ تفصیل سے سلامہ ن شیخ و تندر تاریخ ”ابو بکرؓ و ثلاثہ“ ج ۱، صفحہ ۵۵-۶۰ و تاریخ طبری میں مل جند ہو۔

(۲) A Short History of the Sarcens P-21

(۳) A Short History of the Sarcens P-65

(۴) ایضاً صفحہ ۱۲۳

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً صفحہ ۵۷

(۷) ایضاً ۲۶۰-۲۷۰

سید حسین نصر ایرانی کی شہادت:

مغربی زبانوں میں اسلامیات پر متعدد کتبوں کے مصنف اور ممتاز دانشور سید حسین نصر جو ایرانی النسل شیعہ اور مستند علمی مقام رکھتے ہیں، خلفائے راشدینؑ اور صحابہ کرامؓ کے خلوص اور خدمت اسلام کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

اسلامی تاریخ کے اس عظیم المآل دور کے بعد چار خلفاء (جنہیں سنی خلفائے راشدین کے نام یاد کرتے ہیں) اور چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ (جنہیں شیعہ پہلا امام مانتے ہیں) حاکم ہوئے۔ اس زمانے میں قرآنی تعلیمات اور اسوۂ رسول ﷺ کو صرف انہیں حالات سے متعلق نہیں سمجھا گیا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پیش آنے والے تھے بلکہ ہر عمت کے ساتھ بیرون عرب اسلام کی اشاعت سے پیش آنے والے نئے کوائف و حالات پر بھی نافذ کیا گیا۔ بازنطینی صومست کے کچھ حصوں پر اسلامی قبضہ اور ساسانی حکومت کے زوال کے باعث بہت سے نئے مسائل سامنے آئے جنہیں حل کرنے کے لئے پہلے سے طے شدہ صوہ صوہ سے کام لیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ کام انجام دیا وہ اصحاب رسول ﷺ تھے۔ اور جن کا مقصد دنیاوی مفاد کے بجائے اسلام کی خدمت تھی۔ (۱)

سیدنا علی مرتضیٰ نے خلفائے ثلاثہ بالخصوص شیخین کو اپنا پورا تعاون دیا۔ بہت نازک موقعوں پر ان کے صاحب مشورہ بڑے مفید اور قیمتی ثابت ہوئے۔ ان حضرات نے بھی آپ کے علم و فہم اور اصابت رائے کا بندہ انداز میں اعتراف کیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ وفات اور حضرت عمرؓ کی شہادت پر آپ نے اپنے جذبات و تاثرات کا جس طرح اظہار کیا ہے اس سے ان مخلصانہ تعققات کا پورا اظہار ہوتا ہے۔ یہ دونوں خطبے جن میں ان کا اسلوب بیان، ان کی زبان اور ان کے ادبی و بدعتی خصوصیات پوری طرح نمایاں ہیں، کتب تاریخ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں طواست کے خوف سے ان کو نقل نہیں کیا جا تا۔ (۲)

(۱) سپید حسین نصر، "نیدریز، نیدریلیٹیز آف سدوم، بوسطن، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۰۲-۱۰۱۔

(۲) مدخله هو "البیاض لغرة فی فضائل العشرة" تأیف محبت مدین طبری (مر ۶۹۳ هـ) مخطوط کتب خانه ندوة

عبدالغنیہؒ، ۲۶ اور ۲۷ نیز ۱۸۵، ۱۸۸ امیرۃ الصدیق، اردو میں حضرت ابو سعیدؓ کے متعلق حضرت علیؑ کا پورا قصہ تحریر ہے۔ ساتھ دیکھا جاسکتا ہے، صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۱ نیز "طبقات بن سعد" ج ۳ صفحہ ۳۰-۳۱ (دارحد در بیروت)

حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے دوران پانی روک دیا گیا تھا، حضرت علیؑ کو اس کی اطلاع ہوئی تو پانی کی تین مشکیں بھیج دیں۔ ان کے لے جانے کے سلسلہ میں بنی ہاشم کے کئی تعلقہ والے زخمی ہوئے۔ حضرت علیؑ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے کہا کہ اپنی تلواریں لے کر عثمانؓ کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو ان تک پہنچنے نہ دو۔

جب حضرت عثمانؓ پر باغیوں نے زخم کیا اور ان کے مکان کا محاصرہ کر دیا تو حضرت علیؑ نے حضرت حسنؓ اور اپنے آزاد کردہ غلام قنبر کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کیا۔ اس مداخلت میں حضرت حسنؓ زخمی بھی ہوئے۔ سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا۔ قنبر کے سر پر چوٹیں آئیں، سین باغی اس دروازہ سے داخل نہ ہو سکے جہاں حضرت حسنؓ کا پہرہ تھا۔ وہ دوسری دیوار پھانسی کر اندر پہنچ گئے اور حضرت عثمانؓ کو بحالت تلاوت شہید کر دیا۔ (۱)

(۱) ملخصاً "تاریخ الخلفاء" سیوطی صفحہ ۱۶۰، نیز مقدمہ انگریزی ترجمہ "نہج البلاغہ" اور مسٹر عسکری؟ غفری بمبئی نمبر ۱۷۹، صفحہ ۶۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانیت کے محسن اعظم اور شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض

حضرت مولانا محمد امجد کا یہ مقالہ اردو میں ۲۲ اگست ۱۹۷۹ء کو صدک ستید ریسنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ میں پڑھا گیا، ۲۶ اگست کو لندن کے بین الاقوامی سماجک سنٹر پارک روڈ میں مختلف ملکوں اور زبانوں کے تعاقب رکھنے والے ایک عظیم مجمع کے سامنے عربی، اردو تقریروں اور تشریح و ترجمانی کے ساتھ پیش کیا گیا

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء
والمرسلين، وعلى آله واصحابه اجمعين، ومن تبعهم باحسان
ودعى بدعوتهم الى يوم الدين. اما بعد.

حضرات یہ دنیا جس میں ہم آپ رہ بس رہے ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنے عقیدہ
ذوق صلاحیت اور وسائل و امکانات کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں اور اپنے ہم
وطنوں (اور اس سے آگے بڑھ کر) اپنے ہمعصروں کے ساتھ مہذب اور شریفانہ اور پرسکون اور
خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں، اسی کے ساتھ تعلیمی و تدریسی تصنیفی و تحقیقی، تجرباتی و اکتشافاتی
میدان میں بھی اپنے اپنے درجہ اور حوصلہ کے مطابق حصہ لیتے ہیں، اور اس زندگی اور اس کے
ماحول کو اس سے بہتر، اس سے زیادہ محفوظ و پر امن، اس سے زیادہ خوشگوار و پرسکون، اور اس
سے زیادہ ترقی یافتہ و معیاری بنانے کی امنگ اور خواہش رکھتے ہیں، یہ دنیا اور یہ کمرۂ ارض جس پر
ہم رہتے بستے ہیں، ہمیشہ سے ایسا معتدل، پرسکون، سنجیدہ باقار، مستحکم و روادار، فکری و تعمیری
خدمات انجام دینے، اپنے اپنے عقیدہ و مسلک کے مطابق زندگی گزارنے ایک دوسرے اور

احترام و اعتراف کرنے اور بقائے باہم کے لئے ہمیشہ تیار نہیں تھا۔

اس زمین پر بسنے والی نسل انسانی کئی بار خودکشی اور خودسوزی کے لئے تیار اور کمر بستہ پائی گئی، اس دنیا کی تاریخ میں کئی دور ایسے گزرے ہیں کہ اس نسل انسانی نے زندہ اور باقی رہنے کا اتنا حقد کھودیا، اور اس نے باشعور اور باضمیر انسانوں کے بجائے غیر ذی عقل جانوروں اور خونخوار و آدم خور درندوں کی شکل اختیار کر لی، تہذیب و تمدن، علم و ہنر، اخلاق و اقدار انھیں موقوف قانون اصول و ضوابط۔ سب پر ایک احتضار (عالم سکرات) کی کیفیت طاری ہو گئی۔

سب جانتے ہیں کہ تاریخ کی تدوین کا کام بہت دیر سے شروع ہوا، اور قبل تاریخ کا دور، بعد تاریخ کے دور سے کہیں زیادہ طویل اور وسیع گزرا ہے پھر زوال آمدیت اور دور وحشت کی داستان چھ ایسی خوشگوار اور قابل فخر بھی نہیں تھی کہ اس کو پیش کرنے میں مصنفین و مورخین اپنی صلاحیتیں صرف کریں، اس لئے ہمیں بڑے بڑے طویل وقفوں کے بعد انسانی معاشرہ تہذیب و تمدن، اور حکومتوں اور مہائے مملکت کے زوال کے بارے میں تاریخ شہادتیں تاریخ عالم کے صفحات پر بکھری ہوئی ملتی ہیں اور ان کا سلسلہ زیادہ تر پانچویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے انہیں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مشہور انگریز مصنف **hgwells** سانی اور باز نطنی حکومتوں کے ذکر میں اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے۔

سائنس اور سیاست دونوں ان برسرِ پیکار اور زوال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سوچکے تھے آٹھنس **Athens** کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک (جو اس پر مسطہ کردی گئی تھی) عہدِ قدیم کے ادبی سرمایہ کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا، سین انب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو عہدِ قدیم کے شرفاء کی طرح جبری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا اور قدما کی تحریروں کی طرح تلاش و تحقیق یا جرأت مندانہ اظہار خیال کا داعی ہوتا۔

اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی و سماجی افراتفری تھی، لیکن ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں ذہن انسانی کند اور بنجر ہو چکا تھا ایران اور بازنطینہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور دورہ تھا، دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں

آزادانہ اظہار خیال پر کڑے پہرے بٹھ دیئے گئے تھے۔ (۱)
 باز نطنی شہنشاہی پر ایرانی شہنشاہی کے حمے اور باز نطنیوں کی فتح کا کسی قدر تفصیل سے
 ذکر کرنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں سماجی و اخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا
 ہے۔

”اگر کوئی سیاسی پیش گوئی صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا
 کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیائی منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا
 مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا نہ اتحاد باز نطنی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی
 ہوئی تھیں ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا۔

رابرٹ بری فالٹ robert bri ffult لکھتا ہے:-

پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ
 تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم
 کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی کیونکہ اس کی مثالیں ایک بڑے تمدن کی
 لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی وہ
 ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور نریشہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی،
 فرانس، وہاں تب بھی طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔

قدیم مذاہب نے جس تہذیب کو پروان چڑھایا تھا اسکے زوال سے بارے میں بے ایچ
 ڈینی سن J h de ni son لکھتا ہے:-

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانہ پر کھڑی تھی ایسا معلوم
 ہوتا تھا کہ چار ہزار ۴۰۰ سال کی مدت میں جس تہذیب نے ہاں و پر نکالے تھے وہ منتشر ہونے
 والی ہے اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب وٹنے والا ہے جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک
 دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائے اور امن و امان معدوم ہو جائے پرانے قبائلی نظام کی
 توانائی ختم ہو چکی تھی عیسائیت نے جو روایت قائم کی تھیں وہ اتحاد اور نظم کے بجائے تفرقہ اور
 تباہی کی جانب جارہی تھیں یہ زمانہ المناک تھا تہذیب جو ایک تنور درخت کی طرح ساری
 دنیا کو اپنے سایہ میں لئے ہوئی تھی اور جس کی شاخیں عم و فن اور ادب کے زریں پھل دے چکی

تھیں بربادی کے قریب تھی اسے گھن لگ چکا تھا۔

نسل انسانی اور تہذیب و تمدن کی اس جان کنی کے علم میں جزیرۂ اعرب میں خدا نے ایک انسان کو پیدا کیا اور نوع انسانی کو نہ صرف بچے نے بلکہ انسانیت کے اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچنے کا دشوار ترین اور نازک ترین کام سپرد کیا جو موزخوں کے وسیع تجربے اور شاعروں کے بلند خیال سے بھی فزوں تر تھا اور اگر اس کے لئے ناقابل انکار تاریخی شہادتیں اور تواتر نہ ہوتا تو اس کا یقین کرنا بھی مشکل تھا یہ محمد رسول اللہ کی ذات تھی جو چھٹی صدی مسیحی میں ظہور میں آئی آپ ﷺ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اسکے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے ہٹالیا اور اس کو وہ تحفے عطا کئے جنہوں نے اس کو نئی زندگی نیا حوصلہ نئی طاقت نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب و تمدن علم و فن روحانیت و اخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا انہوں نے انسانی معاشرہ کو ایک بے بہاد دولت عطا کی جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر و ترقی کا دار و مدار ہے وہ قیمتی سرمایہ ہے بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع و ترقی کے نئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم انسان کی تمام ترقیات سر بند یوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اسی سبب یہی مقدس جذبہ اور مبارک عزم ہے کیونکہ تمام اسباب و وسائل ساز و سامان اور تجربہ و تحقیق کے ادارے انسان کے عزم و ارادہ کے تابع ہیں انہوں نے قساوت و بہیمیت کو رحمت و راءفت اور شرافت و انسانیت میں بدل دیا انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی اس کے لئے مسلسل و متواتر جدوجہد جاری رکھی عیش و آرام کی پرواہ نہیں کی عزت و وقار کا خیال نہیں کیا حتیٰ کہ اپنے جسم و جان کی بھی فکر نہیں کی اس مسلسل و جاں کاہ محنت و مشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پھڑ پھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفس سے دنیا معطر ہو گئی جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دل نشی و رعنائی آ گئی جو رفعت و منزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے تباہ و برباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و طاقت پیدا ہوئی بھیڑیوں نے بکریوں کی نگہ بانی کی

فضوں میں رحم و کرم کی خنکی چھا گئی الفت و محبت کی خوشبو پھیل گئی سعادت کا بازار گرم ہو گیا دنیا میں جنت کی دکانیں جگمگیں ایمان و یقین کی عطریں ہوا میں چلنے لگیں انسانی نفوس ہوا و ہوس کی گرفت سے آزاد ہو گئے قلوب بھد یوں کی طرف ایسے کھینچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف وہ بے کے ٹکڑے۔

ہم اختصار اور انتخاب کے طور پر ان چند بنیادی اور قیمتی عطیوں کا ذکر کریں گے جن کا نوع انسانی کی رہنمائی صلاح و فلاح اور تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار رہا ہے اور جنہوں نے ایک زندہ اور درخشندہ دنیا کی تخلیق و تشکیل کی ہے جو کہ نہ اور زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔

وہ عطیات Gifts درج ذیل ہیں:-

۱۔ صاف اور واضح عقیدہ توحید۔

۲۔ انسانی وحدت و مساوات کا تصور۔

۳۔ انسانیت کے شرف اور انسان کی عزت و بلندی کا اعلان۔

۴۔ عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی اور اس کے حقوق کی بازیابی۔

۵۔ ناامیدی اور بدفالی کی تردید اور نفسیات انسانی میں حوصلہ مندی اور اعتماد و افترار کی

آفرینش۔

۶۔ دین و دنیا کا اجتماع اور حریف و برسر جنگ انسانی طبقات کی وحدت۔

۷۔ دین و علم کے درمیان مقدس دائمی رشتہ کا قیام و استحکام اور ایک کی قسمت کو دوسرے کی قسمت سے وابستہ کر دینا علم کی تکریم و تعظیم اور اسے با قصد مفید اور خداری کا ذریعہ بنانے کی سعی محمود۔

۸۔ عقل سے دینی معاملات میں بھی کام لینے کا فائدہ اٹھانے اور انفس و آفاق میں غور و فکر

کی ترغیب۔

۹۔ امت اسلامیہ کو دنیا کی نگرانی و رہنمائی، انفرادی و اجتماعی اخلاق و رجحانات کے

احساب دنیا میں انصاف کے قیام اور شہادت حق کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔

۱۰۔ عالم گیر اعتقادی و تہذیبی وحدت کا قیام۔

اب ہم اپنی طرف سے زیادہ کہنے اور تشریح کرنے کے بجائے چند مستند مغربی مفکرین

مصنفین اور ادباء و مورخین کے تاثرات و اعتراضات پیش کرتے ہیں، اس مہذب دنیا کی جن چند چیزوں سے آبرو قائم ہے اور جن کی بدولت تہذیب تاریخ اخلاقیات اور ادب و شاعری تک کی قدر و قیمت باقی ہے وہ ناقابل انکار حقائق و واقعات کا نظہار و اعتراض جو ہر وصال کی قدر دانی اور محسنوں کا تشکر اور احسان مندی ہے اور جس دن ہماری یہ دنیا ہماری بیات ہمارا اخلاقی نظم اور ہماری ادبی صلاحیت اور اظہار خیال کی آزادی اس شریفانہ عنصر سے محروم اور باری ہو جائے گی اس دنیا میں رہنے اور بننے کی لذت و عزت جاتی رہے گی اور دنیا چوپایوں اور درندوں کی ایک بستی بن جائے گی جہاں سوائے پی بھر لینے اپنی سفلی خواہشات کی تکمیل اور ہوا و ہوس کے سوا کوئی محرک طاقت نہیں ہوگی اور جہاں است و شتر گردینے والے اور دینے والے معنی و مرئیس (حتیٰ کہ مادر و پدر فرزند) کے درمیان رفتہ اور محی و مظلوم و بزن کے فرق کا احساس بھی جاتا رہے گا اسی فطری جذبہ احسان مندی کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا آف ریجن اینڈ اتھس کے مقالہ نگار ویلیم ایچ ڈیوڈسن Wissiam h davidson کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہے کہ یہ ایک فطری اور عام گیر انسانی جوہر ہے جس کو ہر زمانہ میں زندہ رہنا چاہئے۔

مقالہ نگار لکھتا ہے:-

بقول تھامس براؤن Thomas brown جذبہ تشکر محبت کے اس فردیت بخش جذبہ کا نام ہے جو ہم کسی دوسرے سے فائدہ پہنچنے پر محسوس کرتے ہیں یہ احساس بذات خود اس منفعت کا ایک جزاء ہے جس سے ہم مستفید ہوتے ہیں۔

احسان مندی کسی مہربانی کا رد عمل ہے جو پورے خصوص اور انبساط کے ساتھ واقع ہوتا ہے یہ رد عمل فوری اور فطری ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ فطرت انسانی کی تشکیل کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان محبت و یگانگت اس کی بنیادی صفت ہے اور نفرت و دشمنی اپنی تمام علامتوں کے ساتھ (غیر فطری اور مخرب اخلاق ہے۔

اس اخلاقی بستی و دنائت طبع ضمیر کے مردہ و مفلوج ہونے اور شرافت انسانی کے آخری اثر سے محروم ہو جانے کا سب سے بڑا مظہر مذہبی پیشواؤں معماران انسانیت اور محسنین عام کی

نہ صرف احسان فراموشی بلکہ ان کے بارے میں وہ زبان اسلوب اختیار کرنا ہے جو پست سے پست انسانوں کے بارے میں بھی روا نہیں ہے اور جس سے نہ صرف ان کے کروڑوں ماننے والوں اور ان پر جان قربان کرنے والوں کے دل و مانع مجروح ہوتے ہیں بلکہ حقائق بھی خون ہوتا ہے اور دیکھنے والی آنکھوں میں خاک جھونکی جاتی ہے کسی شریف معاشرہ اور کسی مہذب ملک کو بھی ایسے دنی الطبع ضمیر فروش احسان فراموش اور غیر مہذب انسانوں کو برداشت نہیں کرنا چاہئے اس کے مقابلہ میں ہم اس مغربی دنیا کے (جہاں ہم اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں) چند ترقی یافتہ اور مثالی ملکوں کے منصف مزاج حقیقت پسند اور بلند پایہ مصنفین اور ادیبوں کے تاثرات اور خیالات پیش کرتے ہیں۔

فرانس کا مشہور ادیب بیرٹائن Lamartine نبوت محمدی ﷺ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد منتخب نہیں کیا اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا تو ہمت اور خوش اعتقادیوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں زیر و زبر کرنا انسان کو خدا کے حوالہ کرنا اور خدا کی چوکھٹ پر انسان کو لانا اس زمانہ کی اصنام پرستی کے مادی خداؤں کی جگہ خدا کے واحد کے پاییزہ اور عقلی تصور کو از سر نو بحال کرنا یہ تھا وہ عظیم مقصد کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کا جو کسی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا اتنے کمزور ذراع کیساتھ بیڑا نہیں اٹھایا

خدا کی توحید کا ایسے دور میں اعلان کرنا جب کہ دنیا اتحادِ ضمنی خداؤں کی پرستش کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی بذاتِ خود ایک قوی معجزہ تھا محمد ﷺ کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدہ کا اعلان ہوا بتوں کے تمام قدیم معبدوں میں خاک اڑنے لگی اور ایک تہائی دنیا ایمانی حرارت سے لبریز ہو گئی۔

جان ویلم ڈریپر John willam draper یورپ کی ذہنی و علمی تاریخ کے ضمن میں

لکھتا ہے:

۵۶۹ء میں جسٹی نیمن Justinian کی موت کے چار سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص پیدا ہوا جس نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔

وہ مزید لکھتا ہے:

محمد ﷺ میں وہ صفات جمع ہوئی تھیں جنہوں نے ایک سے زائد بادسلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے، بعد الطبیعیات کے بریکارمباحث میں پڑنے کے بجائے افانی صدائقوں پر زور دیا، اور اپنے آپ کو صفائی ستھرائی سنجیدگی روزے اور نماز کے ذریعہ لوگوں کی سماجی ترقی کے لئے وقف کر دیا۔

اس صدی کا عظیم مفکر و مؤرخ ٹائٹن بی Toynbee لکھتا ہے:-

مسلمانوں میں سنی امتیاز کا مکمل خاتمہ اسلام کا ایک عظیم کارنامہ ہے موجودہ دنیا کی جو حالت ہے اس میں اسلام کی اس خصوصیت کی تبلیغ و اشاعت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دو سو سال قبل تھامس کارلٹل (Thomas Carlyle) نے تمام پیغمبروں میں محمد ﷺ کو اپنا ہیرو منتخب کیا تھا اور اب بیسویں صدی کے خیر میں امریکہ کے مکمل اٹیچ ہارٹ (Michel h hart) نے ان لوگوں کی فہرست میں جو تاریخ عالم میں انسانیت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں آپ ﷺ کا ہی نام سر فہرست رکھا ہے۔

محمد رسول ﷺ کے متبعین اور آپ ﷺ کی پیداوار تربیت کی ہوئی امت کے پوری نسل انسانی پر جو ناقابل فراموش احسانات ہیں اور اس تہذیب و تمدن کے بقا و ارتقاء کے عمل میں اس کا جو عظیم اشن کردار رہا ہے اس کو مختصر اہم دونوں قابل انکار تاریخی واقعات کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری۔ (تیرہویں صدی عیسوی)

میں اچانک دنیا کے متمدن ممالک تہذیب تمدن علم و ثقافت اخلاق و انسانیت اور وسیع ترین اور عمیق ترین اثرات رکھنے والے دو مذہبوں اسلام اور عیسائیت ان کے پیروؤں اور انکی قائم کی ہوئی وسیع ترقی یافتہ اور زرخیز سلطنتوں اور خود انسانیت کے مستقبل کو ایک ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جو ماضی کی سب کوششوں پر پانی پھیر دینے والی حال کے حسن و جہاں اور

فضل و کمال پر۔

خط نسخ پھیر دینے والی اور مستقبل کے تمام روشن امکانات کو مشکوک و مدہم بنادینے والی تھی یہ نیم وحشی تاتاریوں اور منگولوں کا اپنے غیر معمولی اور عبقری Genirs قند چنگیز خاں (تموچین) کی قیادت میں متمدن مغربی و شمالی دنیا پر اچانک حملہ تھا جو ۶۱۶ھ ۱۲۱۹ء سے شروع ہوا اس حملہ کی ہولناکی ہوش ربا، اور اس کے دنیا کے پورے تہذیبی و تمدنی و دینی و علمی و فکری تعمیر و صنعتی ورثہ کو برباد کر دینے کی صلاحیت اور اس کے آثار و امکانات کے ظاہر ہو جانے کا اندازہ ان چند اقتباسات سے ہوگا جو ہم چینگیز خاں کے مستند منورخ ہیرلڈ ہیمب Harold lamb کی کتاب Genghiskhan سے پیش کرتے ہیں۔

اس کے راستہ میں جو شہر آتے اکثر حرف غلط کی طرح مٹ جاتے دریاؤں کے رخ بدل جاتے صحراء کے صحراء سراسیمہ اور سب مرگ پناہ گزینوں سے بھر جاتے اور اس کے گزر جانے کے بعد ان علاقوں میں جو کبھی آباد تھے بھیڑیوں اور گرگسوں کے سوا کوئی زندہ مخلوق باقی نہ بچتی۔

جیسا کہ دنیا بھی چنگیز خاں کی موت کے بعد منگولوں کی اگلی پشت کے مقابلہ میں اتنی ہی سراسیمہ و حیران تھی جب کہ خونخوار مغل شہسوار مغربی یورپ کو روندتے پھرتے تھے پولینڈ کا شاہ بولسلا اس اور ہنگری کا بادشاہ بیلا ہریمیت کھا کے جنگ کے میدانوں سے بھاگے تھے اور سائی لیب کا ڈیوک ہنری اپنے تیوتانی شہسواروں کے ساتھ لڑتا ہوا لیگنیتز liegnitz میں مارا گیا تھا۔

یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ہر حد سے متجاوز تھی اس حد تک جیسی دوسری عالمی جنگ یہ بغیر منافرت کے بنی نوع انسان کا قتل عام تھا جس کا مقصد محض انسانوں کو فناء کرنا تھا۔

انسان کی طاقت سے باہر تھا کہ منگولوں کو روک سکیں و شت و صحراء کے تمام خطروں پر وہ غائب آئے پہاڑ سمندر موی سختی قحط و بانیں کوئی بھی انکی راہ میں مزاحم نہ ہو۔ کسی قسم کے خطروں کا انہیں خوف نہ تھا کوئی قلعہ ان کے حملہ کی تاب نہ لاسکتا تھا اور رحم کے لئے کسی مظلوم کی فریاد ان پر اثر نہ کرتی تھی۔

اس کی فتوحات کا زیادہ تر اس کے دشمن مورخوں نے ذکر کیا ہے تہذیب و تمدن پر اس کا حملہ اس قدر ہولناک اور تباہ کن تھا کہ نصف کرہ ارض میں پھرتے سرے سے ابتداء کرنی پڑی

پر بہتر جان کی حکومت اور ختم قرختائی خورزم اور اس کے مرنے کے بعد بغداد روس اور چینڈ کی سلطنتیں نیست و نابود ہوئیں۔ جب یہ ناقابل شکست وحشی کی قوم و فتح کرتا تو اور سب لڑائیوں خود بخود ختم ہو جاتیں حالات کی پوری رفتار چاہے وہ پہلے اچھی ہوتی یا بری باطل بدل جاتی اور مغلوں کی فتح کے بعد جو دگ باقی بچتے ان کے درمیان عرصہ تک امن قائم رہتا۔

کیمبرج کی تاریخ عہد وسطی کے مصنفوں نے منگولوں کے اس لرزہ خیز حملہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

تاریخ عالم میں اس نئی قوت کا ظہور یعنی ایک شخص واحد کی یہ قابیلیت کہ بنی نوع انسان کے تمدن و بدلے پہنچنے والے شروع ہوا اور اس کے پوتے قویاں کی خاص پر ختم ہو گیا، جس کے زمانہ میں مغلوں کی سالم اور سیط سلطنت نے تقسیم و تغریق کے آثار ظاہر کرنے شروع کر دیے ایک طاقت پھر بھی دنیا کے پرہیزگار نہیں ہوتی۔

یہ حملہ اور اس کی دہشت ترستان و ایران و عراق تک محدود نہ تھی یورپ کے دور دراز ملکوں تک پھیل چکی تھی جہاں ان نیم وحشی تاریخ نویسوں کا پہنچنا ایک جمید و قیاس بات تھی۔
Gibbon اپنی مشہور کتاب تاریخ انحطاط و سقوط روم (The decline and fall of Rome) میں لکھتا ہے۔

سوڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاری طوفان کی خیر سنی ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستان سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے۔

تاریخ نویسوں نے پہلے بنی راکہ لینٹ سے اینٹ بجا دی اور اسکو ایک ذرہ خاک بنا دیا شہر کی آبادی میں سے کوئی زندہ نہیں بچا، پھر سمرقند کو خاک سیاہ کر دیا اور ساری آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا یہی حشر عالم اسلام کے نامی رومی شہروں کا ہوا، اس کا پورا مکان تھا اور یورپ کی اخلاقی حالت سیاسی انتشار و ابتری اور معشرہ کی وہ خرابی (جس کا ہم نے حقیقت پسند و حقیقت نگار مغربی مصنفین کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے) اس کی دعوت دیتے تھے اور اسکے لئے فضا ہموار کرتے تھے کہ عالم اسلام کی آخری متحدہ طاقت خوارزم شاہی سلطنت کو نیست و نابود کرنے اور عالم اسلام کے مرکز کی آباد اور گلزار شہروں کو کھنڈر بنانے کے بعد تاریکی مسکھی مغرب کا رخ

کریں اور اس کا بھی وہی حشر ہو جو اسلامی مشرق کا ہوا۔ ایچ جیولز (H g wells) کا قول ہم نقل کر چکے ہیں کہ۔

اگر کوئی سی سی پیشین گوشتا تو یں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ دیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آ جائے گا۔
ہیرالڈ لمب (Harold lamb) لکھتا ہے۔

(جنگیز خاں) کی جہاں آ شوبی وغارتگری نے تمدن کو ایب سخت صدمہ پہنچایا کہ نصف دنیا میں تہذیب و شائستگی کو مگر کر از سر نو جنم دینا پڑا۔ خوارزمی سلطنت، بغدادی خلافت روس کی مملکت اور کچھ دنوں کے لئے پولینڈ (پولینڈ) کی حکومتیں مٹ گئیں۔

وہ مزید لکھتا ہے:-

جس وقت مغلوں نے دھاوا کیا تو جرمن فوجیں اور پولینڈ کی فوجیں مغلوں کے حملہ کی تاب نہ لائیں اور مغلوں نے ان کو تقریباً نیست نابود کر دیا۔

لیکن دفعتاً معجزہ کی طرح ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے تاریخ کا رخ ہی بدل دیا اور متہمدن دنیا کو اطمینان کا سانس لینے ہی کا نہیں بلکہ تمدن و تہذیب قوت و استحکام اور ترقی و خوشحالی اور عزم و فکر کی خدمت کا نیا سفر شروع کرنے کا موقع دیدیا وہ یہ کہ یہ قابل تسخیر فتح قوم اپنے مفتوح اور بے دست و پا مسلمانوں کے دین کی حلقہ بگوش بن گئی جو اپنی ہر قسم کی مادی و سیاسی طاقت کھو چکا تھا۔ اور جس کے پیروؤں کو تاریخت ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، پروفیسر ٹی ڈبلو آرنلڈ (T w arnold) اپنی مشہور کتاب دعوت اسلام Preaching of islam میں استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”لیکن اسلام اپنی گزشتہ شان و شوکت کی خاستر سے پھر اٹھا اور واعظین اسلام نے انہیں وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا مسلمان کر دیا۔

جن مخلصین نے اس خون آشام تاریخی قوم کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا ان بہت کم لوگوں کے نام دنیا کو معلوم ہیں، مگر ان کا یہ کارنامہ تاریخ عالم کے کسی تعمیری اصلاح یا انقلابی کارنامہ سے کم نہیں ان کا احسان نہ صرف مسلمانوں پر نہ صرف مسیحی مغرب پر بلکہ پوری انسانیت پر قیامت

تک رہے گا کہ انہوں نے دنیا کو وحشت بر بریت اور ایک بے یقینی اور سرِ اسیمکی کی عالمیہ کیفیت سے نکال کر نظم و انضباطِ مسمدوستی و ہم پروری جو ہر شئی اور فضل و مہال کی قدرانی کی فضا میں منتقل کر دیا اور علم و فکر تصنیف و تالیف تدریس و تحسین فن و ادب نے ایک معتدل فضا اور فضل و مہال اور محنت و جہد کا وہی کی قدر کرنے والوں کے سایہ میں نئے سرے سے اپنا غرور و عجب کیا۔

جنگیز خان کی سلطنت اس کے انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں بٹ گئی تھی ان چاروں شاخوں میں اسلام کی اشاعت تیزی کے ساتھ شروع ہوئی اور تاتاری حاکم اور ان کی دعوت و تبلیغ و اثر سے تاتاری قوم مسلمان ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر اندر تقریباً ساری تاتاری قوم مسلمان ہو گئی۔

اسلام کی اس اشاعت کا فرض انجام دینے والوں اور ان بزرگوں اور کارپردازانِ حکومت کے واقعات کا جن کی اخلاقی بلندی دل آویزی ذاتی کردار اور خصوص و روحانیت کے اثر سے یہ خون آشام اور جنگجو تاتاری اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے آج بھی دلوں کو ترپاتے و روحوں کو رہا دیتے ہیں۔

تاتاری من حیث القوم نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ ان میں بڑے بڑے مجاہد بڑے بڑے عالم اور فقیہ اور بڑے بڑے با خدا و ریش پیدا ہوئے ان میں متعدد مصنف اور دانشور و ادیب و شاعر بھی ہوئے۔

تاتاریوں کا قبولِ اسلام جس سے ان کا مزاج ذوق و رجحان اور انسانیت و تمدن کے بارے میں نقطہ نظر بدلّا صرف اسلامی مشرق پر ہی احسان نہیں ہے بلکہ مسیحی مغرب اور ہندوستان کے تحت براعظم Subcontinent پر بھی احسانِ عظیم ہے جس پر اسی ساتویں صدی ہجری۔ (تیرہویں صدی عیسوی) میں انہوں نے بیس تیس بار حملے کئے مگر ترکی انسل مسلمان سلاطین نے جن میں سلطان علاء الدین خلجی (م ۷۱۶ھ۔ ۱۳۱۶ء) اور اس کا فوجی قائد الملک تغازی غیاث الدین تغلق شاہ (م ۷۲۵ھ۔ ۱۳۲۳ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں ہر بار ان کو پسپا کر دیا اور اس طرح یہ قدیم زر خیز ملک و اس کا تہذیبی و علمی ورثہ اور خود وہاں کے دو بڑے مذاہب اسلام اور ہندو مذہب (اپنی شاخوں کے ساتھ) تاتاریوں کی غارتگری سے محفوظ رہے۔

عام انسانیت اور بالخصوص مغرب پر (جس کو مستقبل قریب میں اہم و انقلاب انگیز علمی اکتشافات ایسی ذات و اختراعات اور زندگی اور باہمی واقفیت کو سہل بنانے والے وسائل و آلات کا دریافت کرنے والا اور دنیا کے دسترس میں دینے والا ملک بننا تھا) امت مسلمہ کا یہ کارنامہ (تاری قوم کی نفسیاتی تبدیلی) ایک حفاظی اور انتظامی نوعیت کا کارنامہ اور احسان تھا۔

اس کے بالمقابل اس کا ایک دوسرا کارنامہ یورپ کو علم و فکر کے نئے سرچشموں سے نہ صرف متعارف کرنا بلکہ ان سے مستفید کرنا تھا جس نے یورپ کی قرون مظلمہ (Dark age) میں اس کو نئی روشنی دکھائی اور اس نشیۃ ثانیہ (Rena is sance) کے لئے راہ ہموار کی جس نے نہ صرف یورپ کی دنیا بدل دی بلکہ پوری دنیا کو نئے حقائق و معومات سے آشن کیا اور تجربی علم (Science) کا وہ دور شروع ہوا جس نے اس دنیا کی کایا پلٹ دی یہ اندلس (Muslimspain) جس کے راستے سے یورپ میں قدیم علمی ترکہ (فلسفہ و حکمت ریاضی و طب) منتقل ہوا اس نے مغرب کو جو سب سے بڑا علمی تحفہ دیا وہ حقیقت پسندی او منطق استقرائی (Inductive Loglc) کا تحفہ تھا اور جس نے قیاس و استخراج (Deductuve Loguc) کی جگہ لی جس نے مغرب کے طریق فکر ہی کو بدل دیا اور اس کے نتیجہ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو نہ صرف ترقی کرنے کا موقع ملا بلکہ حقیقت میں ان کا وجود عمل میں آیا مغرب کی ساری مفید تحقیقات سائنس کے تجربات اور تسخیر کائنات کی جزئی و محدود کامیابیاں اور زندگی کے سفر کی مشکلات کا کسی حد تک ازالہ اسی منطق استقرائی کا نتیجہ ہے جس سے یورپ نا آشنا تھا اور جو اس کو آزاد خیال اور جرئت مند محققین کی تحقیق کے مطابق مسلمان اسپین کے ذریعہ حاصل ہوا مشہور فرانسیسی فیضل اور مؤرخ Gustve Lebon لکھتا ہے ۔

لوگ تجربہ اور معائنہ (منطق استقرائی) کو جدید علمی تحقیقات میں بنیاد کا درجہ دیتے ہیں Francis Bacon کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کا اعتراف کیا جائے کہ یہ پورا طریقہ اور نقطہ مقرر عربوں کی دین ہے۔

رابرٹ بری فالٹ (Robert Briffault) اپنی کتاب تعمیر انسانیت (The mak ing Of Humanity) میں لکھتا ہے ۔

یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اندکی تمدن کا دخل نہ ہو

اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔

دوسرے جگہ لکھتا ہے:-

صرف طبعی عوم ہی (جن میں اندکی عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم اشیان اور مختلف انواع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی برہیں یورپ پر پڑنی شروع ہوتی ہیں۔

یورپ کی دینی تاریخ اور عیسائی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پاپائی نظام کے مصححین اور اس کے بانیوں پر اسلام کے ذہنی و فکری اثرات کا پچھاندہ کرتے ہیں سوھویں صدی مسیحی میں برپا ہونے والی لوٹھر (Luther) کی تحریک اصلاح میں بھی اسلامی تعلیمات کا انعکاس ملتا ہے جیسے کی تیشہ میں دور کی روشنی کی شعاعیں نظر آتی ہیں اسی طرح قرون متوسطہ کی قدامت پرستی اور کلیسائی جبر کے خد ف تحریکوں سے یہ روشنی چھن چھن کر نظر آتی ہے۔

حضرت! ان دونوں نقاب انگیز احسانات کا خد قی اور انسانی تقاضہ ہے کہ ان کے حقیقی سرچشمہ کی عظمت اور احسان کا اعتراف کیا جائے اور اس کے بارے میں کسی غریب و عنوان سے جب بھی اظہار خیال کیا جائے یا اس کا سخی و تاریخی جائزہ لیا جائے تو اس میں ہم ان اخلاقی قدروں کی پابندی کریں جو ہزاروں برس سے دنیا کے مختلف قوموں تہذیبوں اور فلسفوں میں قابل احترام چلی آ رہی ہیں اور اس میں ہم کبھی ثقاہت و متانت توازن و اعتدال اور انصاف و حق پسندی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اس کی تعلیم تمام مذہبی صحیفوں اخلاقی تعلیمات اور بند مرتبہ مؤرخین و ناقدین کے کردار و عمل نے دی ہے اور اس پر مذہب اقوام ہی نہیں بلکہ علم و دانش کے تبادلہ اور باہم استفادہ کا عمل قائم ہے اور جس کے بغیر علمی و ادبی کاوشیں اور تنقید و تبصرہ کا یہ وقار کام ایک سنجیدہ اور تعمیری عمل کے بجائے فحش ناول نویسی ہزلیات اور دشنام طرازی میں تبدیل ہو جائے گا اور اس سے وہ منفی انتشار انگیز اور نفرت خیز نتائج رونما ہوں گے جن سے ہم و ادب ہزار ہا پرناہ مانگتے ہیں اور ان سے قوموں ملکوں کے باہمی تعلقات پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ ایک سچی اور عیاں خیال ہے کہ اظہار خیال کی آزادی پر کسی قسم کی پابندی مائد کرنا فرد

کی آزادی کو سلب کر لینے اور جبر و استبداد (Coercion) کے عمل کے مرادف ہے اور وہ کسی آزاد ملک کے آئین و دستور کو معطل کر دینے یا ناقابل عمل بنا دینے کے ہم معنی ہے اظہار خیال کی ایسی آزادی جو تمام اخلاقی حدود کو پار کر جائے انسانیت کے جمیل اقدار محسین و معماروں اور پیشوایان مذاہب کے بارے میں وہ بخلتال اور سو قیانہ Obscene زبان و اسلوب فقیرانہ کرنے پر آمادہ کرے جو ہزلیات و طنزیات اور ناول نگاری کے اُسے کسی حد تک جزو قرار دیا جاسکتا ہے جس سے تاریخی حقائق و مسلمات کا خون ہو اور ان قابل صدا احترام مذہبی پیشواؤں اور پیغمبروں کے کروڑوں ہاتھ والوں کے دل زخمی ہوں اور معشروں کے مختلف عناصر اور اجزائے تربیتی کے تعلقات پر اثر پڑے ایک ایسا مجرمات فعل ہے جس کی کسی مہذب امن پسند اور بقائے باہم (Coexistence) کے اصول پر عمل کرنے والے ملک میں اجازت نہیں دی جاسکتی خواہ متعدد مغربی مفکرین اور بلند مرتبہ دانشوروں نے اظہار خیال کی آزادی کو غیر محدود اور غیر محدود اور غیر مقید ماننے سے انکار کیا ہے اور ایسی غیر محدود آزادی اظہار خیال کے ان سنگین نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے جو اظہار خیال کی آزادی کو سلب کر لینے سے بھی زیادہ مضر اور خطرناک ہیں یہاں پر صرف دو بیانات پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ ایسے اقتباسات اور شہادتیں ایک مقدمہ سے زیادہ ایک مستقل کتاب کی طالب ہیں۔

سنسز شب یا شخصی اخلاقیات کے متعلق قوانین کو شخصی آزادی پر ناقابل برداشت پابندی سمجھ کر احتجاج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پہلے سے یہ تصور کر رہے ہیں کہ جن آزادیوں پر یہ قوانین پابندی عائد کرتے ہیں وہ ایک بہتر (یا کسی بھی) معاشرہ میں انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہیں اس کے برعکس ان قوانین کے دفاع کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضرورتیں لازمی نہیں ہیں یا یہ کہ ان ضرورتوں کا حصول ان اقدار و قربان کے بغیر ممکن نہیں ہے جو شخصی آزادی سے اعلیٰ تر اور انسان کی عمیق ترین ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ یہ وہ اصلی اقدار ہیں جو محض داخلی نہیں بلکہ معروضی حیثیت رکھتی ہیں کسی شخص یا کچھ لوگوں کی آزادی کی حد کیا ہونا چاہئے اس موازنہ پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے اقدار مثلاً برابری انصاف مسرت تحفظ یا امن عامہ کے تقاضے یہ ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ غیر محدود نہیں ہو سکتی۔

سینیٹر بلیک اسٹون Blackstoni کی وہ تقریر جو امریکہ میں آزادی اظہار خیال کے

قانون کی بنیاد تصور کی جاتی ہے اس میں اس نے کہا تھا کہ :-

ہر آزاد شخص کو بلاشبہ یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ عوام کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر سکے اس پر باہندی لگانا پریس کی آزادی کو ختم کرنا ہے لیکن اگر وہ ایسی بات چھاپتا ہے جو نہ من سب شرائط پر غیر قانونی ہو تو اسے اپنی اس جسارت کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی پریس کو محتسب کی قدغن کی ماتحت کرنا آزادی ضمیر کو ایک ایسے شخص کے ذاتی رجحان پر چھوڑنا ہوگا جسے علم مذہب اور حکومت کے اختلافی مسائل میں فیصلہ کن اور منطقی سے مبرا مان لیا گیا ہو لیکن خطرناک اور مجرمانہ تحریریں جنہیں غیر جانبدارانہ اور منصفانہ مقدمہ کے بعد نقصان دہ سمجھا جائے اس پر سزا دینا امن وامان حکومت اور مذہب کی بقا کے لئے ضروری ہے، کیونکہ انہیں پر شہری آزادی کی بنیادیں قائم ہیں اس طرح افراد کا ضمیر تو آزاد ہے لیکن اس کے غلط استعمال پر سزا دینا تعزیریاتی قانون کا مقصد ہے۔

حضرات! ہم اس مضمون کو علامہ اقبال کی ایک نظم پر ختم کرتے ہیں، جس سے نہ صرف کانوں کا بلکہ دلوں اور ردحوں کا ذائقہ بھی تبدیل ہوگا بلکہ ان احسانات اور فتوحات کا تحضر بھی ہو جائیگا جو بعثت محمدی اور ذات رسالت پناہ سے وجود میں آئیں اور جن کی مثال مذاہب و اصلاحات کی تاریخ اور ناموران عالم کی زندگی میں نہیں ملتی۔

اقبال کہتے ہیں:

از دم سیراب آں امی لقب
 مالہ رست از ریگ صحرائے عرب
 حریت پروردہ آغوش اوست
 یعنی امرو زام از دوش اوست
 او دے در پیہر آدم نہد
 او نقاب از طلعت آدم کشد
 ہر خداوند کہن را او شکست
 ہر کہن شاخ از خم او غنچہ بست
 کرمی بنگامہ درویشین

حیدر و صدیق و فاروق و حسین
 سلوت با ننگ سلوت اندر نبرد
 قرأت الصافات اندر نبرد
 تیغ ایوبی نگاہ بایزید
 گنجا ہائے ہر دو عالم را کلید
 عقل و دل راستی از یک جام سے
 اختلاط ذکر و فکر روم و رے
 علم و حکمت، شرع و دین نظم امور
 اندرون سینہ دل ہانا صبور
 حسن علام سوز الحما و تاج
 آنکہ از قد و سیاں گیر و خراج
 ایں ہمہ یک لحظہ ازاد رقاۃ اوست
 یک تجلی از تجلیات اوست
 ظاہرش ایں جلوہ ہائے دل فروز
 باطنش از عارفان پتہاں ہنوز

اس امی لقب نبی ﷺ کی خوش انفاسی کے فیض سے صحرائے عرب کے رنگزاروں میں گل
 ولالہ کی بہار آ گئی۔

آزادی کا جذبہ آپ ہی کی آغوش مبارک کا پروردہ ہے اور اس طرح گویا اقوام عالم کی
 موجودہ تر قیاں آپ ﷺ کے عظیم الشان ماضی کا ثمر اور نتیجہ ہیں۔

انسان کے پیکر خاکی میں آپ ﷺ نے دھڑکتا ہوا دل رکھ دیا اور صحیح معنوں میں انسان
 کی صلاحیتوں سے پردہ اٹھایا اور اس کے جوہر ذاتی کو آشکار کیا۔ آپ ﷺ نے تمام ہی خدایان
 کہن کو شکست فاش دی اور آپ ﷺ کے فیض سے مرجھائی ہوئی شاخون پر برگ و بار آتے
 لگے۔

بدرو حنین کی گرمی ہنگامہ آپ ہی کے جوش و خروش کے دم سے تھی اور حضرت صدیق و

فاروق حیدر سرائی اور شہیدانِ مقام حضرت حسینؑ کی انقلابی شخصیتیں آپ ﷺ ہی کی ہمہ صفت ذات کی تجلیاں تھیں۔

صامت جنگ میں بند ہونے والی افواہیں کی سطوت و بیت اور تلاوتِ الصافات کی لذت و تلاوتِ آپ ﷺ کی وی ہوئی ہے۔

صدقِ امین ایوبی کی شمشیر آبدار اور بایزید بسطامی کی نگاہ حقیقت میں دو عالم کے خزانوں کی کلید ثابت ہوئیں۔

ساقی ہڑکے ایک جام سے عقل و دل دونوں ہی مست و سرشار ہو گئے اور آپ ﷺ کی تربیت گاہ میں رومی کا ذکر اور رازی کی فکر فلک پیا ہوا آئینہ ہو گئی۔

علم و حکمت دین و شریعت ان نقطہ مسطنت اور دنیائے اندر پھیلی ہوئی روحانی طلب و تلاش اور سینوں میں دلوں کی بے قراری۔

الحمر، اور تاج محل کا وہ حسن عالم سوز و دل افروز جو فرشتوں سے بھی عقیدت لیتا ہے۔

یہ سب کارنامے آپ ﷺ کے اوقاتِ عزیز و گرامیہ کے ایک مختصر لمحے اور آپ ﷺ کی بیشمار تجربات میں سے ایک تجلی اور ایک بھلک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کے فیضِ ظاہری کے اثرات ان جلوہ ہائے دل افروز کی شکل میں تو ظاہر ہوئے لیکن آپ ﷺ کے وجود مبارک کا باطنی پہلو عارفانِ کامل کی نگاہ سے اب بھی پوشیدہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد ﷺ کی کامل پیروی

طبیعت پر شریعت، رسم و رواج اور خواہشات پر اسوہ نبوی
اور تعلیمات نبوی ﷺ کی ترجیح

جمعۃ اوداع فی تقریر جو ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ کو مسجد حضرت یحییٰ بن عیسیٰ مدینہ منورہ میں دی گئی۔

الحمد لله الذي كفى و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

میرے عزیز بھائیو، دوستو اور بزرگوں سب سے پہلے ہم آپ کو اس بات کی مبارک باد دیتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے رمضان المبارک کا یہ مہینہ نصیب فرمایا اور ہم کو، آپ کو اس وقت تک زندہ رکھا کہ ہماری زندگی میں ایک بار پھر یہ مبارک مہینہ آگیا، آپ یاد کیجئے ان لوگوں کو جو رمضان سے پہلے دنیا سے چلے گئے، یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہوا، اور اس کے بعد پھر یہ کہ آج جمعۃ اوداع جو اس مہینہ کا بظہر آخری جمعہ معلوم ہوتا ہے (اللہ نصیب فرما رہا ہے، اور اس کی بعد انشاء اللہ عید کا مبارک دن بھی آئے گا، ہم اور آپ اللہ کا شکر ادا کریں گے روزے کی توفیق پر اور اللہ کی نعمتوں پر۔ اس وقت دور دور سے بھائی جمعہ ادا کرنے آئیں ہیں۔ مختلف ذہن کے مختلف حالات کے مختلف طبیعتوں کے مختلف، حول کی اور مختلف مجبوریوں اور دشواریوں کی، اس وقت ایسی بات کہنا ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جو ساری عمر کام آئے، ہر جگہ کام آئے اور ہر ایک کے کام آئے، اور یہ اللہ کی توفیق پر منحصر ہے اور یہ بات اس لئے ممکن ہے کہ اللہ کے رسول نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، اور انسان کی نجات پانے کے لئے، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے، یہاں بھی اللہ کے فضل اور اس کے انعام کے مستحق بننے کے لئے اور اٹھائے جانے آنکھ بند ہونے کے

بعد بھی، اللہ کی نعمتوں کو پانے کے لئے اور جنت میں جانے کے لئے آپ ﷺ نے وہی بات اٹھا نہیں رکھی، آپ کا کلام، آپ کے ارشادات ایسے ہیں کہ ان میں ایک ایک ارشاد ایسا ہے کہ اگر اللہ ہمیں توفیق دے، اور ہماری قسمت اچھی ہو اور اللہ کو منظور ہو تو ساری عمر کے لئے کافی ہے اور تمام حالات کے لئے کافی ہے۔

کوئی ہم سے فرمائش کرے کہ کوئی بات ایسی کہہ دیجئے کہ ہم اس پر پکڑیں، ہم اس کو دل پر لکھیں، پلو میں باندھیں اور پھر ہم اس کی روشنی میں، اسی کے سایہ میں پوری زندگی گزار دیں اور ہر بات کے لئے ہمیں بار بار پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے، مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے راستہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور بہت سی چیزیں، لیکن اللہ کی رضا حاصل کرنے اور جیسی زندگی وہ چاہتا ہے اور اس کے رسول ﷺ جس زندگی گزارنے کا طریقہ بتانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، اس کے لئے بار بار پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ فَمَا بَلَّغْتَ

رسالتہ (سورہ المائدہ)

ترجمہ۔ اے اللہ کے نبی جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے سب پہونچا دیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت اور نبوت کا حق نہیں ادا ہوا۔

تو آپ ﷺ نے کوئی سہرا اٹھا نہیں رکھی آپ کے ارشادات تو بہت ہیں، اور صحابہ کرام جن سے بڑھ کر کوئی قدر دان نہیں ہو سکتا، عاشق رسول ﷺ نہیں ہو سکتا، شمع پروانی کی چیز ہیں وہ شمع رسالت کے لئے پروانوں سے بڑھ کر پروانے تھے، ان کو دین کی باتوں سے سیر کر نہیں ہوتی تھی، لیکن کسی صحابی نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس کو میں پکڑوں دامن میں باندھ لوں، دین کی باتیں بہت ہوتی ہیں حکام، مسائیں بہت ہیں، اور پورا اللہ کا کلام ہے، قرآن مجید ہے، لیکن کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس میں اپنا دستور العمل بنالوں اور ہمارے لئے کافی ہو جائے، آپ ﷺ نے فرمایا آپ ﷺ نے بتایا قل ربی اللہ ثم استقم (ایک مرتبہ دل سے کہہ دو میرا پروردگار اللہ ہے، پھر اس پر جم جاؤ)۔

اب اس وقت میں آپ کو ایک حدیث سناؤں گا، اگر آپ اس کو اپنے ساتھ لے گئے، یہاں چھوڑ نہیں گئے، یہ پختہ ارادہ رکھے گئے کہ اس حدیث پر عمل کرنا ہے تو یہ زندگی بھر کے لئے

کافی ہے اور وہ حدیث ایسی ہے جو چونکا دینے والی ہے وہ پوری زندگی کا دستورِ عمل اور مکمل ہدایت نامہ ہے اور دین و دنیا کی کامیابی کی ضامن ہے، آپ ﷺ نے فرمایا

لا یومس احدکم حتی یکون هو اذ تعالما حثت بہ

(تم میں سے کوئی شخص صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات اس کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں)۔

حضور ﷺ سے بڑھ کر تواضع دنیا میں کسی سے اندر ہو ہی نہیں سکتی لیکن اس موقع پر آپ نے جو لفظ استعمال کیے ہیں ان میں پیغمبرانہ غیرت بھی جھلکتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتنی زور سے بات کہی اور آپ نے اس وقت مقام رسالت کا خیال کیا اپنی بشریت کا اور بہت سی چیزیں جو مشترک ہیں ان میں سے کسی کا خیال نہیں کیا اس میں تواضع سے کام نہیں لیا، بندہ اپنے منصب اور مقام کو سامنے رکھا، بہت جوش کے ساتھ جیسی کوئی بات ہی جاتی ہے اور دکا ر کہی جاتی ہے، سوئے ہوئے کو جگا کر کے اور جاگتے ہوئے کو بذا کر کے اس کو متوجہ کر کے بات ہی جاتی ہے اس طرح فرمائی کہ کوئی صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات نفسانی اس کی خواہشات، اس کے عادات و اطوار اس کے مصالح و منافع اس کے ماحول کے رسم و رواج ذلت و عزت کی پیمائش اس کے مطابق نہ بنیں، اور اس کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں، تبعاً لما حثت بہ اور اس میں آپ نے بالکل تواضع سے کام نہیں لیا واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا جو عربی جانتے ہیں وہ اس کو سمجھتے ہیں پھر عربی میں ہوی کا لفظ جو ہے اس میں خواہشات، لذات فوائد و منافع مصلحتیں، خوف اور رنج کے اسباب سب آ جاتے ہیں، یعنی زندگی کا پورا نقشہ اندر کا بھی باہر کا بھی، اندر کا کیا اندر کی خواہشات، باہر کا کیا، باہر کی عادتیں باہر کا ماحول اس کے تقاضے اور لوگوں کی امیدیں کسی چیز کا ڈر کہ ہم نے یہ نہیں کیا تو یہ نقصان ہو جائے گا یا ہماری طرف انگلیاں اٹھ جائیں گی اور ہمیں لوگ بدنام کریں گے ہمیں ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گی ہمارا اتنا زبردست مالی نقصان ہو جائے گا ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی، ہم سر اٹھا کر چل نہیں سکیں گے ہم گھر میں جائیں گے تو ہمیں اس کا بھی ڈر ہے کہ گھر میں انگلیاں اٹھیں اور گھر والے شکایت کریں کہ ہمارے خاندان میں یہ ہوتا آیا ہے ہماری برادری میں یہ ہوتا آیا ہے ہماری ماحول میں یہ ہوتا آیا ہے، یہ کیسی شادی کردی لڑکی کی یہ

کیسے لڑکے کا نکاح کر دیا اور اس طرح رخصت کر دیا وہ ساری دھوم کہاں گئی؟ اس کے جو وازمات تھے اور اس میں شران و شوکت کے جو مظاہرے تھے اور جو حیثیت عرفی ہماری ہے اور ہماری جو سوشل پوزیشن ہے اور ہمیں جس نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ہماری جو عزت ہے محکمہ میں اور خاندان میں اس سب کے مطابق آپ نے کچھ نہیں کیا سب یہ پانی پھریا اور سب پر دھوس پڑ گئی انگلیاں اٹھنے لگیں دیکھو یہ جارہے ان کی پاس پیشہ نہیں رہا انہوں نے یہی شادی کر دی دیکھو یہ اپنے ہونہار فرزند کو دینیت پر ڈھوار رہے ہیں، کوئی اچھی ٹوئری نہیں ملے گی یہ بچہ کیا مرنے کا کیا پہنے گا، اور کیا کھلے گا اور فلاں صاحب نے سود چھوڑ دیا نہیں لیا، اور فلاں نے بہن کو حصہ دے دیا ایسی پچاس باتیں ہیں۔

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب اسکے دل کی چاست اور جو باتیں رہیں ہیں اور جس کی جو حیثیت ہے اس کے لئے یہ قانون بن جاتا ہے کہ اپنے لڑکے کی شادی کرے گا تو اس معیار سے دعوت کرے گا تو اس معیار سے کپڑے پہنے گا ہر ننگ کا تو ایسی سواری ہوگی ایسا بس ہوگا اور فلاں سے ملے گا فلاں سے نہیں ملے گا معنی نہ مننے کے لئے بھی کوئی فیصلہ کن بات نہیں ہے کہ اس کا حق ہے جو اس کا عزیز ہوتا ہے اس کا یہ رشتہ ہے اس پر اللہ کے یہ عائد کردہ حقوق ہوتے ہیں کس سے منے میں عزت ہے کس سے منے میں ب عزتی ہے کس سے منے میں فائدہ ہے، کس سے منے میں نہیں۔ کہاں بیٹھے کہ لوگ دیکھیں اور اشارے کریں کہ دیکھو ایسے معزز آدمی کے ساتھ بیٹھا ہے اور کہاں بیٹھنا عیب کی بات سمجھی جائے گی، یہ بھی ملوؤں میں ہو گیا، دیکھو کہاں بیٹھا ہے مسجد جانے لگا ہے اس کو بھی کسی کی ہوا لگ گئی، یہ سارے معیار ہیں اور یہ ساری شرطیں حضور فرماتے ہیں یہ سب میری لائی ہوئی تعظیم میں جو شریعت مبین لے کر آیا ہوں، یہ حلال یہ حرام، یہ جائز ہے یا ناجائز یہ مکروہ یہ مستحب ہے، دنیا داری ہے یہ دین داری، یہ خدا کی مرضی ہے یہ اس کی نافرمانی، یہ شریعت ہے یہ شریعت کی خلاف ورزی، جو شخص جب تک یہ طے نہ کرے گا کہ اچھی بات وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کہی چاہے اس سے عزت ملتی ہو چاہے ب عزتی ہوتی ہو چاہے گھر لٹ جاتا ہو، جانے کو پھرنہ رہتا ہو یہ باتیں کچھ نہیں رہیں، فیصلہ کن بات یہ ہے کہ یہ شریعت کے مطابق ہے، یہ شریعت کے خلاف، ہم علم رکھنے والے سے پوچھیں گے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم

ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں تقریبات کیسی ہوتی تھیں۔

ایک بڑے صحابی جو عشرہ مبشرہ میں ہیں یعنی وہ ان دس خوش قسمت صحابہ میں شامل ہیں جن کو حضور ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں نام لے لے کر کہہ دیا کہ یہ جنتی ہیں۔ حضور ﷺ کو بتا دیا گیا کہ یہ جنت میں جائیں گے ان ہی میں ایک حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی تھے، پھر مہاجر بھی تھے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، قریشی تھے آپ ﷺ ہی کے قبیلہ کے تھے اور مہمن ہے اوپر جا کر کئی کئی رشتے نکلتے ہوں، آپس میں برادری میں شادیاں ہوتی ہیں، اور بڑی بات یہ کہ تھوڑے سے آدمی مکہ معظمہ سے آئے تھے، اور جب کوئی کسی ملک سے کسی دوسرے ملک کو جاتا ہے تو عام طور سے قریب قریب رہتا ہے ذرا آسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے کی ضرورتوں کو سمجھتا ہے، ایک دوسرے کی ضرورتوں کو جانتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے معیار کو سمجھتا ہے، چنانچہ بمبئی کے وک جو تاجر تھے سب کراچی جا کر ٹھہرے یہ کاروباری شہر ہے تجارتی مرکز ہے مہمن وک اور جو پنجابی بھلاتے تھے جنکا کاروبار بمبئی میں دہلی میں ہر جگہ تجارت کا تھا وہ لاہور میں رہے یہ کراچی میں اکثر لوگ کراچی میں مقیم ہوئے، اس لئے کہ ہر ایک دوسرے کی زبان سمجھتا ہے اور ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں آپس میں ہمدردی ہوتی ہے رشتہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت عبدالرحمن بن عوف حضور ﷺ کے قریب ہی رہے ہوں گے اور مدینہ طیبہ اس وقت کوئی بہت بڑا شہر بھی نہیں تھا تعجب ہے حدیث کی روایت ہے، ناپڑتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، لباس کچھ زیادہ اچھا تھا خوشبو آ رہی تھی، عطر لگا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا عبدالرحمن خیریت ہے کیا بات ہے۔ بے تکلفی میں آپ نے پوچھ لیا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے شادی کی ہے اس لئے یہ عطر وغیرہ ہے، ہم نے بڑے مجموعوں میں کہا، سہا، کے سامنے کہا کہ آج تک کسی حدیث یا سیرت و تاریخ کی کتابوں سے پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے ایک حرف بھی زبان سے شکایت کا فرمایا ہو کسی شہر یا قصبہ میں کوئی تقریب ہو کی بہت جتنے والے کی تو کہا جاتا ہے کہ خبر تو کی ہوتی چاہے ہم نہ آ سکتے، دعا کر دیتے اور پھر حضور ﷺ سے بڑھ کر دعا کس کی ہوسکتی ہے کچھ نہیں کچھ نہیں دعا کے لئے تو خبر کرتے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں شادی کرنے جا رہا ہوں، دعا

فرمائیے، اللہ مبارک فرمائے اور آپس میں الفت دے۔

یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی عقل ایمانی تھی کہ ہم جتنی دیر کے لئے آپ کو تشریف رکھنے کی دعوت دیں گے اتنی دیر میں معلوم نہیں وحی کا کتنا حصہ نازل ہو جائے گا، اور کیا معلوم کوئی روز نامہ ہوتا کہ کل کون سا حصہ نازل ہوا، آج کون سا حصہ نازل ہوا تو ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف کے یہاں شادی کا تھا اس وقت بھی قرآن مجید کی کوئی سورۃ یا اس کا کوئی حصہ نازل ہو رہا تھا وہ جگہ اس کے لئے مناسب نہیں تھی، پھر ہو سکتا ہے کہ اس وقت میں کئی آدمیوں نے اسلام قبول کیا ہو آپ نے حرف شکایت کا نہیں کہا، انہوں نے ایک حرف معذرت کا نہیں کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کو زحمت ہوتی یہ مجبوری تھی، وہ دشواری تھی کچھ نہیں کہا، خود انہوں نے معذرت کی ضرورت سمجھی نہ آپ کے دل میں شکایت پیدا ہوئی اس طرح شادیاں ہوتی تھیں۔

اس طریقہ سے اور باتیں ہیں پانچ وقت کی نماز ہے سب سے پہلے عقیدہ کی بات ہے، معلوم کیجئے کیا توحید ہے کیا شرک ہے اور کیا ایمان ہے کیا کفر ہے اور پھر اس کے بعد احکام ہیں، قرائض ہیں پانچ وقت کی نمازیں ہیں آپ کچھ کر لیجئے، مگر ان پانچوں نمازوں کا اپنے اپنے وقت پر پڑھنا لازمی ہے، یہ جمعۃ الوداع ہے چاہے وہ چار آدمیوں کے ساتھ ہے اور جمعۃ الوداع پانچ سو آدمیوں کے ساتھ ادا ہوتا ہے اور عید کی نماز اس سے بڑی دھوم دھام سے ہوگی، لیکن نماز نماز ہی ہے چاہے جانماز بچھا کر پڑھنا پڑے وہ جمعۃ الوداع کی نماز سے جو اچھی پڑھی گئی ہے اس سے بھی وہ کم نہیں ہے یعنی اللہ کا حکم ہونے میں اور اس پر عمل کرنے میں سب برابر ہیں اب جو نمازیں آئیں گی ان کا مرتبہ یہی ہوگا، انکے پڑھے بغیر فرض ادا نہیں ہوگا آپ نے فجر کی نماز چھوڑ دی چاہے آپ اپنا گھر لٹا دیجئے آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ گھر کیوں بنا دیا، آپ سے پوچھا جائے گا کہ فجر کی نماز کیوں نہیں پڑھی۔

سب سے پہلے عقیدہ کا درجہ اس میں بھی سب سے پہلے توحید، پھر رسالت حضور ﷺ کی کہ اس کے مانے بغیر کوئی نجات نہیں پاسکتا چاہے کوئی ہو جب تک آپ کو آخری پیغمبر، آپ کی شریعت کو آخری شریعت نہ مان لے اور اس پر چلنے نہ لگے۔ نماز کے بعد پھر زکوٰۃ کا درجہ ہے، معلوم نہیں کتنے بھائی ایسے ہیں جن پر زکوٰۃ فرض ہے، کسی سے پوچھتے ہی نہیں کب زکوٰۃ فرض

ہوتی ہے کتنی مقدار میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، علموں سے پوچھنا چاہئے اور کئی بھائی ہوں گے حج ان پر فرض ہو چکا ہے مگر کسی سے پوچھتے نہیں کیسے حج فرض ہوتا ہے اس کی کیا صورت ہے بس ایک رسم و رواج پر زندگی چل رہی ہے عید کی بقر عید کی نماز بڑی دھوم دھم سے پڑھ لیں گے اور کسی سے کچھ پوچھنا معلوم کرنا نہیں اور پھر شادی اور یہ رسم و رواج نہیں ہے سب شریعت کے کام ہیں، بیٹے کی شادی کرنا اور بیٹی کو رخصت کرنا، یہ سب شریعت کا قلم ہے اور شریعت کی طرف سے ہدایات ہیں، دین کا کام ہے، مگر اسے ویسا ہونا چاہئے جیسا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔

پھر اس کے بعد یہ فضول خرچیاں ہیں، سودی قرض ہے، اسراف ہے، نام و نمود کے لئے شہرت کے لئے بڑی بڑی دعوتیں کرنا، حکام کی خوشامد کرنا، ان سے تعلقات پیدا کرنا کچھ کام نہیں آئے گا۔

حتی تکون ہواہ تبعاً لما جنت بہ

ہوئی کا لفظ ایسا کہہ دیا جو سب پر صادق آتا ہے، جس کو دل چاہتا ہے، جس سے دل خوش ہوتا ہے، جس سے تعریف ہوتی ہے، جس سے دل کو اطمینان ہوتا ہے، یہ سب معیار اس کے تابع اس کے پیروند ہو جائیں اس لئے قدموں کے نیچے نہ آجائیں جس کو میں نے کر کے آیا ہوں، حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ تبعاً لما جنت بہ، جو حدیث سے اشتغال رکھتے ہیں، سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں وہ سمجھیں گے۔

آخری بات یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کی حفاظت کیجئے، متب قوم کیجئے، دینی تعلیم و رواج دیجئے، قریب مدرسہ ہے وہاں اپنے بچوں کو بھیجئے کہ محلہ ہے محلہ کے بچے برادری ہے برادری کے بچے اور وہ اس قابل ہو جائیں کہ قرآن کو یاد رکھیں، دینی کتابوں کو سمجھیں گے، عقائد و فرائض اور احکام سے واقف ہو جائیں گے تب ہی مسلمان رہ سکیں گے یہ آپ کو بتا دیتا ہوں اس وقت بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہے کتابوں میں بھی یہ آگئی ہے تحریروں میں بھی آگئی ہے اخبار میں بھی آئی ہے کہ اس ملک میں بس ہندوستانی بن کر رہنا چاہئے، یہ ہندو مسلمان کا فرق جو ہے صحیح نہیں بات بات میں کہنا کہ ہم مسلمان ہیں اس کے لئے ہم قرآن شریف پڑھ سکیں، دینی مذہبی کتابیں پڑھ سکیں اردو پڑھ سکیں، یہ سب کچھ نہیں

یہاں بس ہندوستانی بن کر رہنا چاہئے اور صرف کھانے پینے کی فکر کرنی چاہئے کہ ہم اس قابل ہوں اور ہم یہاں کی زندگی میں کھپ جا میں اور کوئی چیز ضروری نہیں۔

تو اس وقت بہت خطرناک منصوبہ چل رہا ہے، مسلمانوں کے ذہنوں سے جٹلو اللہ نے اولاد دی ہے یا جن کے زیر اثر ایک نئی نسل بنے انہیں بالکل اس کی فکر نہ رہے، ان کا عقیدہ کیا ہوگا، کس شریعت کو مانیں گے، پیغمبر کو مانیں گے اس کے حکموں کو مانیں گے اس کی پیروی کریں گے دیندہ بنیں گے، اللہ کو راضی کرنے اور ناراض کرنے کا فرق پہنچیں گے یا نہیں تو آپ کے فرض ہے اور سرکاری چیزوں سے زیادہ ضروری ہے کہ آپ ملتب قائم کریں مدرسہ قائم کریں اور گھر میں بھی ایسا ہوں، میں بیبیوں سے کہہ دیجئے خواتین مستورات سے کہہ دیجئے کہ گھر میں، نئی باتیں یاد کریں بچوں کو انبیاء کے قصے، صحابہ کے واقعات، علماء کی حکایات بیان کیا کریں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں کہ انہوں نے توحید کا کیا نمونہ پیش کیا اور اس طرح سے بتایا کہ جن کو آپ لوگ پوجتے ہیں ان کے قبضہ میں کچھ نہیں ہے، جن کی آپ پرستش کرتے ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے، میں نے ان کے ساتھ کیا کیا وہ اپنے کو بھی نہیں بچا سکے تو آپ کو وہ کیا بچا سکیں گے، انبیاء علیہم السلام کے قصے سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ اور پھر سرور کائنات حضور ﷺ کے قصے سنانا اور ان سے واقف کرانا اور محبت پیدا کرنا۔

یہ سب چیزیں ضروری ہیں، یہ چیزیں آپ اپنے ساتھ لے کر جائیں، میدان میں وہاں کو جلدی ہوتی ہے منامانا ہوتا ہے، اس کے اس وقت ہم نے ذرا اطمینان سے بات کہہ دی کہ نہ کھانا ہے اور نہ کوئی اور کام درپیش ہے، بس ان چیزوں کو یاد رکھئے، اور میں پھر اس حدیث کو دہراتا ہوں، تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی چاہتی چیز اس کی پسندیدہ چیز اس کے تابع اس کے پیروندہ بن جائے اس کی خدمت نہ بن جائے، اس کا چاکر نہ بن جائے، جس کو میں نے کر کے آ یا ہوں جو شریعت لے کر کے آیا ہوں۔

وما علیہ الا البلاغ المبین

اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی و ہلاکت انسانیت کے ساتھ وابستہ ہے

الحمد لله بحمدہ واستعينه واستغفره وبومس به وتتوكل عليه ونعوذ
بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهدي الله فلا مضل له
ومن يضلل فلا هادي له وشهد ان لا اله الا الله وشهد ان محمدا
عبده ورسوله .

دوستو اور بھائیو! اس وقت تمام دنیا میں سخت اختلاف ہے۔ روزمرہ کی جو حقیقتیں سورج کی طرح روشن ہیں اور جن میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی دعویٰ ایسا نہیں جس کی ہر جگہ سے ہر ادارہ سے اور مکتب خیال سے تائید ہو۔ ایسی کوئی حقیقت نہیں جس پر سب کے سب متفق ہوں، لیکن ایک بات ایسی ہے جس کی تائید آپ ہر طرف سے سنیں گے، اور جہاں جائیں گی اس کی صدائے بازگشت پائیں گے، وہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، اور ایسا بگاڑ ہے جس سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے یہاں تک کہ جو آپ اپنی، دی ترقی کے نقطہ عروج پر پہنچ گئے ہیں، وہاں بھی آ کر آپ جائیں گے تو اسی کا رونا پائیں گے۔

کوئی جلسہ، کوئی کتاب، کوئی مباحثہ، کوئی مذاکرہ، کوئی غور و فکر کا حلقہ اس سے خالی نہیں، دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کر جائیے ہر جگہ آپ اسی کا شکوہ پائیں گے کہ بگاڑ بہت پھیل گیا ہے، اور دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس پر قریب قریب اس وقت دنیا کے تمام سوچنے اور سمجھنے والے یہاں تک کہ جو سوچنے سمجھنے کی صدا حیت نہیں رکھتے، وہ بھی متفق ہیں جو کتابوں کے پڑھنے والے ہیں وہ کتابوں کے واسطے سے جانتے ہیں جن لوگوں کو اس کا اتفاق نہیں ہوتا یا اس کی فرصت نہیں ملتی، ان کے کانوں میں بھی یہ بات

پڑتی رہتی ہے۔ ہمارا ملک ہو یا کوئی باہر کا ملک، یورپ ہو یا امریکہ، فریقہ ہو یا ایشیا، اور یہاں تک کہ وہ سرزمین جو خیر و برکت کی سرزمین ہے، وہاں بھی اگر آپ جا میں گئے تو اس کا احساس عامی میں گئے۔

یہ ایک ایسی ابھی ہوئی دور ہے جس کا سر کسی کو نہیں ملتا، بگاڑ تو ضرور سے یمن بگاڑا سبب یہ ہے کہ جس قدر اس دور کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ اچھتی بنی چلی جاتی ہے۔ اس لئے کہ نہ اباتھ میں بیٹے اور سرائلش کے کا جو قسط کی طریقہ ہے اور جو خدا نے پیدا کیا وہ ہو یا ہے اور اس کی کو خبر نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اور ان سب لوگوں کے عقیدہ کے مطابق جو خدا وجود پر یقین رکھتے ہیں اور خدا کی صفات کا کوئی نہ کوئی تصور ان کے اندر پیدا جاتا ہے، وہ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی اصلاح اور اس دنیا کا فساد، اس دنیا کی سعادت اور اس دنیا کی شقاوت اور اس کا بن و بگاڑ، اس کی خوش حالی اور اس کی بربادی، سب کو انسان کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ انسان اگر اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، اگر انسان بگاڑا ہوا ہے، رستہ چھوڑ چکا ہے، خود کشی پر آمادہ ہے، تباہی و بربادی پر کمر بستہ ہے، اس کو اپنی قیمت معلوم نہیں، وہ خدا کو بھول چکا ہے اس کے نتیجہ میں اپنے کو بھی بھول چکا ہے۔ اس کو اپنے آغاز و انجام کی خبر نہیں یا فکر نہیں تو پھر اس دنیا کے بگاڑ کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس بگڑی ہوئی دنیا کو نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات غنی ہے۔ وہ انسان کا محتاج نہیں لیکن اس نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے۔ یہ سنت الہی ہے اور سنت الہی کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

”وَلَنْ تَجِدَ لِسَةَ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسَةَ اللَّهِ تَحْوِيلًا“

قرآن شریف میں بار بار، یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قانون جس کے لئے بنا دیا جس میں جو خواص رکھ دیئے ہزاروں ماحول برس گزر جانے کے بعد بھی وہ خواص ان کے اندر پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح سے جاری و ساری اور کار فرما ہے، جیسے ہزاروں برس پہلے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکمت بالغہ سے، اپنے ارادہ و اختیار سے، اپنی قدرت سے دنیا کی

سعادت و شقاوت کو انسان کے ساتھ وابستہ فرمادیا ہے۔ خدا کا یہ قانون ہے کہ یہ دنیا انسان کے دم سے ہے۔ انسان اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، انسان اگر برا ہے تو یہ دنیا فساد کا گہوارہ ہے۔ آپ اگر تاریخ میں اس کا سراغ لگا میں نے اور تاریخ کی تاریخوں میں دور تک جا میں نے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کا بگاڑ انسان کی وجہ سے ہے۔ انسان سرچشمہ ہے دنیا کی فلاح و سعادت کا اور انسان سرچشمہ ہے دنیا کی تباہی و بربادیت کا۔ اس لئے اصل چیز جس پر محنت صرف کرنے اور توجہ کرنے کی ضرورت ہے، وہ انسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صحیح تربیت فرمائی اور ان کو مہمور فرمایا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو عقل سلیم اور نبوت کا نور عطا فرمایا تھا اس کی روشنی میں انہوں نے اس حقیقت کو پایا کہ اس دنیا میں جو کچھ ان کے کرنے کا کام ہے وہ انسان کی درستگی ہے اور انسان کی بدایت ہے۔ راستے کو سمجھ لینا اور اس پر اپنی طاقت اور صد حیتوں کو لگا دینا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے اس حقیقت کو سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شامل حال تھی اور ارادہ الہی ان کی پشت پر تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ ان کے ذریعہ سے اس گم کردہ راہ انسانیت کو اور اس تباہ شدہ دنیا کو ایسا امن و سکون اور راحت عطا فرمائے گا کہ اس دنیا میں بھی انسان کو جنت کا مزہ آجائے اور اپنی زندگی ہی میں وہ بہشت کا مشاق ہو جائے، اور اس دنیا میں اس کو انسان بن کر رہنے کا سلیقہ آجائے۔ اسی سے انبیاء علیہم السلام نے ایک لمحہ تردد کئے بغیر اور ایک دن بھی تجربے کی ضرورت سمجھے بغیر جس وقت وہ پہلا حصہ ان پر نازل ہوا انہوں نے ساری طاقتیں ایک موضوع پر صرف کر دیں، اور وہ انسان تھا۔

لیکن خود انسان ایک عالم ہے۔ انسان کی طرف سے اپنی وسعت میں، اپنی گہرائی میں اپنی پیچیدگی میں، اپنے تنوع میں، اپنے راز ہائے سرستہ میں، اپنے تہ بہ تہہ پردوں میں، اور طرح اس کائنات سے، سیاروں سے نظام شمسی سے، نظام فکس سے اور ہماری اس لمبی چوڑی، نیر سے کم نہیں۔ انسان تو اتنی وسیع مخلوق ہے جس کی تہہ تک پہنچنا ہی ناممکن ہے جس طریقے سے آپ سمندر میں ایک چٹکی ڈالیں اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں گئی، انسان کی گہرائی اس سے بھی گہیر زیادہ ہے۔ اس کی تہہ کو اس کے پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے۔

”الا يعلم من خلق وهو اللطیف الخبیر۔“

یہ انسان خود ایک عام ہے۔ اس کو اللہ نے دماغ دیا ہے، اس کو اللہ نے دل دیا ہے، اس کو اللہ نے اعضا، وجوہ و دینے دیے ہیں، اس کو اللہ نے مقصد و عطا فرمایا ہیں۔ بڑے دور دراز ہر بندہ اس کی کیا خواہشات ہیں، کیا کیا ضرورتیں ہیں، کیا کیا ارادے ہیں، اس کی کیا کیا تمنائیں اور آرزوئیں ہیں، غرض کہ اتنا بڑا جنگل ہے کہ بڑے سے بڑے محقق اس میں گم ہو جائیں۔

انبیاء علیہم السلام کے سامنے جب انسان آیا اور ان کو معلوم ہوا کہ اس انسان پر ان کو محنت صرف کرنی ہے اور اس کو بنانا ہے تو اب ان کے سے بڑا امتحان تھا۔ اگر اس موقع پر انسانی نفسیات کے باہر ہوتے، بڑے بڑے مصلح و معلم ہوتے، بڑے بڑے مفکر و فلسفی ہوتے تو ہزاروں ٹھوکریں کھاتے وہ انسان کی انسانیت کا سرخ لگانے کے لئے نکلتے اور اس کا سرا ہونڈھنے کے لئے وہ سفر شروع کرتے تو عمر گزر جاتی بدستیں گزر جاتی اور ان کو اس کا سرا نہی ملتا۔ یہ انسان ایک ایسی پٹی ہے جس کا بوجھنا ہی مشکل ہے خود انسان اپنی حقیقت سے واقف نہیں اس کے سینکڑوں شعبے ہیں، کتنے شعبے ہیں جو معلوم ہو چکے ہیں اور کتنے شعبے ہیں جو ابھی تک نامعلوم ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اگر اللہ کی رہنمائی نہ ہوتی اور اللہ کی نصرت شامل حال نہ ہوتی اور تقدیر الہی کا فیصلہ نہ ہوتا کیا اللہ کے آخری نبی ہی سے قیامت تک ہدایت کا کام لینا ہے اور اس دنیا کا بگاڑ ان سے دور کرنا ہے اور انسان کو اس کے خالق سے ملنا ہے اور انسان کا مقصد زندگی سے آگاہ کرنا ہے تو انسان کی ہدایت کا کام آسان نہ تھا۔

انسانیت کے محققین کی نیسیں گزریں جو دماغ ہی کے اندر سرگردان رہیں اور دماغ ہی کا سفر پورا نہیں کر سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی فرمائی کہ دنیا کی اصلاح و تبدیلی کا مرکز انسان ہے اور انسان کی اصلاح میں تبدیلی کا مرکز اس کا دل ہے۔

دل کہنے کو تو ایک لفظ ہے لیکن اس کا بھی کوئی اور چہرہ نہیں، اس کی وسعت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے، یہ سارا عالم اس کا لقمہ بن سکتا ہے، یہ سارا عالم اس کے دل کی وسعتوں میں ایسا گم ہو سکتا ہے کہ پتہ ہی نہ چلے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی فرمائی کہ انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہو جانا اپنی

ہستی سے واقف ہو جانا اور ایثار کا مادہ اس کے اندر پیدا ہو جانا اور اغراض سے اس کا پاک ہو جانا اپنی اور دوسروں کی زندگی کو خدا کے رضا کے راستے پر ڈالنے کی کوشش کرنا تاکہ سب کے سب خدا کی رضا کے جو یا بن جائیں۔ اپنی شہوتوں اور خواہشات کی بندگی سے آزاد ہو جائیں اور ایک خدائے واحد کی بندگی میں لگ جائیں اور ان پر ان کے معدے کی حکومت نہ ہو، ان کے خواہشات کی حکومت نہ ہو، ان کے سفلی مقصد کی حکومت نہ ہو، وہ صرف اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہ ماریں اور اس دنیا کو صرف اپنے گھر کے اندر محدود نہ سمجھیں۔ اپنے چار بچوں والی، آٹھ بچوں والی، دس بارہ افراد خاندان والی، نیا نہ سمجھیں کہ ساری دنیا اسی ایک گھر کی اندر آگئی اور یہی میری دنیا ہے، یہیں مجھے مرنا اور جینا ہے۔ وہ اس قفس سے جس کی تہیں کہیں سونے کی ہیں، ہمیں بوجھ کی، مگر بہر حال یہ ایک پنجرہ ہے، اس پنجرہ سے وہ آزاد ہو جائے اور آفاق کی وسعتوں سے آشنا ہو جائے۔

”و کذلک نری ابراہیم مذکور السموات والارض ولیکون من

المؤقنین“

اس کو معلوم ہو جائے کہ میرا خالق کیا ہے؟ اس کی کیا یہ صفات ہیں؟ اس کے پاس کیا ہے؟ اس سے کیا چیز مانگنی چاہئے؟ اس کے خزانے میں کیا پچھ ہیں؟ اس کے خزانے سے مجھے کیا مل سکتا ہے؟ وہ کون سے اعمال ہیں؟ کون سے اخلاق ہیں؟ کون سے عقائد ہیں؟ کون سا طرز زندگی ہے؟ جس سے میں خالق سے وہ نعمتیں حاصل کر سکتا ہوں جن کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

”ملا عین رأت ولا اذن سمعت ولا حظ علی قلب بشر“

نہ کسی آنکھ نے اس کو دیکھا نہ کسی کان نے اس کو سنا اور نہ کوئی دل میں اس کا خیال گزرا۔ انسان ایک جنگل ہے۔ اس میں ہر طرح کے شیر، چیتے اور تیندوے موجود ہیں۔ یہ نہ سمجھے گا کہ یہ اس کے باہر کی دنیا میں موجود ہیں بلکہ درحقیقت یہ انسان کے اندر موجود ہیں اور باہر ان کا ظہور ہے۔ انسان کے اندر کے شیر اور تیندوے، انسان کے اندر کے چیتے اور بھیڑیے، انسان کے اندر کے کتے اور سور، باہر کے کتے اور سوروں سے کہیں زیادہ خطرناک، کہیں زیادہ زہریلے، کہیں زیادہ خونخوار اور کہیں زیادہ انسان کے خون کے پیاسے ہیں۔ اور ان

کے اندر ان سے کہیں زیادہ خباثت ہے، یہ انسان کے اندر کے سانپ اور بچھو جب سے باہر نکل آئے ہیں، تب سے دنیا تباہ ہوئی ہے۔

باہر کے سانپ اور بچھوؤں نے دنیا کو بھی تنگ نہیں کیا۔ آپ نے یہ کبھی تاریخ میں نہیں پڑھا ہوگا کہ سانپوں اور بچھوؤں نے اپنی تنظیم کی اور اپنے دشمنوں کے خلاف شکر کشی کی۔ کبھی آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ ساری دنیا کے شیر اکٹھا ہو گئے اور شیروں نے دنیا پر حملہ کر دیا، یہاں پر تاریخ کے بہت سے بھڑے بھڑے بھیڑیوں سے لڑے ہوں۔ چھوڑ دیجئے انسان کو، لیکن کتنی بار آپ نے پڑھا اور پڑھتے پڑھتے آپ تنگ آ گئے اور پرھنا تو بڑی دور کی بات ہے ہماری اور آپ کی زندگی میں دو دو جنٹیں پیش آئی ہیں۔ ہم میں سے بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جنہوں نے پہلی جنگ عظیم بھی دیکھی ہوں۔ خواہ وہ اس وقت کے بچے رہے ہوں۔ یہ دونوں جنگیں اس نے اس کے خلاف لڑیں؟ خدا کے لئے یہ بتائیے کہ یہ سانپوں اور بچھوؤں کی لڑائی تھی انسان سے یا سانپوں اور بچھوؤں سے، کچھ بچھو سے لڑتا ہے، سانپ سانپ سے لڑتا ہے، بھیڑ یا بھیڑیے کو کھاتا ہے مگر بھیڑیوں نے کبھی اپنی تنظیم نہیں کی بھیڑیوں نے کبھی اپنی صفات آرائی نہیں کی۔

بھیڑیوں میں بھی کوئی عصیت پیدا نہیں ہوئی کہ ایک ملک کے بھیڑیے دوسرے ملک کے بھیڑیے سے لڑیں لیکن انسانیت کی تاریخ میں ایک دن بھی آپ بتا سکتے ہیں کہ انسان انسان کے خلاف لڑتے ہیں، محلے محلے خلاف لڑتے ہیں لیکن جانوروں کے متعلق کبھی ایسا نہیں سنا گیا۔

انسان کے اندر نے یہ خونخوار جانور سب باہر نکلتے ہیں؟ خدا کے پیغمبروں نے جو حصار تعمیر کیا ہے اور جس کے اندر ”یا جون ماجون“ کی سرحدیں وہ بند ہیں۔ انسان کے اندر خونخوار جانوروں کو لگا کر دینے کے لئے بد انسانوں میں تبدیل کرنے کے لئے اللہ کے پیغمبروں کے پاس ایک نسخہ ہے۔ جب انسان اس سے سرتسی کرتا ہے یا اس نعمت کی ناقدری کرتا ہے تو انسانوں کے اندر جو درندے ہیں، یہ باہر نکل آتے ہیں اور پوری دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

جب انسان، انسان کا شکار کھینچتا ہے جب انسان، انسان کے خون کا پیا سا ہو جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری توفیق یہ تھی کہ اس نے ان کو یہ سمجھ عطا فرمائی کہ انسان کے دل پر اپنی ساری طاقتیں لگا دیں، حدیث شریف میں آتا ہے۔

”ان فی الجسد مصغۃ اذ صلحت صلح الجسد کلہ واذ فسدت

فسدت کلہ الا وہی القلب“

انسان کے اندر ایک مصغہ گوشت ہے، ایک حقیر سا ٹکڑا ہے انسانی گوشت کا۔ اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے۔ یاد رکھو۔ یہ دل ہے اس لئے انہوں نے دل پر اپنی طاقت صرف کی انہوں نے اس حقیقت کو پایا کہ وسائل اور ارادے، ذہانتیں، طاقتیں، کائنات کے سارے خزانے، روپیہ پیسہ اور دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں اور جتنے بھی فائدہ پہنچانے اور نقصان پہنچانے والے ذرائع پیدا کئے ہیں، وہ سب انسان کے ارادے کے تابع ہیں۔ انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہو جائے تو اُس وسائل نہ ہوں گے تو وہ وسائل پیدا کر لے گا اور اللہ اس کے لئے وسائل پیدا فرما دے گا۔

اگر انسان کی طبیعت کا رخ صحیح ہو جائے، اگر انسان خیر کا طالب، اگر انسان انسان کی فلاح چاہنے والا ہو، اگر انسان انسان کو نفع پہنچانے کا خواہش مند ہو، اگر انسان اپنی ہستی کو دوسروں کے لئے مٹانا چاہے، دوسرے کے زندہ رہنے کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کی ہمت رکھتا ہو، اور اس دنیا سے بدامنی کو دور کرنا چاہے، اس دنیا سے نفرت کو دور کرنا چاہے، اس دنیا کو امن سے خوش حالی سے، اللہ کی محبت سے، انسان کے قدر سے، انسانی جان کی قیمت کی احساس سے بھر دینا چاہے تو پھر وسائل نہ ہوں گے تو بھی وہ اتنا بڑا کام انجام دے گا جو بڑے سے بڑے وسائل کے ساتھ آج تک نہ انجام پایا ہے نہ انجام پا سکتا ہے۔ اصل چیز ہے انسان کا ارادہ ہے اگر ارادہ صحیح ہو جائے اور اس کا سرچشمہ صحیح ہو جائے، جہاں سے وہ ارادہ نکلتا ہے تو سب کچھ درست ہو جائے۔

ہمارے اس ہاتھ میں اللہ نے بڑی طاقت رکھی ہے۔ لیکن یہ ہاتھ خود کوئی چیز نہیں، اس کی کوئی ہستی نہیں۔ یہ ہاتھ مظلوم پر ظلم کے لئے اٹھ سکتا ہے، ظالم کی مدد کے لئے اٹھ رہا ہے، آج ساری انسانی توانائیاں اور اس کی ساری طاقتیں ظلم کے لئے وقف ہیں اور یہ کوئی انہونی اور بعید از قیاس بات نہیں جب انسان کا دل بدل جائے، انسان کے دل میں اور اس کی نیت میں فتور

آجائے اور اس کے دل کے اندر انسان کی دشمنی گھر کر جائے۔ اس کو انسان کے خون کی چاٹ لگ جائے تو اس کا ہاتھ یتیم کا سر قلم کرنے کے لئے، بیوہ کے سر سے آخری دوپٹہ یا جو آخری سہارا رہ گیا ہے، اس کو چھین لینے کے لئے غریب و مفلس کے فاقہ زدہ گھر سے جس کو مفتوں کے بعد چند دانے پکانے کے لئے اپنا وراپنے یتیم بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ملے ہیں۔ یہ چند دانے اور اس کے چو لھے کو اٹھا لینے اور اس کی آگ کو گل کر دینے کے لئے اس وقت تیار رہتا ہے۔ لیکن مسئلہ صرف ہاتھ کا نہیں بلکہ اس کا اور اس طرح کی ساری خرابیوں کا انحصار اس پر ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے اس کا ارادہ کیا ہے؟

کیا انسان کے اندر خیر کی طلب پیدا ہوئی؟ کیا اس کے اندر خوف پیدا ہو گیا؟ کیا انسانیت کی حقیقت اس پر بھل گئی؟ کیا انسان کو ہستی کا آغاز و انجام معلوم ہو گیا؟

انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے جتنی زر خیزی رکھی ہے اور اس کے دل کی اندر سونا اگنے کی جو صلاحیت رکھی ہے اس کے سامنے سب بھریا کے میدان اور ہندوستان کی سرسبزی و زر خیز زمین بیچ ہے۔ اگر اس کے اندر نیک ارادوں کے اگنے، پھیلنے پھوٹنے اور پرورش پانے کی صلاحیت پیدا ہو گئی اور انسان کے سفلی اغراض و مقاصد اور اس کی سفلی خواہشات کھاد بننے کے لئے تیار رہے تو انسان ان کو کھاد بن کر اپنے دل کی سر زمین سے نیک ارادوں کی کھیتی پیدا کر سکتا ہے اور یہ کھیتی پھل دے سکتی ہے، پک سکتی ہے، اور کائی جاسکتی ہے۔

لیکن اگر یہ دل کی سر زمین خیر ہو گئی ہے تو اس کے اندر کانٹے تو پیدا ہو سکتے ہیں، پھول پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس کے اندر تلواریں تو اک سکتی ہیں مین امن دینے والی چھاؤں نہیں پیدا ہو سکتی۔ زہر تو پیدا ہو سکتا ہے لیکن تریاق پیدا نہیں ہو سکتا، بد امنی پیدا ہو سکتی ہے امن پیدا نہیں ہو سکتا، نفرت تو پیدا ہو سکتی ہے محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اپنے بچوں کو پانے کے لئے یتیموں کا پیٹ پھاڑنے کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن کسی بے کسی مظلوم اور کسی مصیبت زدہ کی حفاظت اور یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے کا جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

اگر انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ اس کی پیاس شربت سے نہیں بجھتی، دوا دھ سے نہیں بجھتی۔ جس کو اللہ نے "لبناً خالصاً سائغاً للشاربین" کہا ہے۔ اس کی پیاس ٹھنڈے میٹھے پانی سے نہیں بجھتی جس کو قرآن "ماء افراتاً" کہتا ہے۔ اس کی پیاس دودھ و

فراٹ کے پانی سے نہیں بجھتی بلکہ اس کی پیاس انسان کے خون سے بجھتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر یہ چاند اور دوسرے سیارے جن تک پہنچنے اور وہاں کی آب و ہوا اپنے من سب بنا۔ میں انسان اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہا ہے۔ یہ چاند مرتخ اور دوسرے سیارے زمین پر اتر آئیں، انسان کے قدموں کے نیچے آ جائیں اور یہ ساری دنیا جنت کا ٹھکانہ بنائی جائے لیکن انسان کے دل کی کھیتی خراب رہے اور اس سے خیر پیدا کرنے کی صلاحیت جاتی رہی ہے تو یاد رکھ انسان کی تقدیر میں تب ہی لکھی ہوئی ہے۔ اس کی حالت بھی سدھ نہیں سکتی اور یہ دنیا انسانوں ہی کے ہاتھوں پھر جہنم کا مدہ بن جائے گی۔

حضرات! دنیاوی میں ہر طرف پھیلے ہوئے فساد و بد امنی کو، سروں پر منڈلاتے ہوئے مہیب جنگ کے خطرہ و دور کرنے کے لئے اور انسان کو امن و مسون اور باہمی اعتماد و محبت کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے، آج کے قانون و دیکھتے ہیں خدا کے بنائے ہوئے صحیح اور فطری قانون کے مطابق انسان زمین میں ہل چلاتا ہے تو زمین کتنا خزانہ اگل دیتی ہے۔ اسی طرح اُردن کی کھیتی میں ہل چلایا جائے اور خدا کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلایا جائے اور اس میں تھوڑی سی محنت صرف کی جائے اور یہ دل کی کھیتی لہہا اٹھے اور پھلنے پھولنے لگے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا کا نقشہ کیا ہوگا؟ یہ فقیر زمین جو آپ کے قدموں سے روندی جاتی ہے، اس سے آپ نے اتنا بڑا فیض پایا، اس پر اس کی کھیتی میں خدا کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے ہل چلاتے اور ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق آپ اس کی خدمت کرتے اور اس میں ریاضت کرتے اور وہ کھیتی برگ و بار لاتی تو پھر آپ دیکھتے کہ دنیا میں کیسی بہار آئی ہے اور جب دل کی کھیتی خزانہ اگلتی تو دنیا کا دامن کیسے کیسے موتیوں سے بھر جاتا، کیسے کیسے ولی کامل، کیسے، کیسے خادم انسانیت، کیسے کیسے بے وث و بے غرض انسان اور انسانوں کے لئے اپنا خون پانی ایک کرنے والے سامنے آتے کہ جن کے کارناموں کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔

کوئی باور نہیں کر سکتا کہ یہ انسان کے اندر اتنی بے غرضی پیدا ہو سکتی ہے، کیا انسان دوسروں کی خاطر اپنی اولاد قربان کر سکتا ہے؟ کیا انسان وعدہ و وفا کرنے کے لئے اپنا گھر بنا سکتا ہے؟ ایک مظلوم کو بچانے کے لئے اپنے سر سے کنبہ و موت کے گھاٹے تار سکتا ہے، ایک

انسان خود زخمی ہے اور پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں، مر رہا ہے، پھر بھی دوسرے زخمی کی پیاس بجھانے کے لئے اپنا پانی پیش کر سکتا ہے، دین کی عقل اس کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہے۔ یہ سب کرشمہ تھا خدا کے پیغمبر کی محنتوں کا، انہوں نے دل کی کھیتی پر صحیح طریقے سے محنت کی اور اس کے اندر اللہ کے رکھے ہوئے مخفی خزانوں اور دینیوں کو نکال اور عالم انسانیت کو اس سے مال کر دیا۔

خدا کے پیغمبروں نے اس زمین کو چھوڑا، بڑے بڑی ماہرین کو چھوڑا کہ وہ صنعتوں کو ترقی دیں، نہ ان کو روکا نہ ان کی رہنمائی کا دعویٰ کیا بلکہ انہوں نے صاف کہہ دیا ”اتسم اعلم بامور دنیا کم“ صنعت والے صنعت کے میدان میں ترقی کریں، زراعت والے زراعت کے میدان میں اور علم والے علم کے میدان میں۔ اللہ نے ہم کو ایک اور میدان دیا ہے۔ وہ انسانیت کا میدان ہے انہوں نے اس میدان میں محنت صرف کی تو دنیا کا نقشہ کیا سے کیا ہو گیا۔ صرف ایک دور کی تاریخ پڑھئے صحیحہ کرام کے دور کی، جب حضور ﷺ کو اللہ نے یہ موقع دیا کہ وہ دل کی سرزمین میں کھیتی کریں تو آپ دیکھئے کہ اس دنیا میں کیسی بہار آئی۔

اس وقت ہزاروں مشکلات تھیں، تمدن اپنے بالکل ابتدائی دور میں تھا۔ انسانیت نے بہت سے میدانوں کا انکشاف ہی نہیں کیا تھا، سائنس نے گویا اپنا سفر ہی شروع نہیں کیا تھا، قدم قدم رکاوٹ تھی، سفر کی دشواریاں تھیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ آدمی کے پہنچنے کے لئے سخت مشکلات درپیش تھیں۔ لیکن جب نیک ارادہ پیدا ہوا اور ان کے اندر انسانوں کو خدا کا پیغام پہنچانے کا انسانوں کو تاریکی سے نکلنے کا اور ترجمہ کا سچا جذبہ پیدا ہوا کہ انسان اپنی ہستی کو اس طرح خاک میں ملا رہا ہے اور ان کو اپنی آنکھوں سے صاف نظر آیا کہ جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں، اور انسان اس میں چھلانگ مارنا چاہتے ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ روشن کی اور پروانے اس میں رنے لگے۔ وہ ہٹتا ہے مگر ہٹا نہیں پاتا، پروانوں کی طرح لوگ اس میں کودنے اور چھلانگ مارنے کے لئے تیار ہیں اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں اس سے ہٹانا چاہتا ہوں۔

جب صحیحہ کرام پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی تو پھر نہ سفر کی صعوبتیں اور اس کی دشواریاں ان کی راہ میں حائل ہوئیں اور نہ اس وقت کی دقتیں اور سفر کی طوالت، راستوں کے خطرات، ان

میں سے کوئی چیز بھی ان کے عزم کے سامنے نہیں ٹک سکی۔ اس لئے کہ ایک تو نیک ارادہ پیدا ہوا دوسرے یہ کہ ارادہ ان پر مستولی ہو گیا، ان کے اعصاب پر اور ان کے دل دماغ پر چھا گیا۔ اب ان کو ہانا پینا مشکل ہو گیا۔ وہ لقمہ توڑتے تھے اور کہتے تھے کہ میں لقمہ توڑتا ہوں اور اللہ کے ہزاروں بندے بالکل ”شفا حقیرۃ من النار“ جہنم کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں جتنی دیر میں لقمہ منہ میں رکھوں گا اور اتاروں گا اتنی دیر میں کتنے خدا کے بندے جہنم کے لڑھے میں گر پڑیں گے۔ عبادت اور ذرہ و درہ کا تو خیال ہوتا ہے سین دوسروں کو حتیٰ کہ اپنی اولاد کو بھی گناہوں سے نہیں روکتے اور امید رکھتے ہیں کہ مصیبت رفع ہو جائے۔ بڑے تہجد گزار ہیں لمبے لمبے نوافل پڑھتے ہیں خانقاہ والے مرشد ہیں لیکن لڑکے خانقاہ میں واڑھی مونڈ رہے ہیں لڑکیاں بے پردہ ہو سرکات جاری ہیں لیکن باجان ہے کہ اپنی نیکی کی گھمنڈ میں مبتلا ہیں کبھی حرفِ غلط کی طرح بھی برائیوں پر روک ٹوک نہیں کرتے۔

ایک بستی کو الٹنے کا حکم:

ایک حدیث میں ارشاد ہے اللہ جل شانہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فداں بستی کو اس کے رہنے والوں کے ساتھ تختہ الٹ دو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار ان میں آپ کا فداں بندہ بھی ہے جس نے پتہ بھپنے کی بقدر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی کیا اس کو اس عذاب میں شریک کر دیا جائے اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوا کہ اس بستی کو اس شخص پر اور باقی رہنے والوں پر الٹ دو کیونکہ یہ شخص خود تو نیکیاں کرتا رہا اور نافرمانیوں سے بچتا رہا لیکن اس کی چہرے پر میرے احکام کے بارے میں کبھی کسی وقت شک نہیں پڑی۔ (مشکوٰۃ شریف)

امیر معروف نبی عن المنذر کی فریضہ کی انجی مادی میں کوتاہی کرنے کا دیاں کس قدر ہے

اس حدیث سے ظاہر ہے۔

اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی و ہلاکت

محترم حضرات! آج ساری دنیا یہی کہہ رہی ہے، حقیقت گم ہوئی تھی ہمارے دے کے اندر، ہمارے وجود کے اندر ہمارے ارادوں کے اندر، ہمارے یقین کا جو سرچشمہ ہے اس کے اندر۔ مہین چونکہ اس میں تاریکی ہے اور تاریکی ہے ایمان نہ ہونے کی وجہ سے تاریکی نے اس وجہ سے کہ نبوت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا، لیکن مے کی وہ چیز وہیں، باہر مے کے منڈے کی روشنی سہی لیکن جو چیز جہاں گری ہے وہ چیز وہیں مے کی۔ تم نے اس چیز کو گم کر کے اندر کھویا ہے، اس کو گھر کے باہر مت ڈھونڈو، گھر کے اندر آؤ چراغ جلاؤ ایمان کی مشعل، تب کر کے اربابین خدا کے گھر میں آؤ اور تلاش کرو، جو مل کرے، قانون خداوندی ہے، عقلمندان کا فیصلہ ہے وہ چیز وہیں ملے گی۔

تم نے دل کی دنیا میں یقین کھویا تم نے دل کی دنیا میں انسان کی محبت کھوئی، تم نے دل میں ایمان کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان پر اعتماد کھویا، تم نے دل کی دنیا میں خدا کی محبت سمجھنا اب تم اس کو باہر تلاش کر رہے ہو، تم اس واقعہ امتحان کے پیٹ فارم پر تلاش کر رہے ہو، تم سیاحی کا فرسوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاحی پر نیوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو بادشاہوں کے ایوانوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو کتب خانوں کے گوشوں میں تلاش کر رہے ہو، اس کا قانون ہے خدا کی غیبت کا فیصلہ ہے کہ جو چیز جہاں کھوئی ہے وہیں ملے گی۔

یہ کھوئی ہوئی چیز جسے تم نے دل میں کھویا ہے اور تم جانتے ہو کہ تم نے کھویا ہے، چیز جب گری تھی، اس کی آواز آئی تھی۔ شیشہ روتا ہے تو اس کی جھلک پیدا ہوتی ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ریت میں گر کر کھو گئی ہو اور آواز نہ آئی ہو، اس کی رسید آئی، اس نے اعلان کیا کہ میں جا رہی ہوں۔

ایمان جب کھویا تم کو معلوم ہے۔ اس کی صدائے بازگشت تمہارے کانوں میں آئی محبت جب کھوئی تو اس کی آواز آئی، اس نے پکارا، اس نے تم کو دہائی دی کہ میں جا رہی ہوں۔ نبوت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو تم کو احساس ہوا اور بتنے والوں نے بتایا، تم نے سنی ان سنی کر دی۔ یورپ کے داناؤ! تم نے اس وقت یہ شور مچا رکھا تھا، ایسی گھنٹیاں بج رہے تھے کہ جب

حضرت مسیح علیہ السلام کی عطا کی ہوئی چیز کھوئی تھی اور زمین پر سر اس نے آواز دی تھی تو تم اس کی آواز نہیں سنی، لیکن مسلمان تم کو بتاتا ہے کہ وہ چیز تم نے یہاں کھوئی، ڈھونڈ بھنے والوں کو وہیں ملے گی اب دیوان کا چشمہ وہیں ملتا ہے، جہاں وہ ہوتا ہے۔ ہزاروں دریا سہی، سمندر سہی، راوی و چناب سہی، گنگا و جمنہ سہی لیکن اب دیوان کا چشمہ تاریکیوں میں ملے گا، انہی تاریکیوں میں چنا پڑے گا، پہلے تاریکیوں میں پڑیں گی پھر اب دیوان کا چشمہ ملے گا۔

اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے۔ سننے میں ملنے والے بھروسے میں دنیا کے لئے یاد دہا کر میں، کہ اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے، سرف سرفی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا واسن پڑا جائے اور پھر چراغ بھی روشن کیا جائے جس سے دس کی کھوئی ہوئی چیز ملے۔ دل کا سراگم ہو چکا۔ دل تک پہنچنے کا راستہ کسی کے پاس نہیں، افسوس یہ ہے کہ راستہ نہیں، دس تک پہنچنے کا راستہ بہت نازک ہے، یہ بہت پتلی گلی ہے مگر راستہ وہی ہے۔

سنو کہ دماغ محنت زبان ہے، لیکن اس کی زبان ہے۔ دماغ انگریزی جانتا ہے، دماغ فرانسیسی جانتا ہے، دماغ عربی جانتا ہے، اسلی سے اسلی تقریریں کرو، لطیف نکلتے پیدا کرو، بلند سے بلند فلسفیانہ بحث کرو، لیکن دل ایک زبان جانتا ہے۔ دل انصاف کی زبان جانتا ہے، دل محبت کی زبان جانتا ہے، دل فسفوں سے نہیں سمجھے گا، باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے نہیں سمجھے گا، دل تو ایک ایمان کی زبان جانتا ہے۔ خدا کا نام و توال جاگ اٹھے گا، خدا کے نام سے پکارو، دل دوڑ پڑے گا، خدا کے یہاں اس چیز کی کمی نہیں، طاقت کی کمی نہیں، تنظیم کی کمی نہیں، دولت کی کمی نہیں، دانائی کی کمی نہیں، سب قدموں کے نیچے ہیں۔ لیکن دل کو جگا لو اور دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستے پر ڈال دو اور دل میں انسان کی محبت پیدا کرو، دل کی اس خبر زمین میں پھر صد حیت پیدا کرو اور وہ صد حیت پیدا نہیں ہوگی جب کہ اپنے نفسی اغراض و مقاصد کی کھاد اس میں نہ ڈالو۔

یہ تمہاری دولت پرستی، یہ تمہاری جاہ پرستی، یہ تمہاری غرض پرستی یہ تمہاری حکومت پرستی یہ کھاد ہے اس کی، جب اس کو کھاد بنا کر زمین پر ڈالو گے تو دل کی بھیجی خزانہ اگلے گی پھر خصوص پیدا ہوگا، کھاد ہوگی۔ تم نے دیکھا ہے کہ کھاد ہمیشہ نندی ہوتی ہے، مگر کھاد سے جو چیز پیدا ہوتی ہے، وہ ایسی لطیف و نفیس ہوتی ہے۔ جب اغراض و غطا مقاصد کی کھاد انسانیت دشمنی کی، جاہ پرستی

کی حکومت پرستی کی، بھادو اہوگے تو اس سے خصوص برآمد ہوگا، اس سے صداقت برآمد ہوگی، اس سے انصاف برآمد ہوگا، اس سے انسانیت کی فدا کی طلب برآمد ہوگی اور پھر دنیا میں بہار آئے گی اور یہ دنیا جنت کا راستہ بن جائے گی۔

وما علیہا الا البلاغ المبین

صور زندگی

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد O فاعوذ

بالله من الشيطان الرجيم O بسم الله الرحمن الرحيم O

بعثت سے پہلے دنیا کے حالات

حضرات اذرا پودہ سو برس پہلے دنیا پر نظر ڈالتے، اونچی اونچی عمارتوں، سونے چاندی کے ڈھیروں اور زرق برق ہاسوں کو چھوڑ دیجئے، یہ تو آپ کو پرانی تصویروں کے مرقع اور مردہ عجیب خانہ میں بھی نظر آ جائیں گے، یہ دیکھئے کہ انسانیت بھی جیتی جاگتی تھی، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھر کر دیکھ دیجئے، درمیان میں روک کر آٹ لیجئے، ہمیں اس کی بعض چھٹی ہوئی اور اس کا دل دھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے؟

زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی مچھلی مچھلی کو کھانے جا رہی تھی، انسانیت کے جنگل میں شیر، ہار چیتے، سوار اور بھیڑیے ہریوں اور بھیڑیوں کو کھا رہے تھے، بد کی نیکی پر، رزالت شرافت پر، خواہشات عقل پر اپنیٹ کے تقاضے روح کے تقاضوں پر غائب آچے تھے، لیکن اس صورت حال کے خلاف تنہا ہی چوڑی زمین پر ہمیں حجاب نہ تھا، انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی شہن نظر نہیں آتی تھی، ساری دنیا میں ایک منڈی بن چکی تھی، بادشاہ و وزیر، میر و غریب، اس منڈی میں سب کے دام تک رہے تھے اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے، کوئی ایسا نہ تھا جس کا جوہر انسانیت خریداروں کے حوصلے سے بند ہو اور جو پکار کر ہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لئے کافی نہیں، یہ سہمی دنیا اور یہ پوری زندگی میرے حوصلے سے کم تھی، اس لئے ایک دوسری ابدی زندگی میرے لئے پیدا کی گئی، میں اس فانی زندگی اور اس محدود دنیا کی ایک چھوٹی سی سر پرانی روح کو اس طرح فروخت کر سکتا ہوں؟

حقوہوں اور ملکوں کے اور ان سے نزر کر قبیلوں اور برادریوں کے اور ان سے آگے بڑھ

مرتبوں اور آہ افوں کے چھوٹے سے تھوڑے آہ مندے تن کے تھے اور بڑے بڑے بلند ہمت انسان بہن واپنی سرفروزی و سر بندگی کے لیے اپنے جسم کے تھے ہا شقیوں کی طرح ان آہ مندوں میں رہنے کے عادی بن چکے تھے۔ کسی جوان میں بھی اور نوجوان محسوس نہیں ہوتی تھی اور کسی واس سے زیادہ وسیع تر انسانیت کا تصور باقی نہیں رہا تھا زندگی ساری سود و سودا اور مروتوں میں گھر رہ گئی تھی۔

نسانیت ایک سدا شدہ تھی جس میں میں روت کی تپش اس کا سہارا و اشتیاق و حرارت باقی نہیں رہی تھی۔ انسانیت کی سطح پر دوبارہ داخل آئے آہ تھوڑے طرف بھاریاں تھیں جن میں خونخوار رندے اور نہریلے کے تھے ہا میں تھیں بہن میں۔ مے کے پہلے ہائے و ر خون یہ سنہاں جو نہیں تھیں اس جنگل میں ہر صحن کا خون کا باغ و شکاری پرندہ اور مددوں میں ہر قسم کی چونک پائی جاتی تھی لیکن آوازوں کی اس ہستی میں آدمی نظر نہیں آتا تھا جو آدمی تھے وہ عماروں کے اندر، پہاڑوں کے اوپر اور خانقاہوں اور عبادت گاہوں کی خصوصیات میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی خیمہ منار ہے تھے، یا زندگی میں رہتے ہوئے زندگی سے آنکھیں بند کر کے فلسفہ سے پند دل بہلا رہے تھے یا شاعری سے اپنا غم خطا کر رہے تھے اور زندگی کے میدان میں کوئی مرا میدان نہ تھا۔

حضور ﷺ کی بعثت:

واقعہ انسانیت کے اس سہو و غم میں سرمخون کی ایک روآوری نبض میں حرارت اور زخم میں ہنہش پیدا ہوئی۔ جن پرندوں نے اس کو مراد سمجھ کر اس کے بے حس و سم کے سائن سطح پر وہیہا رہا تھا۔ ان کو اپنے آہ بہتے ہوئے و زخم رزتے ہوئے محسوس ہوئے۔ قدیم یہ ست نگار اس کو اپنی خاص زبان میں یوں بیان کرتے ہیں کہ سری شاہ ایران کے محل کے اندر کے سرے و رات آتش پارس ایک دم بجھ گئی۔ زمانہ حال کا مورخ اس کو اس طرح بیان کرے گا کہ انسانیت کی اس اندرونی حرارت سے اس کی بیرونی سطح پر شہاب پیدا ہوا۔ اس کی اس سائن و بے حرارت سطح پر جتنے مزار اور بودے قلعے بنے ہوئے تھے ان میں زلزلہ آیا۔ مری کام جا، وقت اور تنوں کا ہر کھوسلہ یکھرتا نظر آیا۔ زمین کی اندرونی حرارت سے اُس سنگین عمر تیں اور آہنی برج خزاں کے

پتوں کی طرح جھڑکتے ہیں تو پیغمبر کی آمد سے سری و قیصر کے خود ساختہ نظاموں میں توازن کیوں نہ ہوگا؟ زندگی کا یہ سرمخون جو انسانیت کے سرِ سر میں دوڑا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا واقعہ ہے جو متمدن دنیا کے قلبِ مدِ معظمہ میں پیش آیا۔

حضور ﷺ کا امت کو پیغام

آپ نے دنیا کو جو پیغام دیا، اس کے مختصر لفظ زندگی کی تمام وقعتوں پر حاوی ہیں۔ تارتی گواہ ہے کہ انسانی زندگی جڑیں اور اس کے جھوٹے قصے زندگی کی بنیادیں بھی اس روبرو سے نہیں ہلانی کہیں اور دنیا کے اندر بہن پر بھی ایسی چوٹ نہیں پڑتی تھی، جیسے ن فظوں سے پڑتی۔ وہ قصہ سے قلم کیا اور اس نے جھجھلا کر کہا: **احعل الا لہة الہا واحدا ان ہذا السی عحاب** (ایسا ان سب کو جن کی ہم پرستش کرتے تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے تھے ترا کر ایک ہی معبود مقصود مقرر کر رہا ہے) یہ تو بڑے چنبٹ کی بات ہے (اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ہمارے نظام زندگی کے خد ف یک ہری اور منظم سازش ہے اور ہم کو اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ **وانطلق الملامہم ان امشوا واصروا علی الہکم ان ہذا الشی یراہ** (ان کے سردار اور ذمہ دار ایک دوسرے کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر نئے رہو۔ یہ تو کوئی طے کی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔)

لا الہ الا اللہ کے پیغام کا مطلب:

یہ غرہ زندگی اور انسانیت کے پورے تصور پر ایک کاری صرب تھی جو ذہن کے پورے سانچے اور زندگی کے پورے ڈھانچہ و متاثر کرتی تھی۔ اس کا مطلب تھا جیسا کہ آج تک سمجھا جاتا رہا، یہ دنیا کوئی خود رو جنگل نہیں بلکہ یہ ماں کا کایا ہوا آراستہ باغ ہے اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول ہے، یہ پھول جو بہاروں بہاروں کا سرمایہ ہے، اب مقصد نہیں کہ مل جل کر رہ جائے۔ اس کے اندر وہ محمد و مطلب، وہ بلند ہمت، وہ بلند پرواز روح اور وہ مضطرب دل ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی تسکین نہیں کر سکتی اور یہ سست عناصر دنیا اس کے ساتھ نہیں چل سکتی، اس کے لئے غیر فانی زندگی اور ایک لامحدود دنیا رکا رہے، جس کے سامنے یہ زندگی ایک قطرہ اور یہ

دنیا بزرگچہ اطفال ہے، وہاں کی رحمت کے سامنے یہاں کی رحمت اور وہاں کی تکلیف کے سامنے یہاں کی کوئی تکلیف حقیقت نہیں رہتی، اس سے انسان کا فطری تقاضا خدائے واحد کی عبادت، اس کی خود شناسی، رضا کے انہی بن طلب، اور اس کی زندگی اس کے لئے جدوجہد ہے۔ انسان کو کسی روح، کسی مخفی و فرضی طاقت، کسی درخت و پتھر، کسی قسم کی دھات اور جمادات، کسی مال و دولت، کسی جاہ و عزت، کسی طاقت و قوت اور کسی روحانیت و عظمت کے سامنے بندوں کی طرح جھکنے اور ہزنی طرح پامال ہونے کی ضرورت نہیں، وہ صرف ایک بلندی کے سامنے سب سے زیادہ پست اور سب پستیوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ بلند ہے، وہ سارے عالم کا مخدوم اور ایک ذات کا خادم ہے، اس کے سامنے فرشتوں کو جودہ راکر اور اس کو اللہ کے ساتھ ایک کے جودہ سے منع کر کے ثابت کر دیا کہ کائنات کی طاقتیں جن کے فرشتے امین ہیں ان کے سامنے سرخس اور سرخجود ہیں ورس کا سر اس کے جواب میں اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

کفار مکہ کی حضور ﷺ کو پیشکش :

دنیا کا ذہن اتنا شل ہو چکا تھا کہ وہ ہادیات و محسوسات و رسم اور پیٹ کے حدود سے باہر آسانی سے کام نہیں کر سکتا تھا۔ وہاں کا ذہن اتنا تھا ہو چکا تھا کہ وہ کسی انسان سے متعلق ہر اور بلند تصور قلم ہی نہیں کر سکتا تھا، انہوں نے پھر پیانے بند رکھے تھے، ہر نئے شخص کو اس پیانے سے ناپتے تھے، زندگی کی جو چھوٹی چھوٹی بلندیاں بن چکی تھیں، ہر بلند انسان و انہیں کے سامنے سر دیکھتے تھے، انہوں نے بڑے غور و فکر و زہانت سے کام لیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کے آنے نہ سوچ سکے کہ یا تو وہ مال و دولت کے یا سرمایہ داری و بادشاہی کے یا عیش و عشرت کے طالب ہیں، انصاف کیجئے تو اس وقت تک دنیا کا تجربہ اس سے زیادہ اور کیا تھا اور اس نے اپنے زمانے کے حوصلہ مندوں اور شہبازوں کی اس سے بلند پرواز کب دیکھی تھی؟ انہوں نے آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا، یہ دراصل اس عصر کے ذہن و دماغ اور نفسیات کی پختہ نمندی اور اس نے جو پتھر پہا، وہ زمانہ کے حسرت کی سیج تر جہانی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اس کا جواب دیا، وہ نبوت کی سیج نمادی اور امت مسلمہ کی حقیقت کا اصلی اظہار تھا، آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ ان میں سے کسی چیز کے صاحب نہیں، آپ جس چیز کے داعی ہیں وہ ان کی ان بلند چیزوں سے

اس سے بھی زیادہ اونچی ہے جتنا آسمان اس زمین سے، آپ اپنی ذاتی راحت اور ترقی کے لئے فکر مند نہیں بلکہ نوع انسانی کی نجات اور اس کی راحت کے لئے بچیں ہیں، آپ اس دنیا میں اپنے لئے کوئی مصنوعی جنت بنانے کے خواہشمند نہیں بلکہ جنت سے نکالے ہوئے انسان کو حقیقی جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنی سرداری کے لئے کوشش نہیں بلکہ تمام انسانوں کو انسان کی غلامی سے نکال کر بادشاہ حقیقی کی غلامی میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ امت بنی اور یہی پیغام لے کر تمام دنیا میں پھیل گئی۔ ان کے سفیروں نے جو اپنے اندر دعوت کی سچی روح اور اسلام کی صحیح زندگی رکھتے تھے، کسریٰ اور قیصر کے بھرے دربار میں صاف کہہ دیا کہ ہم کو اللہ نے اس کام کے لئے مقرر کیا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں اور مذہب کی انصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں، ان کو جب اپنے اصولوں پر حکومت قائم کرنے اور چلانے کا موقع ملا تو وہ جو کچھ کہتے تھے اور جس کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے، اس کو جاری کر کے دکھا دیا، ان کی معیاری حکومت کے زمانے میں کسی انسان کی بندگی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اللہ کی بندگی ہوتی تھی، کسی انسان یا جماعت کا حکم نہیں چلتا تھا بلکہ اللہ کا حکم چلتا تھا، ان کا حاکم جس کو وہ خلیفہ کہتے تھے معمولی سی انسانی تحقیر پر کہہ اٹھتا تھا کہ لوگ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے۔ تم نے ان کو کب سے غلام بنالیا؟ ان کا بڑے سے بڑا حاکم بڑی بڑی بادشاہتوں کے دارالسلطنت میں شان سے رہتا تھا کہ لوگ اس کو مزدور سمجھ کر اس کے سر پر بوجھ رکھ دیتے تھے اور وہ اس کو ان کے گھر پہنچاتا تھا۔ ان کا دولت مند سے دولت مند انسان اس طرح زندگی گزارتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس زندگی کو زندگی اور اس کی راحت کو راحت ہی نہیں سمجھتا۔ اس کی نظر کسی اور زندگی پر ہے اور اس کو طلب کسی اور راحت کی ہے۔

دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ ایک دوسری روشن حقیقت بھی ہے اس امت کا وجود دنیا کے برکوشہ میں مادی حقیقتوں اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا اعلان ہے۔ اس کا ہر فرد پیدا ہو کر اور مر رہے بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کی طاقتوں سے بڑی اور ایک دوسری طاقت ہے اور اس زندگی سے زیادہ

حقیقی دوسری زندگی ہے۔ وہ دنیا میں آتا ہے تو اس کے کان میں اسی حق کی اذان دی جاتی ہے، مرتا ہے تو اسی شہادت و مظاہرہ کے ساتھ اس کو رخصت کیا جاتا ہے، جب اس دنیا پر پہنچا اور موت کا سلوک صوری ہو جاتا ہے اور شہر کی ساری آوازیں معاش و جدوجہد میں سرتاپا غرق ہو جاتی ہے اور دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ کوئی اور نہ مروت اور محسوس حقیقتوں کے علاوہ کوئی اور حقیقت جیتی جانتی نظر نہیں آتی، اس میں مبنی اذان اس نظم و ترتیب اور اس کا اعلان کرتی ہے کہ نہیں نسیم اور پیٹ سے زیادہ وایب دوسری روشن حقیقت ہے اور وہی کامیابی کی راہ ہے۔ یہی علی الصلوٰۃ حی علی الفدا کا بازار کا شور اس نعرہ حق کے سامنے دب جاتا ہے اور سب حقیقتیں اس حقیقت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے بندے اس آواز پر دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں، جب رات کو پورا شہر میٹھی میند سوتا ہے اور یہ جیت جاتی دنیا ایسا وسیع قبرستان ہوتی ہے، دفعتاً موت کی اس بستی میں زندگی کا سرچشمہ اس طرح ابھرتا ہے جس طرح رات کی سیاہی میں صبح کی سپیدی نمودار ہو۔ اصلوٰۃ خیر من انوم سے اٹھتی سوتی انسانیت و تازہ اور زندگی کا پیغام ملتا ہے، جب کسی طاقت و سلطنت کا کوئی قریب خوردہ انارکیم اعلیٰ (میں تمہارا سب سے اونچی پروردگار ہوں) اور ملک من الہ غیری (میرے ساتھ تمہارا کوئی معبود نہیں) کا نعرہ گاتا ہے تو ایسا غریب مؤذن اسی مملکت کی بلندیوں سے اللہ اکبر کہتا ہے کہ اس کے دعویٰ خدائی کا تسخیر اڑتا ہے اور اٹھتا ہے کہ اللہ اکبر کہتا ہے کہ حقیقی بادشاہت کا اعلان کرتا ہے۔ اس طرح دنیا کا مزاج بے اعتدالی سے اور اس کا دماغ بھکنے سے محفوظ رہتا ہے۔

اب بھی عرفان ایمان اور اعدت دنیا کی حیات نو کا نہ پتہ اور صحیح و صالح اقتداب کا واحد ذریعہ ہے:

یہ سحر جو ابھی فردا ہے کبھی امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شہستان و جود
ہوتی سے بندۂ مومن کی ازاں سے پیدا

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

توحید خالص اور اتباع سنت کی دعوت

[illegible]

الحمد لله حمده و نستعبه و نستغفره و نعوذ به و نتوكل عليه و
نعوذ بالله من شرر انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له
و من يضل الله فلا هادي له و يشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك
له و يشهد ان سيدنا و مولانا محمد اعبده و رسوله صلى الله تعالى
عليه و على اله و اصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان
الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

میرے عزیز دوستوں اور بھائیو

میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، خالص طور پر اپنے عزیز طالب و جو اس عاقبت سے یہ عاقلانہ کے آس پاس سے آئے ہیں، ان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے نعمت فرمایا ہے کہ ان کے والدین پر کہ جنہوں نے اپنے بچوں کو ایسے مدرسہ میں دینی تعلیم کے لئے بھیجا جو ایک ایسی جگہ پر واقع ہے، اور ایسے بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، جو صحیح عقیدہ پر تھے، توحید خالص کے عقیدہ پر تھے اور اتباع سنت ان کا دستور تھا، اتباع سنت پر عمل تھا اور شرک و بدعت سے ان کو سخت نفرت تھی، کسی کو گندگی سے اتنی نفرت نہیں ہو سکتی، نجاست سے اتنی نفرت نہیں ہو سکتی، بیہاریوں سے اتنی نفرت نہیں ہو سکتی، اور جسمانی تکلیف سے اتنی وحشت اور پریشانی نہیں ہو

سکتی جتنی ان کو شرک و بدعت کی باتوں سے نفرت تھی، اس قدر کافیش بہت اور رتک پہنچا۔ اس میں ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں جن کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے تاریخ میرا موعود ہے، تاریخ پڑھتا ہی نہیں، بلکہ لکھتا بھی ہوں آپ سے کہتا ہوں، پورے وقت کے ساتھ اور مطابق روشنی میں کہتا ہوں کہ یہاں ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں، کہ ہندوستان میں بھی بہت لمبا ایسے مرتبہ ہستیاں پیدا ہوئیں، ان کو سرے ہندوستان نے مانا اور ان کو سر پر بٹھایا اور آنکھوں میں جلد دی، اور جب ذکر کرتے ہیں، تو ایسے ادب کے ساتھ اور ایسے عقیدت کے ساتھ کہ جیسے کہ تہج ہوتا ہے، اس میں حضرت شاہ عظمیٰ اللہ جو اس علاقہ سے رائے بریلی چلے گئے اور وہاں قیام اختیار کر لیا، اور مسجد بنائی اور وہاں اللہ کا نام سکھانا شروع کیا، اللہ رسول کے نام سے لوگوں کو واقف کرانا شروع کیا، توحید و سنت کی تعلیم دی اور شرک و بدعت کی خباثت سے احتیاط کرنے اور شریعت پر عمل کرنے کا پورا عہد بنا دیا، ان کے حالات میں کتا میں بھی ہیں، اور ان کا تذکرہ دور دور پھیلا، ان کے بعد انھیں کے پوتے حضرت سید احمد شہید نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا، لوگ جتنیں امام المسلمین اور تیرہویں صدی کا مجدد مانتے ہیں اور ہم نے اپنے بزرگوں اور دیوبند کے بزرگوں کو اور اس کے آس پاس دہلی کے بزرگوں کو دیکھا ہے، ان کا نام بڑے ادب سے جیتے تھے، مولانا حسین احمد مدنی فرماتے تھے کہ حضرت سید احمد شہید وہ بزرگ تھے جن کی وجہ سے ہم لوگ مسلمان ہیں اور اسلام پر پورا عمل کر رہے ہیں، سید صاحب کی تحریک سے سارا ہندوستان متاثر ہوا، انھوں نے اللہ کے رستہ میں شہادت پائی، ان کا یہ حال تھا کہ وہ جدھر سے گذر جاتے تھے، کسی شہر میں تھوڑی دیر سیسے ٹھہر جاتے تھے، تو وہاں سے شرک و بدعت کا فور ہو جاتی تھی، اور اس کا نام مٹ جاتا تھا اور لوگ حرام پیشہ چھوڑ دیا کرتے تھے، اخلاق ان کے جدھر جایا کرتے تھے، پائیز ان میں پیدا ہو جاتی تھی اللہ کا ذکر پیدا ہو جاتا تھا، مخلوق خدا کا خیال پیدا ہو جاتا، بڑی بڑی کتابیں ان کے حاست پر لکھی گئی ہیں، انگریزی میں بھی اور عربی میں بھی، اردو اور فارسی میں بھی۔

ان کا ذکر کسی پڑھے لکھے آدمی کے سامنے کر کے دیکھئے یہاں سے لے کر افغانستان تک سب ان سے واقف ہیں، ان کے بعد حضرت خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی کی وجہ سے بہت دور تک اتباع سنت کا رواج پھیل اور شرک و بدعت سے نفرت ہوئی اور پھر آخر میں حضرت

مولانا محمد امین صاحب نصیر آبادی جن کے دیکھنے والے ابھی زندہ ہوں گے، وہ بھی اس خاندان کی وجہ سے یہاں سے جو نیور تک اور اعظم گڑھ تک اور آس پاس کے جتنے اضلاع ہیں ان میں سنت کا نور پھیلا اور توحید کا عقیدہ پھیلا، شرک و بدعت سے نفرت پیدا ہوئی، جب ہم ندوۃ العلماء میں پڑھتے تھے، وہاں ایک بڑے عالم تھے، مولانا شبلی فقیہ، ان سے ہم فقہ کی کتابیں پڑھتے تھے وہ کہنے لگے کہ دیکھو ہمارے اعظم گڑھ میں کوئی شرک و بدعت کو نہیں جانتا، نہ امام باڑے ہیں، نہ شرک ہے، نہ بدعت، ہم نے کہا الحمد للہ خوشی کی بات ہے، فرمایا جانتے ہو کیوں؟ ہم نے کہا فرمائیے، فرمایا کہ حضرت خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی اور مولانا محمد امین صاحب کی وجہ سے، ان کی آواز وہاں تک پہنچی، یہ قدم مبارک پہنچے تو ابھی کبھی شہر کا شہر صاف ہو گیا۔

ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں، آپ ایسی جگہ کے رہنے والے ہیں، یہ مدرسہ ان کی دعاؤں کی مقبولیت کا نتیجہ ہے، کہ اتنے دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کی توفیق عطا فرمائی کہ اتنا بڑا مدرسہ بنا، کہ کم جگہ ایسے مدرسے ہیں، اس مرتبہ ہم بہت دنوں کے بعد آئے مدرسہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ یہاں اتنی بڑی بڑی عمریں ہیں، کئی سوطلباء رہتے ہیں اور اچھے اچھے استاد ہیں، میں آپ سے کہتا ہوں اور یہ بات ذہن میں تازہ کر میں ذہن میں جب چیز تازہ نہیں ہوتی تو وہ رکی بن جاتی ہے تو اس کا اثر نہیں پڑتا، کبھی کبھی اس کا شکر ادا کیا کریں، نمازوں کے بعد شکر ادا کریں، کہ اے اللہ تیرے فضل سے کہ تو نے ہمیں ایسی بستی میں پیدا کیا اور ہم کو ایسے مدرسہ میں بھیجا اور ایسے مدرسہ کا ہمارے لئے انتخاب کیا، جو صحیح عقیدے پر قائم ہے، توحید و سنت پر قائم ہے، یہی بنیاد ہے۔

اگر توحید و سنت نہیں ہے تو چاہے ہم میں اٹے، چاہے پانی پر چلے، چاہے سارے دن ساری رات نماز پڑھے، تو کوئی فائدہ نہیں ہے، اصل چیز توحید و سنت یہی دین کی بنیاد ہے، یہ دین اللہ کے رسولؐ لے کر آئے، اس دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا ہے، دین کے ایک ایک حکم کا پابند ہونا ہے، اس کا اب کرنا ہے، شرک و بدعت کے سایہ سے دور رہنا ہے، اور دل سے اس سے نفرت کرنا ہے، یہ دین کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

قدیم مذاہب جو ناکام ہوئے وہ اس لئے کہ اخیر میں جا رہے تھے ہو گئے کہ ان میں وہ غلط عقائد شامل ہو گئے، رسم و رواج شامل ہو گئے، وہ مذہب، مذہب نہیں رہا بلکہ ایک رواج بن گیا، ان کے بزرگ یوں کیا کرتے ہیں اور ہمارے بزرگ یوں کیا کرتے تھے، اس طرح عبادتیں کرنی چاہئیں، اس طرح بلانا چاہئے، اس طرح پہننا چاہئے، اس طرح تعظیم کرنی چاہئے، اس طرح بزرگوں کے مزار پر سر جھکانا چاہئے اور دعا کرتے چاہئے، ایسے ایسے رواج و فضول خرچی شادی بیاہ میں کیسی کیسی رسمیں شامل ہو گئیں کہ کلیجہ منہ آتا ہے۔

ہندو مذہب کو دیکھ لیجئے، جین مذہب کو دیکھئے، سب رواجوں کا نام ہے، ہمارے خاندان میں بھی اس طرح ہوتا آیا ہے، اور یہ ہمارے یہاں کا دستور ہے، ہم تو یہ کریں گے، اللہ کا حکم کیا ہے، اس کے رسول کا حکم کیا ہے، دین کیا کہتا ہے، کتابیں اور آسمانی صحیفے کیا کہتے ہیں، حضورؐ کی سنت کیا کہتی ہے، اس سے بحث نہیں، ایسا ہوتا آیا ہے۔

”انا وجدنا آباءنا علی امة وانا علی اثارہم مقتدون“

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا ہے

ہم تو وہی کریں گے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس مضمون کو اپنے ذہن میں تازہ رکھنا چاہئے، جب چیز بھولی بسری ہو جاتی ہے تو اس کا اثر نہیں رہتا، کبھی کبھی اس بات کو تازہ کر لینا چاہئے، سوچنا چاہئے، اپنے ذہن کو بیدار کرنا چاہئے کہ ہم کہاں ہیں، کس جگہ ہیں، یہاں کیسے کیسے لوگ تھے، کیا ان کی دعوت تھی، کس چیز کے لئے انھوں نے قربانیاں دیں، جان و مال عزت و آبرو سب اس پر لگا دی وہ یہ کہ صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کو کارساز، کسی کو مددگار اور کسی کو مشکل کشا، اور کسی کو باجست روانہ سمجھا جائے، وہی ہے جو دیتا ہے، وہی ہے جو عزت دیتا ہے، وہی ہے جو روزی دیتا ہے، وہی ہے جو اولاد دیتا ہے، وہی ہے جو نعمت دیتا ہے، وہی ہے جو زندگی بڑھاتا ہے، ”الاله الحلق والامیر“، ان کا کام ہے پیدا کرنا، حکومت چلانا، انتظام کرنا۔

میرے عزیزو پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اللہ کا شکر ادا کریں، اللہ آپ کے والدین و جزائے خیر، اللہ کا، اور اللہ ان کا سایہ قائم رکھے، اگر زندہ ہیں اور اگر دنیا سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت فرمائے کہ انھوں نے آپ کو سی انگریزی اسکول میں نہیں بھیجا، ورنہ آپ بھی نہ

جانتے کہ آپ کون ہیں اور کس نے یہ دنیا بنائی ہے اور کس لئے بنائی ہے، کس طرح اس کو راضی کرنا چاہئے اور کیا اس کی رضا و خوشی کے کام ہیں، کیا ناپسندیدگی کے کام ہیں، کیا حرام ہے، کیا حلال ہے، کیا صحیح عقیدہ ہے، کیا غلط عقیدہ ہے، کیا گمراہی ہے کچھ نہیں جانتے، وہاں یہ چیزیں بتائی ہی نہیں جاتیں، وہاں تو بس یہ ہے کہ فارغ ہو جائیں، کوئی چھوٹی موٹی نوکری مل جائے، جس سے اپنا پیٹ بھر سکیں اور اپنا گھر چلا سکیں، باقی نہ عقیدہ نہ اخلاق نہ تربیت اور نہ صحیح انسانیت، کچھ نہیں، اس پر شکر ادا کریں، کہ اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی، جب چیز کی اہمیت دل میں نہیں ہوتی تو آدمی کا شکر ادا نہیں کرتا، تو یہ بہت بڑی دولت ہے، محرومی ہوگی۔

”لئن شکرتم لازید نکم“ ”قرآن شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ تم کو دوں گا، تو قرآن مجید میں شکر ادا کرنے کی اس کے جاننے کی اور محسن کو پہچاننے کی بڑی تاکید آئی ہے، تو آپ شکر کریں کہ اللہ نے والدین کو ہمارے سر پرستوں کو توفیق دی جنہوں ہمیں یہاں بھیجا، تاکہ ایسی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کریں، جہاں صحیح عقیدہ بتایا جاتا ہے اور جہاں دین سکھایا جاتا ہے، اخلاق بتایا جاتا ہے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی تعلیم اور سنتوں پر چلنے کی ترغیب دی جاتی ہے، اگر شکر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگا، ”لئن شکرتم لازید نکم“ اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ دیں گے، اور یہ کچھ نہ خیال کیا، بس درجہ میں گئے پڑھ لیا، کھانا کھالیا، نماز کا وقت آیا نماز پڑھ لی، لیکن یہ یہ نہیں کہ ہم کہاں ہیں، یہاں کی کیا خصوصیت ہے، یہاں کی کیا تعلیم ہے، یہ کس بنیاد پر قائم ہے، تو یہ اچھی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ”للمسجد أسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ“ وہ مسجد جو خدا کے خوف پر قائم کی گئی، اس کی بنیاد رکھی گئی، وہ زیادہ اس کی مستحق ہے کہ تم خدا کی عبادت کرو، ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقدر فرمایا کہ آپ اس مدرسہ میں آئے جو صحیح عقیدہ کا مرکز ہے، صحیح العقیدہ قصبے کے قریب واقع ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بانی اور مولا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، انہوں نے اسی جذبہ سے اسے قائم کیا کہ یہاں صحیح دین سکھایا جائے، طابعہ عملوں کو دالی بنایا جائے، نہ صرف خاندان کے لئے بلکہ قصبہ کے لئے بھی، بلکہ اس سے بڑھ کر سرے عالم کے لئے ان کو تیار کیا جائے دوسری بات یہ ہے کہ آپ تعلیم حاصل کرنے کی چوری

کوشش کریں، اللہ تعالیٰ نے اس امت کی قسمت دین سے وابستہ کی ہے، ہم جو چیز بار بار پڑھتے ہیں، تو خیال نہیں آتا، بڑے غور کرنے کی بات ہے، کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً پانچ چھ سو برس بعد یہ عزت انسانیت کو ملی ہے، صحیح نسل کو ملی ہے، ایک ہستی کو، ایک مخلوق کو جن کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو مکہ کے رہنے والے تھے، نبوت کے لئے ان کا انتخاب فرمایا، وہ پڑھے ہوئے نہیں تھے، وہ امی تھے اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ بار بار آتا ہے اور اس کے معنی ہیں ان پڑھ، آپ نے تعلیم حاصل ہی نہیں کی، مکہ میں تعلیم کا رواج ہی نہیں تھا یا آپ کو موقع نہیں ملا، اور ایسے حالات تھے کہ نہ وہاں مدرسے تھے نہ مکاتب تھے تو آپ بنی امی ہیں اور یہ قوم بھی امی کہلاتی ہے، کیونکہ وہ قوم بھی ان پڑھ تھی، بلکہ وہ کہا کرتے تھے ”نحن امیہ امیون“ فخر کے طور پر کہتے تھے ہم ان پڑھ لوگ ہیں اس کو بے عزتی کی بات نہیں سمجھتے تھے، ایسے انداز سے کہتے تھے کہ اس پر فخر ہو، ہم لوگ پڑھے لکھے لوگ نہیں ہیں، کہ پڑھے لکھے لوگ معصوم نہیں کیا کیا کرتے ہیں، کیسی کیسی چالاکی کرتے ہیں، اس سے وہ کہتے تھے کہ ہم ان پڑھ لوگ ہیں، یہودی بھی کہتے تھے ان کو تکلیف پہونچانا یا ان کی کسی چیز پر قبضہ کر لینا گناہ نہیں ہے، یہ امی لوگ ہیں، ان کو تکلیف دینے سے ان کی چیز پر قبضہ کر مینے سے کوئی گناہ نہیں ہوا کرتا، جیسے آدمی جانوروں سے کہے، کہ اس کے مارنے ہنکا پینے یا تکلیف دینے یا کام لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ایسے بنی امی پر ایسی امت امیہ پر اور ایسے امی مقام و شہر میں پہلی وحی نازل ہو رہی ہے اور آسمان سے رشتہ قائم ہو رہا ہے اور جس چیز سے شتہ قائم ہو رہا ہے اور چھ سو برس کے بعد قائم ہو رہا ہے، اس کے پہلے پیغام میں کیا کہا جاتا، پتہ نہیں کیا کیا چیزیں ہیں، کہنے کی، پورا قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور آپ پڑھیں گے اور عربی سمجھنے لگیں گے، کہ معلوم نہیں کیا کیا علوم اور تعلیمی درجہ کے حقائق و درکیاں خرابیاں ان کے اندر تھیں، وہ ایسی تھیں کہ ان میں سے کسی ایک کو نشانہ بنایا جاسکتا تھا کہ غیر اللہ کی پرستش نہ کرنا، جو چیز اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے اس کو مت رنا، اور ایسے ہی بہت سی بد اخلاقیات تھیں، بڑیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتا تھے، اس وحی کے ذریعہ کو پہلی تعلیم دی جا رہی ہے کہ پڑھو سننے ایسے لوگ ہیں جو کتابوں کے مصنف ہیں لیکن ان کو غلام کرنے میں، جھوٹ بولنے میں، لوگوں کو غلام بنانے میں، اپنی خواہش پوری کرنے میں کوئی

عاری نہیں ہوتا، ایک ہندوستانی فلسفی لندن گئے، وہاں کسی نے کہا کہ دیکھئے، چند گھنٹہ میں ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پیرس پہنچ سکتے ہیں، سمندر پار کر سکتے ہیں، تو ہمیں اڑنا بھی آتا ہے اور تیرنا بھی آتا ہے، انھوں نے کہا لیکن زمین پر چلنا نہیں آتا، زمین پر آدمی کی طرح چلنا نہیں سیکھا، متکبروں کی طرح چلتے ہو، ظالموں کی طرح چلتے ہو، بس خالی علم کافی نہیں ہے، بلکہ وہ علم جو اللہ کے نام سے شروع ہو، صرف یہ نہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لی جائے بلکہ اللہ کی محبت سے شروع ہو، اللہ کے خوف سے شروع ہو، اللہ کے احکامات و ہدایات معصوم کرنے سے شروع ہو، ادب و تعظیم کے ساتھ شروع ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی اور آپ کے لئے یہ جگہ بھی انتخاب کی اور آپ کو توفیق دی کہ قرآن وحدیث کا علم پڑھیں، جس سے عقائد صحیح ہوں کہ آپ گناہوں سے بچیں، گناہوں کی قیامت، گناہوں کی خرابی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں، اس پر شکر ادا کرنا چاہئے، شکر ادا کرنے سے اضافہ ہوتا ہے، ”لن شکرتکم لازیدکم“ اس پر شکر کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس جگہ کا اور اس مدرسہ کا انتخاب کیا، آپ کی عمر کے ”وگ“، ”کنبہ و خاندان کے بچے ایسے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں جہاں ہندی دیوبائی، تعلیم دی جاتی ہے، اور وندے ماترم پڑھا جاتا تھا، لیکن اللہ نے آپ کو بچپن، آپ شکر ادا کریں، استعداد پیدا کریں، اعتراف کریں، انشاء اللہ عمر میں برکت ہوگی، علم میں برکت ہوگی، یہی مقصد ہے کہ آپ کو صحیح عقائد معصوم ہونا چاہئے، کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والی صرف ایک خدا کی ذات ہے، وہی پیدا کرنے والا ہے، وہی جلانے والا ہے، الا لہ الحلق والامر“ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے، ”انہ ادا اراد شینا ان یقول لہ کن فیکون“ اس میں نہ کسی نبی کا دخل ہے نہ کسی ولی و ابدال کا دخل ہے، نہ کسی فرشتہ کا دخل ہے، وہی اولاد دیتا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی مارتا ہے، وہی جلاتا ہے، یاد رکھیے اسی کا کام ہے، پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے اس کو چلانا، اور انتظام کرنا۔“

آپ ایسی جگہ ہیں جہاں صحیح عقیدہ کی تعلیم دی جاتی ہے، کتاب و سنت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نمازوں کی پابندی کی جاتی ہے، یہاں مسجد بنی ہوئی ہے، پانچوں وقت کی نماز پڑھتے ہیں، دین کی تعلیم ہوتی ہے، قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے، جو دینی مسائل آپ کو حلال و حرام کے جائز و ناجائز کے، یہاں بتائے جائیں، ان کو آپ گھروں میں پہنچائیں، خاندانوں میں

پہنچائیں اور نیت کریں کہ آپ ایسے عرقہ کے رہنے والے ہیں کہ جہاں کی آواز افغانستان اور غزنی تک سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ پہونچتی، جو اسی علاقہ کے رہنے والے تھے، ان کے بعد مولانا خواجہ احمد صاحب پیدا ہوئے جو بہت بڑے بزرگ تھے، بہت سے لوگ ان سے فیضیاب ہوئے، اور ولایت پٹی، اس کے بعد مولانا محمد امین صاحب جو دین کے داعی اور مبلغ اور شرک و بدعت کے سخت مخالف، جس نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا شرک و بدعت سے نفرت کرنے لگا، یہ باتیں ذہن میں تازہ رکھیئے اور اس تازہ کو بھی چاہئے کہ وہ بھی یاد رکھیں اور طلباء کو شوق دلائیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے درجات بلند فرمائے، ان کو اجر عطا فرمائے، ان کے اعمال میں اس کو شامل فرمائے، اور جو لوگ مدرسہ کو چلا رہے ہیں اللہ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے، اور مدرسہ کو ترقی عطا فرمائے۔

(آمین)

وآخر دعوان ان الحمد للہ رب العالمین

مسئلہ صرف دین و لا دینیت کا ہے

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد ○

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم ○ بسم الله الرحمن الرحيم ○

حضرات: ابھی ایک فاضل مقرر نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ مشہور اور تسلیم شدہ حقائق ہیں اور اس میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار و افتراق سے بچنے اور اختلافات کو ختم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصل سرچشمہ اور مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، اس لئے کہ جب بھیڑوں کا ریوڑ انتشار و پراگندگی کا شکار ہو جاتا ہے تو ان کو ایک طرف جمع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ بھیڑ یا اس بھری کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو اپنے ریوڑ سے پیچھے ہو، اس لئے جنگل میں منتشر بھیڑیوں کا قلمہ بننے سے بچانے کے لئے ان کے داعی و محافظ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور ان کی سرکردگی و نگرانی میں اس بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنا ہوگا۔

حضرات! ہم ایک امت سے تعلق رکھتے ہیں، ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری کتاب اور ہمارا قبلہ بھی ایک ہی ہے۔ رسول اکرم ﷺ جب اپنے معاصرین اور بادشاہوں کو دعوتی خطوط تحریر فرماتے تھے تو قرآن مجید کی یہ آسمانی تبلیغ اور حکیمانہ آیت تحریر فرماتے تھے

قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بينا وبينكم ان لاتعد الا

الله ولا شريك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا

فقلوا شهدوا بانا مسلمون۔ (آل عمران ۶۴)

کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر کروہ وک اعراض کریں تو تم لوگ بہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم قہار نے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تفرقہ و انتشار، اختلاف و مزوری اور ذات و تکلیف سے بچنے کے لئے اتفاق، اتفاق، طاقت و قوت اور عزت و سر بندگی کا راستہ بتلایا ہے اور اس کو انبیاء و رسول اور ان کے نائبین عامہ کی ذمہ داری قرار دی ہے اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ما کان لیسرا ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنوۃ، ثم یقول لیسر کوموا عباد الی مس دوں اللہ، ولکن کو یو ربانیس بما کتتم تعلمون الکتاب و بما کتتم تدرسون ولا یامرکم ان تتخذوا الملائکة والبیس اربانا ایامرکم بالکفر بعد اذا انتم مسلمون (آل عمران ۷۹، ۸۰)

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرمادیں، پھر وہ وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ۔ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، نہیں ہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ، جب اس کے کہ تم کتاب سمجھتے ہو، اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو، اور نہ یہ بات بتلائے گا کہ تم فرشتوں کو و ربیسوں کو رب قرار دے، کیا وہ تم کو کفر کی بات بتلا دے گا۔ بعد اس کے تم مسلمان ہو۔

میں اس بات سے ہمیں اتفاق رائے کرتا ہوں کہ ”دشمن کسی دین و مذہب، کروہ اور جماعت اور قومیت کے درمیان امتیاز نہیں کرتا۔“ اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے میں یہ عرض کروں گا کہ آج مذہب کا مقابلہ مذہب سے نہیں بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ اس وقت دین و دینیات کے درمیان ایک فیصد کن معرکہ درپیش ہے۔ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ یا تو انسان خدا و رسول، آخرت، نبی حقائق اور رسول کے لائے ہوئے پیغمبر پر یقین رکھے اور نجات و اسی دین پر منحصر سمجھے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے یا پھر ان تمام نبی حقائق کا یکسر انکار کر دے اور تمام مذاہب سے اعراض کرے۔

حضرات اس وقت صرف دین و دینیات کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس کو کمیونزم کا نام دے سکتے ہیں، ورنہ دینیات تو کمیونزم سے زیادہ وسیع مفہوم پر حاوی ہے۔ اس لئے کہ وہ تمام ادیان و مذاہب، نبی حقائق، انبیاء کی تعلیمات اور تمام دینی و اخلاقی قدروں کی منکر و

مخالف بدان کے خلاف صف آرا ہے، دوسری طرف انبیاء اور ان کے، سبین کا کیس ہے، جس کے ہم ان کی خادم اور رضا کار ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور بے پایاں احسان سے ہمیں اس خدمت کے لئے نامور فرمایا ہے۔ اس میں ہماری کسی صداقت اور استحقاق کو دخل نہیں ہے، ہمارا فرض ہے کہ جو پرچم محمدی ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم اس کو ہمیشہ سر بند رکھیں اور اس کے تے جمع ہو سہ اتحاد و اتفاق سے اس دین کو تمام دنیا میں پھیلنے اور اس کو سر بند رکھنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں، کوششوں اور جدوجہد کو بروئے کار آئیں۔

وما علینا الا البلاغ المین

ایمان کی سلامتی

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبی بعده . اما
بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم . بسم الله الرحمن الرحیم

حضرات میں اپنے خطبہ کا آغاز قرآن شریف کی ایک چونکا دینے والی آیت سے
کروں گا۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔

ام كنتم شهداء اذ حصر یعقوب الموت اذ قال لنبیه ماتعدون من
بعدي قلوا الهك والہ ابا نك ابراهيم اسمعيل و اسحاق الها واحدا و نحن
له مسلمون (سورة البقرہ . ۱۳۳)

بھلا جس وقت یعقوب علیہ السلام وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب
انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ
آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے
جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم پر اور ہیں۔

باوجود اس کے کہ یہ پیغمبروں اور پیغمبر زادوں کا گھرانہ تھا، جس میں تو حید اور اللہ تعالیٰ کی
خالص عبادت کے سوا نہ کوئی اور تعلیم تھی نہ عمل نہ ماحول اور فضا پھر بھی عقیدہ اور عمل اور تو یہ
خالص کی اہمیت اور فکر اور اپنی نسل کے اس عقیدہ و عمل سے دائمی وابستگی کے خیال سے کہ۔

عشق است و ہزار بدگمانی

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں پوتوں اور نواسوں کو جمع کر کے دریافت
کیا کہ عزیز و میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ ان فرزندوں اور نبی زادوں نے اس کے جواب
میں یقیناً یہ کہا ہوگا کہ تایا جان دادا جان نانا جان آپ نے ابھی تک ہم کو تعلیم ہی کیہ دی؟ اور اس

چیز کا پابند بنایا؟ یہی تو حیدر خالص اور عبادت الہ واحد پھر آپ کو ہمارے مستقبل کے بارے میں یوں شک ہے کہ ہم آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی دوسرے راستے پر پڑ جائیں گے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نیز زبان حال سے یہی کہا ہو گا کہ فرزندو۔ میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی جب تک دنیا سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں گا کہ میرے بعد تم سب خدا کے واحد کے پرستار اور دین ابراہیمی کے علمبردار ہو گے۔

حضرات آپ سلسلہ ابراہیمی سے تعلق رکھتے ہیں، اس خاندان کا شیوہ اور شعار یہ رہا ہے کہ دنیا سے جانے سے پہلے اپنی نسل کے بقا کے ایمان اور تعلق باللہ کا اطمینان اور ضمانت کر لی جائے، اور دنیا سے جانے سے پہلے اود سے یہی عہد و پیمان لے لیا جائے کہ دنیا میں جب تک رہنا ہے مسلمان بن کر رہنا ہے، اور جب جانا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے جانا ہے۔
ووصی بہا ابراہیم نبیہ و یعقوب یاسنی ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون (سورۃ البقرہ ۱۳۲)

اور یہی وصیت کر گئے ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب، اے بیٹو، اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو این پس نہ مرنے مگر مسلمان۔

نہ صرف یہ عہد و پیمان ضروری ہے، بلکہ اس کے لئے وسائل کا مہیا کرنا اس کو ممکن اور آسان بنانے کی تدبیریں اختیار کرنا اور اس کا اطمینان حاصل کرینا بھی ضروری ہے، اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اود کا امتحان لیا، اور اپنا پڑھایا ہوا سبق سن۔

حضرات! بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ مذہب کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ دیتے رہیں، اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ و رزقی شعور مذہب ہے زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور موثر بھی جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ موثر، ہم اپنے مذہب کے

لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں؟ نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑے ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے، اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے وہ زندگی کے ہر شعبہ کیسے متعین ہدایت اور احکام دیتا ہے، اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنے اپنی اخلاقی اور روحانی نشوونما کیسے منسوب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے یا نہیں اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں چند عبادات تک بھی محدود نہیں بلکہ یہ مکمل زندگی گزارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں اسلام کا کوئی مخصوص طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، لہذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے تہذیبی اقدار کو اپنے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد و اعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے قرآن و سنت سے مخصوص طریقہ سے معوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے اسلام میں سونے جا گئے کھانے پینے سے لے کر نکلی قانون نکاح و طلاق اور وراثت تک کے متعین ضوابط و احکام ہیں اور اسلام کا مقصد یہ ہے کہ انہیں کے مطابق زندگی گزاری جائے اسکے خلاف ورزی نہ ہو نبی کریم ﷺ نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرام نے انہیں سیکھا اور برتا۔

پورے نصاب تعلیم کی تبدیلی اور ایک نئی تاریخ کی وضع و تدوین تو بڑے وسیع اور انقلاب انگیز منصوبے ہیں، رسم الخط کی تبدیلی ہی قدیم عجمی اور مذہبی سرمایہ سے رشتہ ختم کر دینے اور ان سے بے گانہ بنانے کے لئے کافی ہے آرمینڈو آئکن بی نے جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی اور منورخ ہے لکھا ہے کہ اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں رسم الخط بدل دینا کافی ہے رسم الخط کی تبدیلی سے قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا اور اس کی پوری تہذیب اس

سے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی پھر جس طرف چاہو اس کو لے جاؤ جو چیز کسی مت واسے
ماضی سے اس کے مذہب سے اس کی تہذیب سے اس کے کچھر سے ملاتی ہے وہ رسم الخط ہے رسم
الخط بدل نسل بدل گئی آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے، فرقہ وارانہ فسادات محض ملک و بدنام
کرتے ہیں فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام بدلنا کافی ہے، آج سے چھ سات ماہ پہلے
اسان اعصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا۔ شیخ مرحوم کا قول

اب مجھے یاد آتا ہے

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اور اس سے زیادہ لطیف انداز میں انہوں نے اس حقیقت کو اپنے مشہور شعر میں بیان کیا

۔۔۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان کے ذہن میں کالج کا وہ تصور رہا ہوگا جس میں صرف قبھی زبان پڑھائی جاتی ہو
اور ایسی تاریخ جس میں فرعون کی الوہیت، ان کے خیر محدود و غیر مشروط اختیارات اور مصر کی
دوسری نسلوں اور قوموں (بنی اسرائیل اور بیرون مصر سے آئی ہوئی قوموں) کی تحقیر آمیز تصویر
اور نفرت انگیز تاریخ پیش کی گئی ہو۔

زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور ثقافتی و تعلیمی انقلاب سے کسی ملک میں جو عظیم و
مستحق انقلاب آ سکتا ہے اور وہ ملک اگر اپنے عقائد، تہذیب و تمدن، مٹی، اشتغال و کمال، مساجد
و مدارس کی کثرت و شان و شوکت کے لحاظ سے کسی خاص اسلامی ملک سے کم نہیں تھا لیکن وہاں
زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور دینی تعلیم موقوف کئے جانے کی وجہ سے وہ عقیدہ عمل زبان
اور تمدن و ثقافت کے کسی نظریے سے بالکل خالص غیر اسلامی ملک بن گیا تو وہ اندلس (اسپین)
سے نہیں انقلاب حال سے نئے علامہ اقبال کا یہ مصرعہ کافی ہے۔

اے اذان اس دین بے تجو اس کی فضا اسپین میں ایسے روحانی پیشوا علوم اسلامیہ اور
عربی زبان میں کمال رکھنے والے اور علوم اسلامیہ میں ایسی مجتہدانہ تصنیفات مستند و معیاری
کتب حدیث کی شرحیں لکھنے والے پیدا ہوئے جن کی نظیر ہر عربی اہل علم اور پیرو اسلام ملک

میں بھی نہیں مل سکتی۔

مذہب، لنگی جو اندلس کا عمومی اور اکثریتی طبقہ کا فقہی مذہب تھا اس کی پیروی اس ملک ایسی تھی کہ اس دور میں مذہب، لنگی کا یہ فتویٰ اور فیصلہ تھا عمل اہل قرطبہ حجتہ (اہل قرطبہ کا عمل بھی ایک شرعی) دلیل ہے اہل علم جانتے ہیں کہ مذہب مالکی کا یہ حکم اور فتویٰ اصلاً مدینہ طیبہ کیلئے تھا اور اس کا یہ درجہ تھا کہ فقہ مالکی کا یہ فیصلہ ہے کہ عمل اہل المدینہ حجتہ (اہل مدینہ کا عمل ایک شرعی دلیل اور معیار ہے) صدیوں سے یہ سرزمین اور پورا ملک جو دین کا نہ صرف پیرو بلکہ علمبردار علوم اسلامیہ کا نہ صرف حامل بلکہ اس میں مجتہدانہ درجہ رکھنے والا تھا اور جس کی سرکاری اور عوامی زبان عربی تھی اس کی فضا یکسر بے اذان ہے اور اس کی مساجد تک (جن کی نظیر برے برے اسلامی ممالک میں بھی مشکل سے ملے گی رکوع و سجود سے محروم ہیں۔

حضرات۔ اب اس داستان کو جس میں شکوہ و شکایت کا حصہ زیادہ ہے مختصر کرتے ہوئے کہوں گا کہ ایک آزاد جمہوری حکومت کا جس کی بنیاد خالص حب الوطنی رضا کارانہ جذبہ خدمت اور اس مشترک جنگ آزادی پر پڑی ہو جس میں ملک کے تمام شہری، اور اکثریت و اقلیت کے افراد دوش بدوش شریک رہے ہوں سب سے عظیم و مقدس فرض یہ ہے کہ اس کی آبادی کے تمام عنصر اور اس کے مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو اس ملک میں اپنے اور اپنی نسل کے تحفظ کا پورا احساس اور مکمل اطمینان ہو کسی حکومت کی ناکامی اور دستور کی خرابی کی اس سے بڑھ کر مثال نہیں ہو سکتی کہ اس ملک کا کوئی شہری تحفظ کے احساس سے محروم ہو اور واضح رہے کہ ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے میں جب تحفظ کا لفظ بولتا ہوں تو اس سے مراد جسمانی و معنوی نسلی و اعتقادی ہر طرح کا تحفظ ہوتا ہے کہ محض جسمانی تحفظ جسم و جان کی سلامتی اور قتل و غارتگری سے حفاظت پر کوئی باشعور باضمیر صاحب عقیدہ اور صاحب تہذیب جماعت قانع اور مطمئن نہیں ہو سکتی، ایسا تحفظ تو جنگل کے بعض جانوروں اور پرندوں کیلئے بھی کیا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً انکی نسل و نوع کی حفاظت کے لئے سخت قوانین بنائے جاتے ہیں، مجھے معاف کیا جائے، انسانوں کا معیار اس بارے میں اور زیادہ بلند اور انکی حس اس سلسلہ میں اور زیادہ تیز ہے ان کا تعلق ان کے مذہبی معتقدات ان کے اصول زندگی اور ان کے اس فہم و فکر اور نقطہ نظر سے ہے جو دین و دنیا فوز و فلاح فرد و جماعت کی کامیابی و سعادت کے بارے میں وہ رکھتے

ہیں اس کا تقاضا ہے کہ ایک طرف اس ملک کے مسلمان مبنی جدوجہد کے تمام طریقوں سے کام لے کر، اور اجتماعی عز و فیصد کی پوری طاقت سے اس ملک میں اپنے لئے حقیقی و رکامل تحفظ کی فضا پیدا کریں جس کے بغیر مجھے سب کی اجازت دی جائے (وطن وطن نہیں غربت و مسافرت ہے آزادی آزادی نہیں ندائی ہے اور گھر چمن نہیں قید خانہ اور قفس ہے اس سلسلہ میں ایثار و قربانی اور خطر پسندی کی بھی ضرورت ہے کہ حکومت کی امداد سے جو ان مطالبات اور تغیرات کے ساتھ مشروط ہے پورے استغناء اور توکل اور اعتماد علی اللہ کیساتھ معذرت ردی جائے اور اسکو قبول نہ کیا جائے۔

دوسری طرف حکومت کو بھی اپنے رویہ اور اس رجحان پر نظر ثانی کرنی چاہئے جو نجی تعلیمی اداروں کو ختم کرنے، اور مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو ان کی آزادی اور بنیادی شہری حقوق سے محروم کرنے کی شکل میں جو دستور ہند نے ان کو دیئے ہیں نمایا ہو رہا ہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے دستور ہند میں تبدیلیوں کا خطرناک قدم بھی اٹھایا جا چکا ہے اور اس طرح اقلیتوں کے لئے وہ آخری پتہ گاہ بھی ختم ہو رہی ہے جو کسی دستوری اور جمہوری ملک میں پائی جاتی ہے یہاں تک کہ ملک کے آزاد و اقلیتی اداروں بلکہ مذہبی تعلیم گاہوں کو بھی سرکاری تعلیمی پالیسی اور اکثریت کے اعتقادات و روایات اور مذہبی نشانات کا پابند بنانے کے عزائم و اعلانات کا اظہار ہو چکا ہے سرکاری اداروں کا لچوں اور اسکولوں میں ہندو دیو مائپر مینی ستائیں بھی نصب میں داخل کی جا رہی ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ان تعلیم گاہوں میں جن میں مسلمان بچے بڑی تعداد میں تعلیم پاتے ہیں، ہندو ترس کا گیت پڑھنا ضروری قرار دیا جا رہا ہے جو سماجی انتظامات بلکہ ہندو کے لحاظ سے واضح اور طوق و مشرکانہ گیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمان و اعمال پر مضبوط رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

رسالت محمدی کی عظمت

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد ۝

ها عوذ بالله من الشيطان الرجيم ۝ بسم الله الرحمن الرحيم ۝

عصر جاہلی کا المیہ:

محترم سامعین! اس جاہلی عصر کا المیہ جس کے انحطاط و زوال پر مورخین کا اتفاق ہے۔ کفر و فجور، معاصی اور گناہ، ظلم و سرکشی، انسان کی حیثیت عرفی کا ازالہ اور اس کے حقوق کی پامالی، جاہل حکومتوں اور ظالم بادشاہوں کا غلبہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ المیہ خدا کی عبادت کرنے والے صالح بندوں کی کمی اور ان کی کمزوری بھی نہ تھی اگرچہ یہ سب چیزیں قابل افسوس ہیں، لیکن یہ سب انسانیت کی طویل تاریخ میں بارہا ہو چکا، اور اس کے خلاف دعوت و اصلاح کے مرد میدان، بیدار ضمیر اور قوی عزائم والے افراد اپنے اپنے زمانوں میں کام بھی کرتے رہے ہیں۔

دراصل جاہلیت کا وہ المیہ جس کے نتائج بد سے انسانیت کو نجات دینے اور انسان کی حیثیت عرفی بحال کرنے کے لئے بعثت محمدی ہوئی، وہ المیہ یہ تھی کہ علم صحیح، نیک ارادے اور حق کے لئے سینہ سپر ہونے والی اور باطل سے بچنے والی کرنے والی جماعت اس وقت کی وسیع دنیا میں کہیں پائی نہیں جاتی تھی، یہ المیہ اس حقائق سے روہ کی یا کا تھا جو شر کی طاقتوں سے نبرد آزما ہو کر خیر کی بنیادوں پر ایک عالم نو کی تعمیر کر سکے۔

علم صحیح کا فقدان:

عصر جاہلیت میں وہ علم صحیح گم ہو گیا تھا جس کے ذریعے انسان اپنے رب کو اچھی طرح پہچانتا اور اس تک پہنچتا ہے اور جس کے ذریعے صحیح خاص اور پسندیدہ عبادت کر سکتا ہے ایسے زمانے میں اُسی اور قوی راہ اور صواب صدق کسی شخص میں پائے ہی جائیں تو اس کے لئے ماحول کی خرابی سے سبب چھڑا دیا وہ مفید نہیں ہو سکتے ایسے زمانے میں جو علم بھی پایا جاتا ہے وہ

جہاں خرافات کی آمیزش لئے ہوئے اور اصل سے ہٹا ہوتا ہے اس میں صحت، فطرت، طبی زیادہ نفع تھوڑا اور نقصان بہت ہوتا ہے۔

قوی ارادہ خیر کی کمی:

اور اگر یہ ہم سچ اپنی کیسب کی باوجود کی مائے سینے یا کسی حسیم کے سفینے میں یا قدم
زمانے میں نازل شدہ کسی عہد کی باقیات کے طور پر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو اپنے حق میں وہ ارادہ
خیر نہیں پاتا جو اسے اس کی جگہ سے چن لے اور اسے متاع جان بنا لے اور اس کے ذریعہ اپنی
نفسانی خواہشات اور معاشرے کا مقابلہ کر سکے۔

پنا نچے اس عہد میں خدا جلّی اور تلاش حق کا جذبہ مفقود ہو گیا تھا قوتیں، اور عزتیں اس کی طلب کے سلسلے میں در ماندہ ہو چکی تھیں، وہ طلب معاش ہوس دانی نفس کے مطالبات کی تکمیل، بادشاہوں کی اندھی اطاعت و رن۔۔۔ نے جہاں سپاری میں لگ گئی تھیں، محبت کے شعاعے بجھ چکے تھے، دیوانوں کی انٹیٹھیں سرد پڑ گئی تھیں، اور ان پر دب دنیا کی برف جم رہی تھی دین کے مظاہر آثار میں سے صرف خرافاتی بت پرستی و سطحی قسم کے رسم و رواج باقی رہ گئے تھے۔

حق کی حامی و ناصر جماعت کا فقدان:

اور بغرض محال ایسے ماحول میں نہیں ممکن اور ارادہ خیر کا وجود بھی تھا تو کوئی ایسی پشت پناہ جماعت اور وقت نہ تھی جس کا وہ سہارا پتے اور کمزور پڑنے پر اس سے طاقت حاصل کرتا۔ چنانچہ یہ دونوں چیزیں انفرادی کوششوں اور شخصی اصدحات ہی میں ضائع ہو گئیں اور یہ افراد جو کلیک و مندروں یا غاروں اور پہاڑی چوٹیوں میں گوشہ گیر تھے ایسے چراغ کی مانند تھے جس کا فتیلہ جل چکا جس کا تیل ختم ہو چکا اور اس کا نور بلا پڑ چکا ہوائ کی مثال ایسے جگنوؤں کی تھی جو سرما کی بارش زدہ اور تاریک راتوں میں ادھر ادھر اڑتے اور چمکتے ہیں لیکن ان سے نہ کوئی بھوکا مسافر راستہ یا سکتا ہے اور نہ کوئی سردی سے سپی یا ہوا غریب گرمی پا سکتا ہے۔

ایک آفتاب تازہ کی ضرورت:

۱۰۔ ہم صحیح جو لوگوں کو اس کائنات کے خالق و مالک کی ذات و صفات و برگزیدہ ناموں کی

صحیح پہچان عطا کرے، انہیں اس سے ایک مضبوط اور نئے رشتے میں جوڑ دے عقلوں اور دماغوں کو نئے ایمان و یقین سے بھر دے دلوں کو محبت سے پر کر دے غمو کرنے والوں کی تحریف اور باطل پسندوں کے غلط الحاق و انتساب کو دور کر کے لوگوں کو اندھیرے سے اجالے اور شک سے یقین تک پہنچا دے وہ علم صرف نبوت محمدی کی شکل میں دنیا کو ملے وہی ان اوہام و خیالات اور مغالطوں کا پردہ چاک کر سکتا تھا جن میں دنیا کی بت پرست اور خدا نا آشنا قومیں عرصہ سے مبتلا تھیں، وہی یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کا صحیح احتساب کر سکتا تھا اور ان میں اگر خوف خدا اور انصاف ہوتا تو وہ اعتراف کرتے کہ سترے ماند پڑ چکے طنہ قیمتی سے آفتاب تازہ پیدا ہو چکا ہے اور صبح کی روشنی چراغوں سے بے نیاز کر چکی ہے۔

لَمْ يَكُنِ الدِّينَ كَهَرَوَامٍ اهل الكتب والمشرکين مہکین حتی
 ناتیہم البیۃ رسول من اللہ یتلو صحفا مطہرة O فیہا کتب قیمۃ
 اہل کتاب میں سے کافر لوگ اور مشرکین چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے
 پاس بھی دلیل یعنی اللہ کی طرف سے رسول نہ آجاتا جو پاکیزہ اوراق کی تلاوت کرتا جن میں قیمتی
 کتابیں ہیں۔

فلسفہ اور شرک کی ایمان کو کمزور اور انسان کو گمراہ کرنے کے لئے سازش:

ارادہ خیر ہمیشہ علم صحیح اور ایمان قوی کے تابع ہوتا ہے جب انسان چند حقائق پر ایمان لاتا
 اور منافع اور مضرتوں کو سمجھتا ہے اور اس میں امید و بیم، خوب و طمع کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو
 اس کے ارادے بھی اس کا ساتھ دیتے اور اس کے اعضاء بھی مدد کرتے ہیں، لیکن عصر جاہلی میں
 ایمان فوری منتہی ہو گیا اور انسان خدا کے درجست و درجہ کے وجود اور آخرت اور اپنے اعمال کی
 جواب دہی کے عقیدہ سے محروم ہو گیا تھا، فلسفہ و شرک نے بھی اس ایمان اور خدا و بندہ کے
 باہمی ربط و کمزور کرنے میں خاص حصہ لیا۔ فلسفہ نے صفات کی غمی میں غلو سے کام لیا اور شرک
 نے ان صفات میں مخلوق کو شامل کر دیا، اس طرح دونوں نے عبد و معبود کے رابطہ کو نقصان پہنچایا
 ، چنانچہ جس شخص کا تعلق فلسفہ سے ہوا اسے صفات قدرت و حکمت اور رحمت و محبت سے محروم نہ

سے رجوع کرنے اس سے ڈرنے یا اس سے پر امید ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی اور جو شرک میں مبتلا ہوا وہ مخلوقات ہی سے استیاء و التماس میں مشغول رہا اور اسے آنکھوں سے غائب مگر بندوں کے معاملات میں دخیل، خدا سے التباء کی نہ ضرورت پیش آتی تھی، اور نہ اس کی فرصت ملتی تھی۔

اس طرح دنیا و دیکمپوں میں تقسیم ہوئی تھی ایک کمپ تو اپنے اندر آخرت کے لئے کسی کوشش کا کوئی داعیہ اور جذبہ نہیں پاتا تھا، اور دوسرے کمپ کو رب ادا رباب سے سوال کی فرصت ہی میسر نہیں، ان دونوں نظریات نے جاہلیت کی پوری دنیا اور طویل عہد و خدا سے کاٹ کر رکھ دیا اور انسانی دل کے اندر محبت اور خدا جللی کا شعہ فروزاں بجھ کر رکھ گیا اسی طرح انسانی فطرت میں ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں اور قوتیں جمود و خمود شرک و خرافات نفس اور بادشاہوں کی غلامی، طاغوت اور شیطان کے فریب کا شکار ہو گئیں اور مشرق سے بے کمر مغرب تک کی تمام انسانی دنیا ان اصنام اور معبودوں کی عبادت میں مبتلا تھی جنہیں اس کے تخیل نے جنم دیا تھا جو موروثی طور پر رسم و رواج کا جز بن چکے تھے، یا ان مقاصد نصب العین اور اقدار حیات کی ماتحت ہو کر رہ گئی تھی جنہیں اس نے خود ہی گڑھا اور اپنے لئے لازم کر لیا تھا اور ان سب پر حضرت ابراہیم کا یہ قول صادق آ گیا تھا۔

اتعبدون ما تسحتون

کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم اپنے ہی ہاتھوں سے بڑھتے ہو؟

جاہلی ماحول میں تبدیلی نبی کی لائی ہوئی عالمگیر

دعوت ایمانی ہی سے ممکن ہے:

حضرات! قوت قدسیہ کے مؤید من اللہ انسان کے سوا کسی کے لئے صدیوں سے مٹا شدہ ایمان کو دلوں میں پھر سے تازہ کرنا اور ایک نئی لکھن اور عشق پیدا کر دینا ممکن نہ تھا کہ اس کے قوی ارادوں کو پر فریب اور لذیذ دنیوی زندگی کی طلب اور نفس کے عزیز و مزید تقاضوں کی تکمیل سے باز رکھا جاسکے، اور انہیں عظیم الشان بادشاہوں کی خوشامد سے ہٹا کر ان دیکھے خدا کی طلب

پر مال اور اسے خدا کی مرضی پر راضی، اور اس کے راستہ میں جان و مال اور ہر عزیز شے کی ثواب آخرت کی امید پر قربانی کرنے پر آمادہ کیا جاسکے۔

اس اہم کام بلکہ کارنامے کے لئے تو اس اپنی ارادے کی ضرورت ہوتی ہے جسے سر بفلک پہنچ بھی نہ ہد سکیں، اور جنہیں جن وانس کی مجموعی مخالفت بھی نہ کمزور کر سکے، اسی حقیقت کی ترجمانی زبان نبوت سے نکلے ہوئی اس فقرہ نے کی تھی۔

لو وضعت الشمس فی یمینی والقمر فی یساری ماترکت هذا الامر

حتی یمظہرہ اللہ اواء ہلک فی طلبہ

سرقریش میرے دائیں ہاتھ میں سورج دربانیں میں چاند بھی رکھ دیں تو میں تبلیغ کے اس کام کو ترک نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اس کی طلب میں ہلک ہو جاؤں۔

اس کام کے لئے اس قوی ایمان کی ضرورت تھی جو اُسرتم مدنیہ اور دنیا والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے اور سب کے شک کو یقین اور ضعف کو قوت سے بدل دے، وہ ایمان، صاحب ایمان کی زبان سے اس وقت بھی ہوتا ہے جب زبانیں گنگ ہو جاتی اور نگاہیں چونڈھیا جاتی ہیں، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ غار کے دہانے پر جانی دشمن کھڑے ہیں مگر نبی ﷺ اپنے ساتھی کو تسلی دے رہا ہے۔

لا تحزن ان اللہ معنا

نہم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

نبی کی نگاہیں بعد مکانی و زمانی اور مختلف پردوں کے حائل ہونے کے باوجود عرب کے ایک فقیر بدوی سراقہ کی ہاتھوں میں شہنشاہ ایران کسری کے کنگن اور بھوک کی شدت اور محاصرے کی حوالت نے باوجود خندق کے ایک پتھر کی چنگاری میں قیصر روم کا سفید محل دیکھ جیتی ہیں سفر ہجرت کے موقع پر سراقہ بن جشم جب تعاقب کرتا ہوا پہنچا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اس نے اپنی گستاخی کی معافی چاہی تو آپ نے فرمایا سراقہ وہ کیا وقت ہوگا جب شاہ ایران کسری کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے مدائن فتح ہونے پر کسری کے جب حدائی کنگن مال غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو پہنچا اور ناقابل قیاس پیشن گوئی

حرف بہ حرف پوری ہوئی اسی طرح غزوہ خندق میں جب آپؐ نے ایک پتھر پر کدال ماری اس سے ایک شعلہ نکلا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس روشنی میں میں نے قیصر کا سفید محل دیکھا نبوت کی یہ دور بینی بھی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی اور مسلمان قیصر کے محل پر قابض ہوئے۔

عالمیہ جاہلیت کا خاتمہ اور اس کی جگہ زندگی و یقین اور دینی جوش کا اعادہ ایسے ہی طاقتور اور پیغمبرانہ ایمان کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے، اور انسان کے حق میں خدا کی رحمت کے تحت ظہور میں آتا ہے۔

هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته و يركيهم
و يعلمهم الكتب والحكمة و ان كانوا من قبل لفي ضلال مبين
وہ ذات جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا ان کی سیرت کو سدھارتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

هو الذي ارسل رسوله بالهدى و دین الحق ليظهره على الذين كره
ولو كره المشركون

وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے وہ تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ اسے مشرکین کتنا ہی ناپسند کریں۔

دائمی اصلاح و جدوجہد والی قوم کی ضرورت:

جاہلیت کا یہ فساد چند مصلح افراد یا کسی مضبوط جماعت یا کسی بڑے ادارے کے بس سے باہر تھا اس لئے کہ یہ فساد اپنی آخری شکل کو پہنچ گیا اور ناقابلِ علاج بن چکا تھا اس لئے ایک مستقل امت کی ضرورت تھی جو اس کے لئے متحدہ اور مسلسل جدوجہد کرتی رہے اور خدا کی زمین میں پھیل کر باطل جہاں بھی ہو اس کا مقابلہ کرے شرکی طاقت جہاں بھی ہو اسے اکھاڑ پھینکے اور خدا کی سرزمین کو عدل و انصاف سے بھر دے جیسے کہ وہ ظلم و جور سے بھری جا چکی تھی، اس طرح دنیا کو ایک پیغمبر اولوالعزم کی ضرورت تھی جس کی امت ایک عظیم امت ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کنتہم خیرامة اخرجت للناس تاصرون بالمعروف وتنہون عن

المنکر وتوصون باللہ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

صاحبو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ٹھیک اس وقت ہوئی جب انسانیت اس کے لئے اسی طرح چشم براہ اور روش برآء از تہی جیسے رمی سے بھلسی ہوئی فضا اور تپتی ہوئی زمین موسم کی پہلی بارش کے لئے ہوتی ہے۔

وترى الارض هامدة فاذا انزلنا عليها الماء اهتزت وربت

وابت من كل دوح بهبع ذالك بان الله هو الحق وانه يحيى

الموتى وانه على كل شىء قدير

اور تم زمین کو مر جھائی ہوئی دیکھتے ہو اور جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہا اٹھتی، نمو پذیر ہونے اور ہر قسم کے دلفریب پھل پھول اگانے لگتی ہے یہ ثبوت ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور وہی مردے کو جلاتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بعثت محمدی کی انقلابی تاثیر:

بچا یک اس مردہ انسانی جسم میں جسے نسل انسانی کہا جاتا ہے روح حیات دوڑنے لگتی ہے اور اچانک یہ مردہ انگڑائی مینے لگتا ہے، جو سڑنے لگنے کے قریب ہو گیا تھا، اس حقیقت منور خیمین اپنی محدود زبان میں ایوان سری کے رز نے اور آتش فارس کے بجھنے سے تعبیر کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ پختہ اور مضبوط عمل رتیں اور فلک بوس محدث زمین کے زلزلے کی ایک حرکت سے خزاں زدہ چوں کی طرح زمین پر آ رہتے ہیں، تو قیصر و کسریٰ کے تہ ماوراء فرات عصر کے کارنامے نئی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا میں صبح سعادت کے طلوع سے کیوں زوال پذیر نہیں ہو سکتے۔

ایک نئی دنیا کا ظہور:

حضرات محترمہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت صرف یک نبی کی یا صرف ایک امت کی، یا ایک عصر ہی کی پیدائش نہیں بلکہ ایک نئی دنیا کی پیدائش تھی، جو آپ کی بدولت ظہور میں آئی اور آپ ﷺ کی یہ دنیا تاقیامت باقی رہے گی، جب میراث عالم کا آخری وارث خدا تعالیٰ ہوگا، آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے آثار اس دنیا کے چپے چپے پر موجود اور اس کے ذرے ذرے میں سراپت کئے ہوئے ہیں، اور دنیا اپنے عقیدے انداز فکر تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرات اور علم و ثقافت کے سلسلے میں بعثت محمدی سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات اس میں اس طرح پیوست ہو چکے ہیں کہ کسی طرح اس کا ان سے جدا ہونا ممکن نہیں، اور وہ اس سے الگ کر دیئے جائیں تو وہ اپنے بہترین سرمایے اور اثاثے سے محروم ہو جائے گی، دنیا دراصل اپنی زندگی سے بے بھی بعثت محمدی کی ممنون ہے، اس لئے کہ اسی نے اسے زندگی کا استحقاق بخشا اور اس کی عمر میں اضافہ کر دیا، اور خیر کو شر پر غالب کر کے خدائی غضب کی مار اور اللہ کی رحمت اور بد بختی سے بچا یا جس کی وہ مستحق ہو چکی تھی، دنیا، بعثت محمدی سے پہلے اس کی بالکل سزاوارتھی کہ اس کی بساط الٹ دی جائے اور اس کی بنیاد کھو ڈال جائے۔

طهر الفساد فی السوء الحرام کسبت ایدی الناس لیذیقہم بعض

الذی عملوا لعلہم یرجعون

وہ لوگوں کے روتوتوں کے سبب نشی اور تری میں فساد پھیل گیا تاکہ وہ انہیں ان کے کئے کا کچھ مزہ چکھ سکے شاید وہ اپنے کئے سے باز آئیں۔

حدیث شریف میں اس سلسلے میں آیا ہے۔

ان الله نظر الى اهل الارض فمقتہم عربہم وعجمہم الا بقایا

من اهل الكتاب

اللہ نے اہل زمین کی طرف نظر کی اور عرب و عجم دونوں کو ناپسند کیا سوا تھوڑے سے اہل

کتاب کے۔

عصر جاہلی کی تصویر:

خدا نے جو خیر و عظیم بھی تھا، زمین پر کیا دیکھا؟ اس نے یا تو کسی کو بت کے آگے سجدہ ریز دیکھا یا کسی کو پیٹ کا پجاری یا کسی کو سلطان اور شیطان کا بندہ پایا جہاں تک دین خاص، طلب صادق، علم صحیح اور عمل صالح اللہ سے رجوع، آخرت کی سعی کا سوال تھا تو یہ چیزیں نایاب اور عیسائی کی طرح عزیز اور ہونگئی تھیں، عظیم السلام حضرت شاہدوں اللہ دہلوی نے اپنی معرکہ الاماء تہذیب ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں، اس دور جاہلیت کی جو تصویر پیش کی ہے، میں نے اس سے بہتر تصویر کسی مصنف کے قلم سے نہیں دیکھی فرماتے ہیں۔

”صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آ جانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامان آرائش میں بڑی موثر گائی اور نازک خیال پیدا کر لی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکروں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل مہل جمع ہو گئے تھے، جو اس سامان آرائش اور راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے، اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا۔ زندگی کا معیار اتنا بند ہو گیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک راکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ حمام یا غلات خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رہ جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات، اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو، اس سے قیاس کر سکتے ہو۔ یہ تمام تکلفات، ان کی زندگی اور معاشرت کا جز، بن گئے تھے، اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے ایسا علاج مرض پیدا ہو گیا تھا، جوان کی پوری شہری زندگی، اور ان کے پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا، یہ ایک مصیبت عظمی تھی، جس سے عام و خاص، اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری

پر یہ تکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسط ہو چکی تھی، جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم و فکر کا ایک پہاڑ بہر وقت رہا رہتا تھا، بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار نہیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ رقیس، اور بے پایاں دولت کا شکاروں، تاجروں، اور دوسرے پیشہوروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے باز نہ کرتے تو ان سے جہنم کی جاتی اور ان کو سزا نہیں دی جاتی، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو مدھے اور بیلوں کی طرح بنا بیٹے جن سے آپاٹی، اور کاشکاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے، اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی اس پر مشقت و ریوائی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی وقت سر تھانے اور سعادت اخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں یک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی۔

نیا عالمی رجحان:

حضرات محترمہ! بعثت محمدی نے اس جہلی، حوں کو یکسر بدل دیا اور متمدن دنیا میں ایمان و خدا طلبی جہد و سعی آخرت انسانیت کو اس کے دشمنوں سے بچانے، قوموں کو زوال کے بعد عروج و رونق کو وٹوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں اور دنیا کی تنگنہ سے آخرت کی وسعت بیکراں، اور مذاہب کے ظلم سے اسد م کے عدل کی طرف لانے کی طاقتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس مقصد عظیم کی طرف اہل عزیت افراد کی ہمتیں، اصحاب صلاحیت کی صلاحیتیں اذکیا، ان ذہانتیں ادیبوں کا علم و فضل اور شعرا کے ذوق و وجدان سورماؤں کی تواریں اہل علم کے قلم، ہمت زافراؤں کی بقریتیں متوجہ ہو گئیں اور اس دنیا میں جو صرف ایک قسم اور ایک طرز کی نفس کی نام شہوت کی اسیر، اور ہوس کی پرستار انسانیت ہی کو جانتی تھی، اب ہر زمانے میں اور ہر جگہ خدا کے منہص بندے ربانی و حقانی علما، عادل حکمران زاید بادشاہ مجاہد مرد اتنی کثرت سے پائے جانے لگے کہ شاید ریت کے ذروں اور صحرا کی کنکریوں سے بھی ان کی تعداد بڑھ گئی، ان پر خدا کو فخر تھا، اور تاریخِ کون کے احترام پر مجبور اور دشمن بھی ان کے آگے سرنگوں تھے، اور بالآخر خلیج اور مفید مہم، اور صالح اور برگزیدہ عمل خیر پسندی کا قوی جذبہ، اور مومن و مجاہد جماعت کے افراد ہر طرف

پھیل گئے جو نیکو کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے اللہ پر ایمان لاتے اور اسکے راستے میں جہاد کرتے اور اس سلسلہ میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے اور اس طرح جہاد و اصلاح دعوت و ارشاد کی ایک مسلسل تاریخ بن گئی جس میں کوئی خلل اور وقفہ نہیں۔

لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرهم من

خذلهم حتی یاتئی أمر اللہ

میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہے گا اور ان کا مخدّف انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

امت محمدی محمد رسول اللہ ﷺ کا معجزہ عظیم ہے:

شیخ الاسام ابن تمیمیہ نے اپنی کتاب الجواب السخی میں بعثت محمدی ﷺ لائے ہوئے، انقلابی اثر، اس کی اہمیت اور نتائج کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت و اخلاق، اقوال و افعال اور ان کی شریعت خدا کی آیات میں سے ہے، اور ان کی امت اور امت کا عم و دین اور اس امت کے صالحین کی کہ امت بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ، اللہ کے حکم پر پوری طرح قائم رہے، اور اس میں پوری صداقت عدل اور وفاداری برتتے رہے، کبھی کوئی جھوٹ، کسی پر ظلم کسی سے بے وفائی، ثابت نہیں بلکہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، اعتماد الپسند اور وفا شعار تھے، اگرچہ آپ ﷺ جنگ و صلح، امن و خوف، فقر و خوشحالی قلت و کثرت کامیابی و ناکامی کے مختلف حالات سے برابر گزر رہے، لیکن ان تمام حالات میں اچھے اور پسندیدہ رستے سے آپ کبھی نہیں ہٹے حتیٰ کہ دعوت اسلام عرب کی اس سرزمین میں پھیل گئی ہو اس سے پہلے بت پرستی کو اکبر پرستی کفر و شرک قتل و سفاحی اور قطع رحمی سے بھری تھی اور جو لوگ آخرت اور معاد کو جانتے تک نہ تھے اب وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ علم والے، دین والے انصاف اور فضیلت والے بن گئے حتیٰ کہ شرم کے نصاریٰ بھی ان کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ مسیح کے ساتھ اور حواری ان سے بہتر نہ تھے، اور روئے زمین پر آج بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے عم و عمل کے آثار پھیلے ہوئے ہیں اور

اہل فہم دونوں کا فرق کھلے طور پر محسوس کرتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے یہ معاملہ میں برتر و بہتر ہے اگر ان کے علم کا مقابلہ دوسری قوموں کے علم سے اور ان کے دین اور صاعیت و عبادت کا دوسروں کے دین، صاعیت و عبادت سے یہاں سے یہاں جئے تو معلوم ہوگا کہ وہ علم و عبادت میں دوسروں سے بہت آگے ہیں، اور اگر ان کی شجاعت اور اللہ کے راستے میں جہاد اور اللہ کے لئے مصائب کی برداشت کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ اس باب میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں اور اگر ان کی سخاوت و فیاضی اور دوسروں کے لئے ایثار و خوش اخلاقی پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ فیاض و شریف ہیں اور یہ تمام فضائل اخلاق اس امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل ہوئے تھے اور آپ ﷺ ہی نے ان باتوں کی تعلیم و تلقین کی تھی۔

آپ ﷺ کی امت کے افراد کی کتاب کے متبع نہیں تھے جس کی تکمیل کے لئے آپ ﷺ آئے ہوں جیسا کہ مسیح شریعت و تورات کی تکمیل کے لئے آئے تھے اور مسیحیوں کے فضائل اخلاق، اور ان کے علوم و فنون کا کچھ حصہ تو ریت سے پچھڑا دوسرے پچھڑا دوسرے انبیاء کی تعلیمات سے، پچھڑا دوسرے مسیح سے اور کچھ آپ کے بعد کے لوگوں جیسے حواریوں اور ان کے حواریوں سے ماخوذ ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے فساد و فحشاء کے کلام سے بھی مدد لی وروین مسیحی میں تبدیلی کے وقت اس میں ایسے امور داخل کر لئے جو مسیحیت کی ضد اور نافر سے تعلق رکھتے تھے۔

سین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے آنے سے پہلے کسی کتاب سے، واقف نہ تھی، بلکہ ان کی بڑی تعداد موسیٰ و ہارون و یسہم السلام اور تورات و انجیل و زبور پر ایمان بھی آپ ہی کے کہنے سے لائی آپ ہی نے انہیں حکم دیا کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لائیں اور اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی ہر کتاب کا اقرار کریں،

اور کسی رسول کے خلاف تفریق و امتیاز نہ پر تیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمایا۔

وَقُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ

وَمَا عِندَ الْاِبِلٰغِ

نبوت محمدی کا کارنامہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ○ فاعوذ باللہ من

الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

انسان کی اہمیت:

حضرات سامعین! دنیا کا مقدر انسان کے مقدر سے برابر وابستہ رہا ہے، اور رہے گا، اس کی سعادت و شقاوت، بلند اقبالی اور نحوست کا تعلق انسان ہی کی ذات سے رہا ہے، چنانچہ اگر حقیقی انسان کا وجود رہے اور دنیا کی ہر قابل فخر چیز مال و دولت، اور زیب و زینت ختم ہو جائے تب بھی کوئی ایسی بڑی مصیبت نہیں آجائے گی اور نہ دنیا کا کوئی بہت بڑا خسارہ ہو جائے گا بلکہ حقیقی انسان کا وجود ہر گم شدہ چیز کا نعم البدل، ہر محرومی کی تلافی، اور ہر بیچارگی کا درمل ثابت ہوگا، اور انسان اپنے نشاط کار و جوش عمل قوت کار کردگی اور محنت و ہمت سے دنیا کو وہ تمام چیزیں دوبارہ مہیا کر دے گا جو دنیا نے کھودی ہوں گی اور صرف یہی نہیں بلکہ پہلے سے بہتر اور بڑھ کر فراہم کر دے گا، اور اگر دنیا یا دنیا کے کسی ذمہ دار کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ انسان بغیر دنیا یا دنیا بغیر انسان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے (اور وہ اس انتخاب میں عقل سلیم اور خدا کی دی ہوئی قوت تمیز سے کام لے) تو اس کا انتخاب یقیناً انسان ہی ہوگا، اور اس میں اسے کسی تردد و تذبذب کا سامن نہیں کرنا پڑے گا، اس لئے کہ دنیا انسان ہی کے لئے بنائی گئی ہے اور اس کی عزت و قدر و قیمت اسی کے سبب سے ہے۔

اس دنیا کی بدبختی و بد نصیبی آلات و وسائل اور ساز و سامان کا فقدان نہیں بلکہ ان آلات و وسائل کا غلط استعمال ہے، اگر دنیا کی طویل اور حادثات سے بھری ہوئی تاریخ میں دنیا کو جو کچھ اسیرت پیش آئی اس کا سبب انسان کی گمراہی، راہ راست اور اپنی فطرت سلیمہ سے انحراف ہے۔ اس ذرائع تو انسان کے ہاتھ میں خاموش اور معصوم آلات ہیں جو اس کا حکم

مانتے اور اس کی مرضی پوری کرتے ہیں، ان آلات کا اگر کوئی قصور ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس مصیبت میں سرعت و تندی اور اس کی کمیت و کیفیت میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں۔

انسان فطرت کے اسرار و عجائبات:

حضرات ایہ وسیع کائنات اسرار و رموز اور عجیب و غرائب سے اس طرح بھری ہوئی ہے کہ اس کا حسن و جمال عقلوں کو مبہوت بنا دیتا اور ہشت و حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

یہی انسان فطرت کے اسرار عجیب، اس کے امکانات اور مخفی صلاحیتوں، قلب انسانی و گہرائی و گہرائی فہم انسانی کی بلند پروازی اور ذہنی افق کی وسعت، روح انسانی کے سوز و گداز، اس کی امتحانی امیدوں اور آرزوں، اس کی بند بختی و مادی نظمی (جس کی کوئی انتہا نہیں اور جو فتوحات، مذقوت اور مسرتوں، ملک و حکومت اور خوشحالی و آسودگی کی کسی مقدار پر قانع نہیں ہوتی) اس کی تنوع و ارتقا، بے شمار اور لامحدود صلاحیتوں کا دنیا کے اسرار و عجیب سے مقابلہ کیا جائے تو یہ وسیع کائنات اس کے سامنے سمندر کے آگے ایک قطرہ یا صحرا کے مقابل ایک ذرہ کی طرح معدوم ہوگی اور اپنی پوری وسعت کے ساتھ قلب انسانی کی وسعت اور گہرائی میں اس طرح گم ہو جائے گی جیسے ایک چھوٹی سی کنکری ایک بحر بیکراں میں گم ہو جاتی ہے، اس کے مضبوط اور غیر متزلزل ایمان کے آگے پہاڑ پیچ ہو جائیں اس کی محبت کے بھڑکتے ہوئے جذبات کے تند شعلوں کے سامنے آگ سرد اور خاسر نظر آئے اور خوف خدا کی باتوں پر ترس کھانے یا سناہوں سے ندامت پر نکلے ہوئے، آنسو کے ایک قطرہ کو دیکھ کر سمندر پانی پانی ہو جائے اور اپنی تنگ ظرفی کا ماتم کرے، انسانی سیرت کا جمال اس کے اخلاق کا حسن اور اس کے جذبات کی لطافت اور آشکار ہو جائے تو اس عالم کی تمام رنگینوں اور دفریبوں پر پانی پھیر دے اور حسن کائنات کو مات دیدے، انسان کی ذات اس کائنات میں گوہر مقصود اور بیت الغزل کی حیثیت رکھتی ہے اور خلاق عالم کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی ہے جسے اس نے بہترین صورت مکمل سیرت اور عمدہ ترین ساخت عطا کی ہے۔

انسان ہر پیمانے سے بلند ہے:

دنیا اپنے تمام خزانوں اور دینیوں اور دولت و حکومت کے ساتھ بھی اس انسانی عقیدے کا بدل نہیں بن سکتی جو شک اور کمزوریوں سے بالاتر ہوتا ہے، اور نہ اس محبت کی قیمت بن سکتی ہے، جو مادی فوائد و مصالح سے بے نیاز ہوتی ہے، اور نہ اس جذبہ بقا و قائم مقامی کر سکتی ہے، جو حدود و قیود سے آشنا نہیں، نہ اس اخلاص کی جگہ لے سکتی ہے جو اعراض و منافع سے بے نیاز ہوتا ہے، اور نہ اس کے اس اخلاق کی قیمت بن سکتی ہے، جو سودے بازی اور انتقام سے بلند ہوتا ہے، اور نہ اس مخلصانہ خدمت کے برابر ہو سکتی ہے جو بدلے اور شہریے سے بھی مستغنی ہوتی ہے۔

انسان اگر اپنے آپ کو پہچان لے اور اپنی قیمت طلب کرے تو یہ دنیا اس کے دام لگانے سے عاجز ہو جائے، اور اگر اس کی ذات وسعت اختیار کرے اور اپنے عزم و ہمت کی عنان ڈھیلی چھوڑ دے اور اپنی فطرت کو اس کے بہرہ و پرہیز دے تو یہ دنیا اس کے لئے تنگ ہو جائے، اور سمٹ کر اس کے لئے ایک بے روشنی اور ہو، کا پنجرہ ثابت ہو۔

گھٹے اگر تو بس ایک مشت خاک ہے انسان

بڑھے تو وسعت کو نین میں سما نہ سکے

فطرت انسانی کی گہرائیوں کو نہ پا جا سکتا ہے نہ اس کی تہ تک پہنچا جا سکتا ہے، نہ اس کے اسرار کا احاطہ ہو سکتا ہے، نہ اس کے اسرار کا احاطہ ہو سکتا ہے، نہ اس کی ماہیت و حقیقت کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اس کی حیرت انگیز اور اعلیٰ درجہ صلاحتیں، اس کا علم و حلم، اس کی شرافت و کریم النفسی، اس کی شفقت و محبت، اس کا رحم و کرم، اس کے شعور کی لطافت اس کے احساس کی نزاکت اس کا زہد و ایثار، اس کی خود داری و انکسار، معرفت الہی کی اس تعداد اور فانی اللہ ہونے کا ذوق، بنی نوع انسان کی خدمت کا شوق اور پیچیدہ، مشکل اور نئے علوم و فنون کی لگن، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی اور ذہن ترین لوگوں کا دماغ چکرا جاتا ہے۔

نبوت محمدیہ کا کارنامہ:

انسان کا وجود ہر خیر و برکت اور اقبال و سعادت کی کنجی اور ہر مشکل اور ہر مسئلہ کا حل ہے

اور جب اس کی ساخت میں کچی آجاتی اور اس کی تہذیب فاسد ہو جاتی ہے حقیقی انسان نادرو نایاب ہو جاتے ہیں، اور جب اچھے انسان بننے کا رواج ٹھہ جاتا ہے تو یہی چیز تمام نبوتوں کا موضوع بنی ہے اور ہر نبی اپنے زمانے میں اسی مہم کو لے کر اٹھتا ہے، اور ایسے انسانوں کا ایسی کمیت و کیفیت میں اٹھ کھڑا ہونا جس کا منظر تاریخ کی آنکھوں نے بھی نہ دیکھا ہو، نہ ایسا نظارہ چشم فلک کے سامنے آیا ہو، وہ ایک سلب گہرا ایک سیہ۔ پدائی دیوار، اور مضبوط ملت و جماعت بن گئے ہوں، اور ایک مشرکہ مقصد و عقیدہ کے لئے باہمی تعاون کرنے لگے ہوں، یہ نبوت محمدی کا کارنامہ اور عظیم معجزہ ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد مساری اور آدم کا کام اس سطح سے شروع کیا، جہاں سے کسی نبی یا مصلح کو نہیں کرنا پڑا تھا، اور نہ وہ اس کا مکلف بن گیا تھا، اس لئے کہ عام طور پر دیگر انبیاء کی قوموں کی معاشرتی سطح، زمانہ جاہلیت سے بہت بندھی اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے اپنے اس عظیم کام کو اس سطح تک پہنچا دیا جہاں تک کسی نبی کا عمل نہیں پہنچا تھا۔

آپ ﷺ نے اس سطح سے کام شروع کیا جہاں حیوانیت کی انتہا اور انسانیت کی ابتدا ہوتی تھی اور اس اعلیٰ سطح تک پہنچا دیا جو انسانیت کی انتہائی منزل ہے اور جس کے بعد نبوت کے سوا کوئی درجہ نہیں اور جسے محمد ﷺ کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔

واقعہ جو خیال و تصور سے زیادہ دلکش ہے:

امت محمدیہ کا ہر فرد اپنی ذات سے ایک مستقل معجزہ، نبوت کی نشانیوں سے ایک نشانی، اس کے ابدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ نوع انسانی کی اشرف و افضل ہونے کی ایک روشن دلیل ہے، کسی مصور نے اپنے فن کارموسے رقص و رنار ذہن سے اس سے بہتر تصویر نہیں بنائی ہوگی، جیسے کہ حقیقت واقعہ، اور تاریخ کی شہادت کی روشنی میں وہ افراد موجود تھے۔

کسی شاعر نے بھی اپنے خیال و خیال، موانع طبیعت اور شعری صلاحیت سے کام لے کر ایسے اوصاف جمیل، یک پایہ سہ قوس اور ایسے برتریدہ محاسن کا خیاں پیکر نہیں تیار کیا ہوگا جس کا نمونہ ان ذات میں موجود تھا، دنیا کے اتر تمام ادیب جمع ہو کر انسانیت کا کوئی بلند ترین نمونہ پیش کرنے کی کوشش کریں تو ان کا تخیل اس بندی تک نہیں پہنچ سکتا جہاں تعالیٰ زندگی میں وہ

لوگ موجود تھے جو آغوش نبوت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، اور جو درگاہ محمدی سے فارغ ہو کر نکلے تھے، ان کا قوی ایمان، ان کا عمیق علم، ان کا خیر پسند دل ان کی ہر تکلف اور ریا، وفاق سے پاک زندگی، انانیت سے ان کی دوری ان کا خوف خدا ان کی صفت و پایزی اور انسان نوازی ان کے حساسات کی نزاکت و لطافت ان کی مردانگی و شجاعت ان کا ذوق عبادت اور شوق شہادت ان کی دن کی شہسواری اور راتوں کی عبادت نزاری، متاع دنیا اور آراش زندگی سے بے نیازی ان کی عدل گستری، رعایا پروری اور راتوں کی خبر گیری اور اپنی راحت پر ان کی راحت و ترجیح ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی امتوں اور تاریخ میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

فرد صالح مختلف پہلوؤں اور زندگی کے میدانوں میں:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت و رسالت کے ذریعہ ایسا صالح فرد پیدا کیا جو خدا پر ایمان رکھنے والا، اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والا، دیندار و امانت دار دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادیت کے مظاہر کو نظر حقارت سے دیکھنے والا اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوت سے فتح پانے والا تھا جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ آخرت کے لئے بنایا گیا ہے، چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے میدان میں آتا تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا، اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو وہ ایک شریف و محنتی انسان نظر آتا وہ جب کبھی کسی علاقے کا حاکم ہوتا تو ایک محنتی اور بے خواہ عامل ہوتا وہ جب مالدار ہوتا تو فیاض اور غمخوار مالدار ہوتا، جب وہ مسند قضا اور عدالتی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف و دوست اور معاملہ فہم قضی ثابت ہوتا، وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا اسے سیدت و ریاست ملی تو وہ متواضع اور شفیق و غمخوار حاکم اور سردار ہوتا، اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محی فظ اور صاحب فہم خازن ہوتا۔

بنیادیں، جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوا:

انہی اینٹوں سے اسلامی معاشرت کی عمارت بنی تھی اور اسلامی حکومت انہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی یہ معاشرت و حکومت اپنی فطرت میں ان افراد کے اخلاق و نفسیات کی بڑی صورتیں اور تصویریں تھیں، اور ان افراد ہی کی طرح ان سے بنا ہوا معاشرہ بھی صدائے راست دار

یہ نیا پر آخرت و ترنیم دینے والا، اور مادی اسباب پر حاکم نہ کہ اس کا محکوم تھا، اس معاشرے کے اقتدار میں تاجری صد اقت و امانت ایک محتاج کی ساوی و مشقت، ایک عامل کی محنت و خیر خواہی، ایک ثنی و مدار کی سخاوت و ہمدردی، ایک قاضی کا انصاف اور معاملہ فہمی، ایک والد ملک کا اخلاص و امانتداری، ایک رئیس و سرور کی تواضع و رحمتی، ایک وفادار خادم کی قوت کار اور ایک امانت دار کی نظر کی نگرانی و تنہائی جمع تھی اور یہ حکومت دعوت و ہدایت کی سبب، حکومت تھی جو عقیدے کو منفعت و مصاحت اور ارشاد و ہدایت کو مالزاری اور ٹیکس وصولی پر ترجیح دیتی تھی، اس معاشرے کے اثر و نفوذ اور اس حکومت کے اقتدار کے تحت، عوامی زندگی میں ہر طرف ایمان و عمل صالح، صدق و اخلاص، جہاد و اجتماع، عین دین میں عدل و اعتدال اور اپنے اور دوسروں کے ساتھ انصاف نظر آنے لگا۔

آزمائشوں اور تجربہ کے وقت فرد صالح کی کامیابی:

حضرات ایہ فرد صالح ہر اس امتحان اور آزمائش میں پورا اترتا جو کمزور پہلوؤں کو ظاہر کرتی اور مخفی صلاحیتوں کو جانچتی ہے، یہ فرد آزمائش کی ان بھٹیوں سے گھرے اور خالص سونے کی طرح نکلا جس میں کوئی کھوٹ اور ملوث نہ تھی، اس نے ہر نازک موقع پر قوت و پانی قوت ارادی نبوی تربیت کی تاثیر پاک نفسی و حس و فہم داری اور امانت و بے نیازی اور ایش رکاوٹ بند نمونہ پیش کیا جس کی ماہرین نفسیات و سماجی اخلاقیات اور موسو، رئیسین و ماہرین بشریات توقع بھی نہیں کر سکتے۔

ان نازک موقعوں میں سب سے نازک آزمائش اس امیر و حاکم کی ہے، جو کسی سے آگے جواب دہ نہیں، نہ اسے کوئی متجسس آنکھ دیکھتی ہے اور نہ اسے کسی کمیٹی اور عدالت کا سامنا کرنا ہے۔ ایسا حاکم اپنے لئے جائز چیزوں اور اپنے ذاتی مال کی طرف سے بھی بے رغبتی دکھاتا اور اس معمولی مال کا بھی روادار نہیں ہوتا جس کی شریعت اجازت دیتی اور جو عرف عام میں رائج ہے، اور جسے کسی زمانے کے لوگوں نے اہمیت نہیں دی۔

حکمرانوں کا زہد اور ان کی ساوگی:

اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ خیفہ المسلمین ابو بکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ کو ایک بار کوئی میٹھی چیز کھانے کی خواہش ہوئی اور اس کے لئے انہوں نے اپنے روزانہ کے خرچ سے کچھ پس انداز کر لیا، جب حضرت صدیق اکبرؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے وہ رقم بیت المال کو واپس کر دی اور اپنے روزانہ کے وظیفہ سے بقدر اس رقم کے کم کرا دیا، انہوں نے کہا کہ تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ اتنی رقم زائد تھی، اور اس سے تم میں ابو بکرؓ کے گھرانے کا گزارا ہو سکتا ہے مسلمانوں کا بیت المال اس لئے نہیں کہ اس سے حاکم کا خاندان عیش و زندگی بسر کرے اور کھانے پینے میں توسع سے کام لے۔

یہاں ایک دوسری سچی تصویر جلوس خلافت کی ہے، اور اپنے وقت کی سب سے بڑی مملکت کے طاقتور حاکم کے اس سرکاری دورے کی تفصیل پر مبنی ہے، جو سرکاری کام ہی کے لئے ہوا تھا۔

یہ ایسے باجہروت حاکم کا سفر تھا جس کا نام سن کر لوگوں کے دل لرز جاتے اور وہ تھرا اٹھتے تھے، ہم ایک مؤرخ کا بیان نقل کرتے ہیں، جو اس عجیب سفر کا راوی ہے، اور اس پر بلیغ انداز میں روشنی ڈال رہا ہے، ابن کثیر کا بیان ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ بیت المقدس جاتے ہوئے ایک خاکستری رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے، دھوپ میں آپ کے سر پر کوئی ٹوپی اور عمامہ نہ تھا، بجا وہ کے دونوں طرف آپ پاؤں رکھتے ہوئے تھے اس میں رکاب بھی نہ تھی، اونٹ پر ایک موٹا اونٹنی کیڑا تھا، جسے آپ اتر کر بچھتے تھے، آپ کی گھڑی جو چمڑے یا اون کی تھی جس میں پتے پھرے ہوئے تھے سواری کی حالت میں اسی پر ٹیک لگاتے اور اترنے کے بعد اسی کا تکیہ بناتے تھے، آپ کی قمیص ایک پرانے زری کے کپڑے کی تھی، جو بغل کی طرف پھٹی ہوئی تھی۔

آپ نے وہاں کے سردار کو بلایا چنانچہ لوگ جلوس کو بلانے گئے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا کرتا دھو دو اور اس کے پھٹے ہوئے حصے میں پیوند لگا دو اور میرے لئے عاریتہ کوئی کپڑا لیا کرتا فراہم کرو چنانچہ ایک ریشمی کرتا حاضر کیا گیا آپ نے اسے دیکھ کر حیرت سے

پوچھ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ریشم ہے آپ نے پھر فرمایا ریشم کیا ہوتا ہے؟ لوگوں کے بتانے پر آپ نے اپنا کرتا اتار کر غسل فرمایا اور آپ کا پیوند گامرتا صریح کیا تو آپ نے نہ کہ ریشمی کرتا اتار کر اپنا وہی کرتا پہن لیا۔

جلوس نے ان سے مشورہ کیا کہ آپ بادشاہ عرب ہیں، اور یہاں کے لوگوں میں وراثت کی کوئی اہمیت نہیں اس لئے آپ اُسی کوئی اچھا کپڑا پہن میں اور گھوڑے پر سوار ہوں تو یہ اہل روم کو متاثر کر سکے گا، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی تو اب اللہ کے بدلے ہم کسی اور چیز کو نہیں اپنائیں گے، ایک گھوڑا لیا گیا، جس پر آپ نے اپنی چادر ڈال دی اس پر نہ لگام استعمال کی اور نہ رکاب باندھی بلکہ یونہی سوار ہو گئے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد فرمایا روکو رو، میں نے اس سے پہلے لوگوں کو شیطان پر سوار ہوتے نہیں دیکھا تھا، چنانچہ آپ کا اونٹ لایا گیا اور آپ اس پر سوار ہوئے۔

اسی طرح مورخ طبری نے آپ کے ایک سفر کا حال لکھا ہے۔

”ایک بار حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جائنشین بنا کر سفر پر نکلے آپ کے ساتھ کچھ صحابہ بھی تھے آپ مقام ابلہ کے مقابل جا رہے تھے (جو بحر احمر کے ساحل پر ہے) جب اس کے قریب پہنچے تو راستے کے کنارے ہو گئے اور اپنے غلام کو پیچھے کر لیا، آپ نے اس مقام پر پہنچ کر استنجا کیا، اور لوٹ کر اپنے غلام کی سواری پر سوار ہو گئے (جس پر ایک اٹنی فرد پڑی ہوئی تھی) اور اپنی سواری غلام کو دیدی چنانچہ جب لوگوں کا پہلا سروہ آپ سے ملتا تو اس نے آپ سے دریافت کیا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے سامنے ہیں، چنانچہ وہ آپ کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، جب ابلہ پہنچے تو ان منے والوں سے جب کہا کہ امیر المومنین ابلہ پہنچ گئے تو لوگوں نے آپ کو پیچھا کرنا اور آپ کی طرف چلے۔

انسانیت کا مثالی نمونہ:

زہد و تواضع، ایثار و ہمدردی، عدالت و شجاعت، حکمت و صداقت کے یہ بہترین اور مثالی نمونے خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں اس کثرت سے ملتے ہیں کہ انہیں کوئی مورخ و ادیب یا نفسیات و اخلاق کا کوئی عالم جمع کرے اور ان سے ایک جامع اور منفرد

شخصیت تیار کرے تو انسانی سیرتوں میں ایک ممتاز ترین سیرت و شخصیت تیار ہو جائے اور انسانیت کے عظیم مرتفع اور انسانیت کی عالمی تاریخ کی جہوہ گاہ میں ایک حسین ترین پیکر کا اضافہ ہو جائے یہاں افسوس ہے کہ ہم اس برتر و جہوہ جماعت کی عمل اور جامع تعریف و تصویر کتابوں میں نہیں پاتے جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت و تربیت کا شمرہ اور نمونہ تھی پھر بھی بعض شخصیتوں کے پچھ جلوے ادیبانہ بلاغت پیکر نگاری اور مرتفع شی کے ساتھ کتابوں میں محفوظ ہو گئے ہیں اس لئے کہ عرب قدیم زمانے سے اپنی زبان و ادبیاتی منظرنگاری اور صداقت تعبیر کے لئے مشہور رہ چکے ہیں ان کی اس خاصہ نگاری کی مدد سے ہم تربیت نبوی کے اثرات و آثار اور اس کی کامیابی و نادرہ کاری کا پچھ اندازہ لگا سکتے اور اس معاشرے کے پند نمونے دیکھ سکتے ہیں جس کی وساطت سے رسول اللہ کا اجماعی زاپی دلش ترین شکل میں ظہور میں آیا تھا ان تصویروں میں ایک تصویر سیدنا علی مرتضیٰ کی ہے یہ تصویر اپنی تاثیر و تعبیر کے اعتبار سے عالمی اور غیر فنی ادب کے بہترین نمونوں میں شامل ہونے کی مستحق ہے۔

ایک موقع پر امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے فتنہ قدیم ضرار بن ضمرہ سے (جنہیں ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے اور انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا) حضرت علیؓ کے اوصاف و محاسن بیان کرنے فرمائش کی تو انھوں نے کہا۔ واللہ وہ بشر ہے بلند ہمت اور مضبوط اصحاب کے۔ ایک تھے آپؐ کی بات قوں فصیل اور آپؐ کا فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا آپؐ کے ہر پہلو سے علم کا پشما ہوتا تھا آپؐ کو دنیا اور اس کے زیب و زینت سے وحشت رہتی تھی رات کی تنہائی اور تاریکی سے آپؐ بہت مانوس تھے خدا کی قسم آپؐ بہت ہی رونے والے طویل غور و فکر میں رہتے تھے آپؐ اپنی ہتھیلی کو پلٹ کر اپنے آپؐ سے مخاطب ہوتے اور اپنا محاسبہ کرتے آپؐ کو مون جھوٹا ہنس اور روٹھا پھیکا کھانا پسند تھا وہ ہم میں ہمارے ہی طرح رہتے تھے جب ہم کوئی بات پوچھتے تو بیش شت سے جواب دیتے اور جب ہم ان کے پاس آتے تو خیریت ظہلی میں پہلے کرتے آپؐ ہماری دعوت پر ہمارے یہاں شریف لاتے لیکن ان کی شفقت اور اپنی نیاز مندی اور بے تکلفی کے باوجود ہم رعب کے مارے زیادہ گفتگو نہ کرتے اور نہ گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے مسکراتے تو اور ان کے دانت موتیوں کی لڑی معلوم ہوتے وہ دینداروں کی تعظیم کرتے اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے کوئی با اثر شخص ان سے کسی غلط کام کی امید بھی نہیں کر سکتا

تھا اور نہ کمزور آدمی ان کے عدل سے محروم ہو سکتا تھا۔

میں خد کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں کبھی بھی اس حال میں دیکھا ہے کہ رات بھر چکی ہے اور سترے ڈوبنے لگے ہیں اور آپ اس وقت اپنی محراب میں اپنے محاسن شریف پکڑے ہوئے سانپ کاٹے ہوئے شخص کی طرح بے چین ہیں اور کسی غمزدہ کی طرح رو رہے ہیں اور میں انہیں یہ کہتے سن رہا ہوں کہ اس دنیا یا تو مجھے نشانہ بنانا چاہتی ہے اور میرے لئے بن سوراخی ہے؟

دور ہوا، دور ہوا اور میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے میں نے بغیر رجعت کے تجھے تین طاقیں دیں تیرے علم مختصر تیرا پیش فقیر اور تیرا خطہ بہت بھاری ہے آواز ادا نہ کر رہا اور راستہ ہشتادک ہے۔

پہلا اسلامی معاشرہ:

حضرات! رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے نتیجے میں قائم ہونے والا یہ معاشرہ جسے آپ کی تربیت نے سکون بنا دیا تھا وہ انسانیت کی پوری تاریخ میں بہترین انسانی معاشرہ ثابت ہوا جو دانش کا مل اور تمام انسانی محسن کا جامع تھا اس معاشرے کا تعارف اس کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بڑی بلاغت مختصر لیکن ہمہ گیر اور معنی خیز اور وسیع امکانات رکھنے والے غلط میں اس طرح کیا ہے وہ لوگ تمام لوگوں میں پاکیزہ ترین دل عمیق ترین علم اور کم سے کم تکلف والے تھے جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت بابرکت و ارادین کی سر بلندی و نصرت کے لئے انتخاب فرمایا تھا۔ جب اس معاشرے کا کسی اور معاشرے سے مقابلہ کیا جائے گا تو بحیثیت مجموعی اس کا پتہ بھاری نکلے گا اور اس کی کمزوریوں کا پتہ ہو (جس سے کوئی بشر خالی نہیں) اس کے محسن اور اس کے عظیم بشری نمونوں کے مقابلہ میں بہت ہی فقیر دھاتی دے گا اور اس کے اخلاقی کمالات کے اپنے نادار شاہکار نظر آئیں گے جن سے تاریخ انسانی خالی ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بڑی بلاغت اور یقین دہانی کے ساتھ فرمایا ہے۔

”اس امت نے بہترین لوگ صحابہ راسخ ہیں اس لئے کہ امت میں ان سے بڑھ کر بدایت اور دین حق پر جمع ہونے والا اور تفرق و اختلاف سے ان سے بڑھ کر دور رہنے والا کوئی اور

نہیں ان کی طرف جو تھوڑی سی کوتاہیاں سمجھائی جاتی ہیں اس پر ان کا امت کا پورا فخر اوستہ مقنا بد یہ جانے تو وہ بہت ہی کم دھانی دین کی اس طرح جب امت کی کوتاہیاں دوسری قوموں کی کوتاہیوں کے مقابلے میں انھیں قوت کا پتہ چکی یا کاتھرا آئے گا اور جو یہ خط بیانی کرتا ہے وہ وہی ایک سفید پیر کے ایک کا کہ جسے وزیر اعلیٰ دھاتا ہے وہ دوسری قوموں کے جہاد یا وہ نہیں دیکھتا جس میں سفیدی چند نقطوں کے برابر ہے اور اس طرح فیصدہ در دین بزرگ ظلم و جبرمات ہے۔

رسالت محمدیہ کا اثر بعد کی نسلوں پر

دعوت نبوی تعصبات محمدی و رات بندہ پائیہ نسوں کی تاثیر (جنھیں آپ نے اپنی اور اپنے) اصحاب کی یہ تکی شغل میں پیش کیا اور بعد کے دامن و جن کی تاثیر و تقصیر کی تھی) اور آپ ﷺ کی عظیم شخصیت (جو تمام احوال اور تمام احوال کے لئے کامل مثال روشن چراغ اور انہی رہنما رہی ہے) کا اثر ان مہد تک موقوف نہ تھا جس میں آپ ﷺ دعوت ہوئے تھے اور نہ اس معاشرے تک محدود تھا جس نے آپ ﷺ کا مبارک زمانہ پایا اور آپ ﷺ کی صحبت سے استفادہ کیا تھا وہ تو اس نیر اعظم کی طرح تھا جس کی روشنی دوسری میں میتیں اور پھل سزا نے اور ہر جہد میں پکتے ہیں اور جو اپنی بلندی سے پنی سمین نہ کی و رقت و حیات سے ہر کی دہائی بر نہیں انیا کی طرف جھپٹتا رہتا ہے جن سے ہر اور نزدیک کی چیز مستفید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کے لئے آپ کی دعوت اللہ کی کمرانی کا اقتضار اس کے عظیم و منصب کا خوف اس کے اجر و ثواب کی طمع جہنم کا ذرا اور جنت کا شوق رسول اللہ ﷺ کی مثال دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب زندگی میں سادگی و انوکھائی اور پچی اور پرتوجہ بیگانہ سے ہر تھوڑا اور خویش و اقارب پر اس کو مقدم رکھنا اور قریبی اعزاء کو جہاد و مشقات اور قربانی کے مقبول پر آگے بڑھنا مکارم اخلاق و رایسے ناز و لطیف احسانات و فروغ دین (جنہیں ذی و ذہن و کسوت بھی سمجھیں) یہ سب چیزیں ایک عالمیہ ابدی اور ہمہ گیر مدرسہ کی طرح تھیں جس سے عیسے بعد دھیر کے نئی نسلیں فیض یاب ہوتی رہیں اور عہد و وق مدین بادشاہ اور حکام و بزرگوار اس سے مستفید ہو ہو کر نکلتے رہے سب نے اسی مثال مدرسہ میں اخلاق انسانیت کے پہلے سبق نے اور پھر سب پر فاق ہو گئے اور پچے اخلاق فاضل و بتدی، طافت

اس شیعہوں کی رستہ گزشتہ امامت واری کی پیش و ضرب کا سامان خزانوں کی کجیوں حکومتوں کی ہاک اور اور قوموں کا مستقبل اپنے ہاتھ میں رکھنے سے باوجود زبرد و شہادت جہالت میں تمام قوموں سے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس یوں تاثیر سے فینس یاب ہوئے اور میں زمانہ مکان کے بہت سے فاسق ہیں جن میں وہ بہر حال ایمان کی حقیقی نبوت کی فصل و دولت سدری کا شجر، اور رسالت محمدیہ کا کارنامہ ہیں اور ان کی یہ ت و اخلاق میں جو چھٹن سن فہر آتا ہے وہ نبوت محمدی کی جلوہ سامانیوں کا پر تو ہے اس عقیدہ و سیدت و اس اخلاق کے نفسوں میں ان کے والدین ماحول اور ان کی ذہانت کا اس میں کوئی خلل نہیں اس سے کہ اور رسالت اللہ علیہ السلام کی موت اور تعینات اور ان افراد کی رسالت اللہ کے بہت اور یہ ت نبوت کی بات کا فوق اور یہ سامان نہ ہوتا تو وہ عقیدہ کے میں ہوں کے پجاری و اخلاق میں درندوں اور پوپایوں کی سن ہوتے نہ تو حید ہوتی نہ تقوی ہوتا نہ زید و ایثار ہوتے نہ عشو و علی ظرفی نہ لطافت جذبات ہوتی اور نہ حسن اخلاق۔

عالمگیر اور ابیدی در۔ گاہ محمدی کے بعض تلامذہ اور ان کے اخلاق و زندگی کے چند نمونے:

اس مدرسے کے تلامذہ و فاضلہ میں سے ایک شخص جو کہ میں نے نبوت محمدیؐ نے ہوا وہ اسامہ بن جریجہؓ صحابہ مہد رسالت سے بہت دور تیار یا تھا اور اسے نسب کے اعتبار سے جس کی رئیس عربی خون سے خالی تھیں، وہ سلطان صلاۃ الدین بردی بن ہیں، جن وسدات الدین ایوبی کے نام سے تاریخ اسامہ جاتی ہے، جو پچھلی صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ () ان کے بارے میں ان کے رفیق اور معتمد خاص (secretary) ابن شداد کہتے ہیں۔

ان کی حکومت میں کیا کچھ نہیں کیا سین مرتے وقت ان کے پاس چاندی کے کل ۴۷۰۰۰ ناصری درہم اور ایک سوئے کا آئدہ گا، جس کا وزن مجھے نہیں معلوم ہوا۔ میں نے نہیں ایک بار بیت مقدس میں وفود کے درمیان دیکھا اور وہ مشتق بنے کی تیری میں تھے سین ان کے خزانے میں ن وفود دینے کے لئے کچھ نہ تھا، میں اس سلسلے میں گفتگو کرتا رہا آخر انہوں نے بیت مسلمان کی کچھ چیزیں فروخت کیں اور ان وفود کو دے دیا اور ایک درہم بھی باقی نہیں بچا۔

وہ نئی کال میں بھی اسی طرح والاودیش سے کام لیتے جس طرح خوش حالی کے وقت فیضی برتتے تھے، اسی لئے ان کے خزانہ داران سے کچھ چیزیں چھپا کر اہم فوری ضرورتوں کے لئے رکھ لیتے تھے، اس لئے کہ انہیں جب بھی کسی شے کا علم ہو جاتا تو اسے باہر منگاتے، یہ نقشہ دوران میں نے انہیں یہ کہتے سن کہ دووں میں جھپٹاؤ یہ بھی ہوا کرتا ہے، جو مال کوئی بچھتے ہیں، کو یہ یہ ن کا اپنی ہی ذات کی طرف اشارہ تھا، وہ سارا مال و قوت سے ریاہ و دینیت تھے۔

جب یہ عظیم بادشاہ جو شام کے شہر حلب کے قریب دمشق میں حکومت کرتا تھا، دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے خزانے میں اس کے غنیمتوں تک کا پیسہ نہ تھا، ابن شداد کا بیان ہے کہ

”پھر ان کے غسل اور غسل کی تیاری ہونے لگی تو ہمیں اس کا انتظام اس طرح کرنا پڑا کہ معمولی چیزیں بھی قریش سے لینا پڑیں حتیٰ کہ گھاس کے پالے جو قبر میں رکھے جاتے ہیں۔ قریش ان سے لئے گئے نماز ظہر کے بعد ایک معمولی پٹے سے ڈھکے ہوئے تابوت میں آپ کا جنازہ لایا گیا، کفن کے تمام کپڑے قاضی فضل نے مہیا کئے تھے۔

صدر الدین کا یورپین سیٹنگا رلیس پول (Stanely Lanpool) اپنی مشہور کتاب صلاح الدین میں لکھتا ہے۔

اردنیہ و صدر الدین کی شرافت و عاقبت حوصلہ کی اس معادہ کے سوا اور کچھ نہ معلوم ہو جو اس نے بیت المقدس کی فتح اور اسلام کے لئے اس کی بازیابی کے وقت اپنے مسیحی دشمنوں کے ساتھ یہ تھا تب بھی یہ ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ اس کے زمانے میں عالی ہمتی، عظمت و شجاعت، اور مردانگی و بہادری اس سے بڑھ ہو انہیں تھا، بدھ س معاہدے میں تو وہ ہرزمانے کے لوگوں میں بھی عظیم تھا۔

یہ محمدی تاثیر، قوت و فیضان اور امکانات سے بھرپور، اور وسعت و ہمدیاری کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں کارفرما رہی اور ان ملکوں میں جو عالمِ اسلامی کے دورِ دراز گاہروں پر واقع ہیں، اور نہ مسلم قوموں اور افراد میں جو اسلام کے اولین داعیوں سے سل و زبان اور ثقافت کا کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے، اپنے عجیب و غریب طہر کرتی رہی چنانچہ ایسا اکثر ہوا ہے کہ ایسے لوگ

سکی، اعلیٰ اسلام یا روحانی مرشد کے ہاتھ پر مسلمان ہونے، اور پھر ان کی اواد میں بادشاہ یا بادشاہی صورت میں زائد متانہ اور ان کا مل پیدا ہونے جس میں خشیت و تقویٰ، عدل و توازن، بہمدردی و غمخواری، رحم و کرم، احتساب و اخلاص، نیت، اور صدق و صفا کے وہ نمونے پائے گئے کہ اور ان قوموں کے احبار و رہبان، و پوپ پادریوں میں بھی ایسے نمونے نہیں پائے گئے، ان کے موب و سلاطین کا تو سماں ہی نہیں۔

میں یہاں بندہ ستان کی حویلِ اسدی تاریخ سے (جو یہ بلند نمونوں سے بھری ہوئی ہے) ایک ہی نمونے پر اکتفا، بروں کا جس کی جدت و ندرت اور تازن و طرقلی مراد راہ و اعادہ تکرار کے باوجود اب تک نہیں ہوئی ہے، اثرات کے بادشاہ مظفر حسین (۱۹۳۲ء) اور اس کے معاصر سلطان محمودین و مندانہ کے درمیان پران رنشت تھی، سلطان علی برابر ج رایت کے مملکت پر حرات پر حملہ آور ہوا کرتا تھا جس کے نتیجے میں سلطان مظفر حسین کو اپنے ملک کا دفاع اور جو ابی حملہ کرنا ہوتا تھا قسمت کی بات کہ نمود پر زواں آیا اور اپنی قوت و شوکت پر ناز کرنے والے اس بادشاہ کو ایک نہ سزوں کی حیثیت سے اپنے کریم نفس پرانے دشمن سے فریاد کی اور امداد بھی کرنی پڑی اس سے کہ اس کے ملک پر اس کے وزیر منڈی راہ نے قبضہ کر لیا تھا، سلطان محمود، سلطان مظفر کے دامن مہطت اور اسدی غیرت کے سوا انہیں جانے پناہ نظر نہیں آئی چنانچہ جب موقع وہ سلطان مظفر کے طف و لرز، مدد و تعاون کا سراواں اٹھیں، یہ معاملہ وہ شخص بھی نہیں کرتا تھا، جو بلی عصبیت کا شکار اور مادیت و موقع پر ق کے فلسفہ میں سرفراز و ت، سلطان مظفر نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ اپنی چار اور نسبت اتن کو کوئی معذہ، یہ بد صفا اندکی رضا سے اور نفس و شیطان کے علی رغم اس موقع کو غنیمت سمجھا، وراپنے شکر جبار کے ہاتھ مانڈو کی طرف بڑھا اس سے اس حریف سلطنت کے معنے اپنی سلطنت کے معنے کی طرح، بندہ اس سے بھی بڑھ براہیمت کی وراپ اسدی ممدت کی آزادی کی حفاظت اور شوکت اسلام کے اعادہ کے لئے اپنی حکومت اور اس کی حیت و سلطنت کو دو پر اکا دیں، اہل سے کافر و جہیں اور بت پرست طاقتیں بھی اپنے حلیف سک، ند و کی مدد کے لئے میدان میں آئیں اور ایک خون و بدوئی ٹرائی چھڑنی جس میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور کئی کوچوں میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، بالآخر سلطان مظفر کو فتح اور دشمن کو شکست فاش ہوئی، رچپوت

بادشاہوں کے پاس طریقے کے مطابق ہندو رانیوں اور بادشاہ کی بیگمات نے جوہری پرانی رسم ادا کی اور بالآخر یہ ملک پھر مسلم حکمرانی میں آ گیا۔

یہاں انسانی شرافت اور اسد ملی اخلاق کا ایک اور بہترین نمونہ سامنے آتا ہے سلطان مظفر کے بعض فوجی مشیروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ اس ررنیز اور نو بھارت ملک پر قبضہ کر لے، جس کے خوشنما محلات، مضبوط قلعوں، اور پھرے ہوئے خزانوں کی (جو کمزور و مغرور بادشاہ کی حماقت سے خطرہ میں پڑ گئے تھے) ہندوستان میں کوئی مثال نہ تھی، ان کی منطوق یہ تھی کہ اب بادشاہ نے اسے از سر نو فتح کیا ہے، اس کے اب وہ اس کا حقدار ہے، ملک و قوت و غلبہ کا نتیجہ ہوتا اور شہر، فوج کی عدیت مجھے جاتے ہیں۔

سلطان کو جب اس رائے اور فوجیوں کی خواہش کا علم ہوا تو سلطان محمود کو حکم دیا کہ اسے فوجیوں میں سے کسی کو شہر میں نہ جانے دے، سلطان محمود نے اس سے قلعہ میں چھ ٹھہرنے اور غنسل وغیرہ کی دعوت دی لیکن سلطان مظفر نے یہ دعوت شکر یہ کے ساتھ نامنظور رد کی اور اپنی فوجوں کو احمد آباد اور اپنے ٹھکانوں پر واپسی کا حکم دیا اور محمود غزنوی سے کہا کہ میں تو اس ملک میں صرف اللہ کی رضا، اس کے ثواب کی طمع اور اس کے اس حکم پر عمل کرنے آیا تھا کہ

وان استصروکم فی الدین فعیکم النصر

اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد چاہیں تو تم پر مدد لازم ہے۔

والمسلم احو المسلم لا یسلمہ ولا یحذله

مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے جسے نہ دشمن کے سپرد کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔

اب میرا یہ مقصد پورا ہو گیا، اور اللہ نے مجھے، آپ کو، اور اسلام کو سرخرو کیا میں نے اپنے ساتھیوں سے ایسی باتیں نہیں جن پر میں عمل کرتا تو میرا عمل رائیگاں اور میرا جہاں ضائع ہو جاتا اور اس معاملے میں میرا نہیں بلکہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے اس سعادت کا مجھے موقع دیا، اور اس کا سبب بنے، اب میں اپنے ملک واپس جا رہا ہوں، اس سبب کہ اپنے عمل کو بے قسمت نہیں بنانا چاہتا، اور نہ نیکی کے ساتھ بدی کو ملنا چاہتا ہوں، بادشاہ کے یہ کہتے ہی اس کی فوج مظفر موج حرست میں آگئی شہسواروں نے احمد آباد کی طرف عنعن عزیمت موڑ دی، اور ایک مثال قائم کرتے ہوئے اپنے ملک کو لوٹ گئے۔

مظفر کے نائندہ و فتح کرنے اور فتحی نہ اور با عزت داخلہ کے وقت محمود نے اپنے دوست مظفر کو یہ راتے اور اس ملک کے خزانوں اور عجیبات دھانے کے لئے ساتھ لے لیا، یہاں کی ہر چیز تعجب خیز اور حیرت انگیز تھی، شہر مانڈو سن و سرسبز، ثروت و عمارت، خوش جہاں باندیوں اور عورتوں کا ایک مینا بازار تھا یہاں سلطان مظفر سر جھکاے نظریں پیچی کئے ہوئے اور اس ماں و بہاں کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کے ہوئے تھے، محمود نے اپنے اس شرمیہ دوست سے چشم و خدام اور جوار کی اور نیندوں سے درمیان سے نررت ہوئے (جو فتح کے استقبال کے لئے اٹھ کر مسر رہی تھیں) کہا کہ جناب ماں یہ بات ہے، آپ نہ اٹھتے ہیں نہ اس مظفر کو دیکھتے ہیں؟ سلطان مظفر نے کہا کہ محمود!

میرے لئے یہ جہاں نہیں لگتی فرماتا ہے۔

فل للمومنین یعصوا من ابصارہم
مومنوں سے کہے کہ اپنی نگاہیں پیچی رہیں۔

محمود نے کہا کہ وہ میری باندی ہیں، درمیں آپ کا نام ہوں ہے آپ نے اپنے احسان سے بندہ اب دام بنالیا ہے، اس لئے وہ وہرے طریقہ پر بھی آپ کی باندی اور خدام میں یہاں مظفر کو یہ نکتہ مطمئن نہیں کر سکا، اس کا یقین تھا کہ اللہ نے جسے حرام یہ ہے اسے کوئی حد نہیں دے سکتا۔

اس طرح زائد وقتی بادشاہ نے اپنی شرافت اپنے باطن اور روح کی عفت، اسد سے شدت تاثر، اور بند اسد کی اخلاق کا نمونہ قائم کر دیا جن کی محبت اس کی گھٹی میں پڑی تھی اور جن پر وہ زندہ بھر کار بند رہا، بادشاہ کا اسد می نسب و تین واسطوں کے بعد ہندی نثر، غیر مسلم خاندانوں، اور نام برادری کے پشتوں میں کھو جاتا ہے، جن کا ایک فرد شرب بہ اسد ہو کر اس عظیم سلطنت کا بانی ہوا تھا، اور اسد می مورث کو اس کے دادا کے بعد اسد می نام نہیں ملے جو فیہ و تغلق کے وقت میں آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان ہوا تھا اور اس کے بعد ہندوستانی نام آنے لگتے ہیں جن کی اصلیت و مفہوم کا پتہ نہیں چلتا، سلطانات مظفر نے یہ شرافت اور تقویٰ، درس گاہ محمدی ہی سے سیکھا تھا جس کا وہ مخلص و مفتی شہرا تھا، اور جو اسد می کی نعمت اور محمد رسول اللہ ﷺ کے فضل و حسان کا قدر داں اور اس دین سے پوری دلچسپی اور احترام کے ساتھ متعلق تھا۔

اس دائمی و مبارک مدرسہ کی ہر زمانے اور ہر قوم میں کارگزاری:

حضراتِ معین! اس بابرست اور ہمہ خیز مدرستے کے کتنے فرزند شرق و غرب اور عرب و عجم، قرآنِ اولیٰ و دوسری اور عبدِ حاضر میں پھیلے ہوئے، اور ان عظیم فرزندانوں کے کتنے کارنامے اور فتوحات، اور فضائل و وحی سن، انسانی زندگی کے ہر گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔

اس مدرسہ کی تربیت کی تاثیر اور اس کے بانی کا فیض بھی طارق کی شجاعت، محمد بن قاسم کی بسالت اور موسیٰ بن نصیر کی ہمت کے پردے میں چمکا، بھی امام ابو حنیفہ و امام شافعی کی ذکاوت و ذہانت کی شکل میں ظاہر ہوا، بھی امام مالک و امام احمد بن حنبل کی صلابت و استقامت کے پیلر میں آشکارا ہوا، بھی نور الدین زنگی کے لطف و نرم میں جلوہ گر ہوا، بھی صلاح الدین کے عزم و محکم اور سعی پیہم سے ہو پیدا ہوا، بھی امام غزالی کا جوہرِ مال بن رسا منے آیا، اور بھی شیخ عبد القادر جیلانی کا تقدس و روحانیت بن کردلوں کا مداوا بنا، بھی ابن جوزی کی تاثیر بنا، بھی محمد فاتح کی شمشیر بنا، بھی محمود غزنوی کی مہم جوئی اور بھی حضرت نظام الدین اولیاء کی رقت و شفقت ثابت ہوا، بھی فیروز شاہ خلجی کی بلند طبعی میں صورت پذیر ہوا، بھی ابن تیمیہ کے تجریمی میں، بھی شیر شاہ سوری کے حسن تدبیر کی شکل میں سامنے آیا اور بھی اورنگزیب عالمگیر کے آہنی عزم کی ہیئت میں، بھی شرف الدین یحییٰ منیری کے معارف و حکم میں نمایاں ہوا، اور بھی مجدد الف ثانی کے آثارِ قدیم و قدم میں، بھی شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت بن کر ابھرا اور بھی شاہ ولی اللہ کی حکمت بن کر، اور بھی ان کے بعد بے آنے والے داعی و مصلحین اور سہارے ربانی کی خدمات بن کر۔

ان تمام عبقریتوں، اور ان کی علمی و عملی خدمات کا سلسلہ نسب و نسبت اس مدرسہ اور اس کی تربیت اور اس نے اور خوش آئند عہد پر مبنی ہوتا ہے، جو محمد ﷺ کی بعثت سے شروع ہوا، جس میں انسانیت کے افضل ترین امکانات کو ابھرتے اور سرگرم ہونے کا موقع ملا اور جس میں ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے والے افراد ملنے لگے، یہ مدرسہ زمانے کی چیرہ دستی اور لوگوں کی نا آشنائی کے باوجود تاریخ میں بے مثال افراد پیدا کرتا رہا اور خدا کے حکم سے اپنے مفید اثرات و ثمرات سے انسانیت کی جھولی بھرتا رہا ہے، وہ اپنے ان مخلص قائدین اور ربانی علماء کے ذریعہ انسانیت کی خبر گیری اور داری کرتا رہا ہے جن کے بارے میں قرآن

میں ہے۔

ادلة على المؤمنين اعراف الكافرين يحاهدون على سبيل الله
ولا يحافون لومة لائم

وہ مومنوں کے سامنے نرم اور کافروں کے مقابل سخت ہیں اللہ کے راستے میں جہاد کرتے
ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔
اور زبانِ غیب یہ صد الگاتی ہے کہ

فان يكفر بها هؤلاء فقد وكدنا بها قوما ليسوا بها كافرين
تو اگر یہ لوگ اس کا انکار اور اس نعمت کی ناشکری کریں گے تو ہم نے اس کے لئے ایسی
قوم متحرر کر رکھی ہے۔ جو منکر اور کافرت نہیں۔

وما عينا الا البلاغ المبين

ہدایت کے امام اور انسانیت کے قائد خود ساختہ رہنماؤں کا انسانیت کے ساتھ مذاق

الحمد لله بحمده وسعبه ويستغفره ويعوذ بالله من شرور
المنان ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا
هادي له وشهد ان لا اله الا الله وشهد ان محمدا عبده ورسوله
الذي ارسله الله تعالى الي كافة الناس نبيا وداعيا الي الله
بآذنه وسراجا ميرا O

نوع انسانی اپنی طویل تاریخ میں ہمیشہ خود ساختہ رہنماؤں اور برسرِ اقتدار شخصیتوں کا
ٹھیک اور مذاق، اور قانون سازوں اور حکمرانوں کے تجربات کا نشانہ بنتی رہی ہے ایسے لوگوں نے
اپنے اپنے جنس اور اپنے ہی جیسے انسانوں کے ساتھ وہی سوک سی جو آئیب، بچہ کا غدے کی
پر زبے کے ساتھ رتا ہے، بچہ کبھی کاغذ و لپیٹتا، کبھی پھیلاتا بھی کھولتا بھی بند کرتا اور جب جی
چاہے پھرتا اور جلاؤں لگاتا ہے۔

ان کے لئے انسانی زندگی، اس کی ترقی کے امکانات اور اس کے وسیع مضمرات کی کوئی
قیمت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے انسان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی جو صلاحیت و ولایت فرمائی ہے،
اور قائدین پر اعتماد اور جان نثاری کی جو صفت رکھی ہے، اس کے سسے میں انہوں نے نہ خدا ترسی
سے کام لیا، نہ حق و انصاف کے تقاضے پورے کئے، نہ کسی تعقل اور ذمہ داری کا لحاظ کیا اور اسے
انہوں نے اپنی خواہش و منشا کا آلہ کار اور قیادت و سیادت اور اعزاز کا ذریعہ بنا لیا، ان قائدین
کی کوتاہ نظری، خطا کاری و گمراہی، اور غلط فہمی و غلط بیانی نفس پرستی و ہوس، انفرادی و اجتماعی انا
نیت قومی و وطنی عصبیت نے بد قسمت انسان کے سر پر طویل بد بختی اور مصیبت لاد دی ہے،

انہوں نے اپنے اخلاص، بصیرت، خدقِ دوستی اور احترامِ انسانی کے بارے میں مستقل شبہات پیدا کر دیئے اور اس بات کی اب کوئی ضمانت نہیں رہی کہ انسانیت ان کے زیرِ سایہ پھل چوں سکتی ہے۔ تاریخِ انسانی ان لمیوں اور رسوائیوں و راینک ساتھ ہنسنے و رلانے والے واقعات سے بھری ہوئی ہے اور مشرق و مغرب میں آج بھی بہت سی قومیں انہیں طاعِ آزمائشِ ظریفِ قائدین کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہی ہیں، جو اس سے ہلکتے، اسے سینہ کی طرح ٹرھکاتے اور اس پر ہر روز نئے تجربے کرتے رہتے ہیں، اور پھر خود ہی ان تجربات کی غلطی و ناکامی کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور کبھی ان سے اقتدار حاصل کرنے والا اور ان کا جانچنے والی رسوا کرتا اور ان کے کرتوتوں سے پردہ اٹھاتا ہے، اور کبھی انہیں تاریخِ محفوظِ سرایتی اور آنے والی نسلیں ان سے واقف ہو جاتی ہیں۔

غلطیوں سے پاک انبیاء علیہ السلام کی ضرورت:

ان ناکام تجربوں اور غلط نتائج کی زد سے عقائد و ایمانیات بھی محفوظ نہیں رہے جن پر حسن انجام، دنیا کی سعادت اور آخرت کی نجات کا دار و مدار ہے، اور جو صحیح اخلاق، صالح تہذیب، بندے کو خدا سے ملنے والی عبادات، اور شریعتوں کی تشکیل و تکمیل کرتے ہیں، اور جن میں کسی غلطی کی تلافی بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوتی ہے، اس لئے ایسے قائدین کی ضرورت پیدا ہوئی جو امانت دار، مہربانوں اور غلطیوں سے پاک، ہر لچ اور نفع اندوزی اور مادی معاوضہ کی خواہش سے بری ہوں، جو خواہشات سے مغلوب اور جذبات سے متاثر نہ ہوتے ہوں، جو اپنی رائے اور ناقص معنویت، محدود تجربوں اور ذاتی مصحتوں کے ماتحت کوئی فیصلہ نہ کرتے ہوں اور جب ان سے بھی کوئی اجتہادی غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ کے بعد وہ ان غلطیوں پر قائم اور مصر نہ رہتے ہوں۔

امانت داری اور اخلاص:

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ ہر مبعوث ہونے والا نبی اپنی امت کو اپنی امانت داری اور اخلاص و بغرضی کا پورا یقین دلاتا ہے، سورہ شعراء میں ایک نبی کی زبان سے جو وضاحت

فرمائی گئی ہے اور جو یقین دلا یا گیا ہے، اسے پڑھئے۔

(۱)۔ کذبت قوم نوح المرسلین اذ قال لهم اخوهم نوح الا تتقون۔

انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعوا۔ وما اسئلكم علیہ من اجر ان احری
الا علی رب العالمین

قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے
کیوں نہیں، میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا، نو اور اس کا تم سے
کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو رب العالمین ہی پر ہے۔

۲۔ کذبت عاد ن المرسلین اذ قال لهم اخوهم هوذا لا تتقون۔ انی

لکم رسول امین۔ فاتقوا اللہ واطیعوا۔ وما اسئلكم علیہ من اجر ان احری
علی رب العلمین

عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی ہود علیہ سلام نے کہا کیا تم ڈرتے
نہیں میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، کیوں نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول
ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، میرا
معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

(۳)۔ کذبت ثمود ن المرسلین اذ قال لهم اخوهم صالح الا

تتقون۔ انی لکم رسول امین۔ فاتقوا اللہ واطیعوا۔ وما اسئلكم علیہ من اجر ان
احری الا علی رب العلمین

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں
نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں
اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

(۴)۔ کذبت قوم لوط ن المرسلین۔ اذ قال لهم اخوهم لوط الا

تتقون۔ انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعوا۔ وما اسئلكم علیہ من اجر ان
احری الا علی رب العلمین

قوم لوط نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم تقویٰ

کیون نہیں اختیار کرتے، میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا، نوا اور میں تم سے اپنے اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پالنہ باری کے ذمہ ہے۔

(۵) کذبت اصحاب الا یکتہ المرسلین اذ قال لہم شعیب الا
تتقون انی لکم رسول آمین فاتقوا اللہ واطیعون وما استلکم علیہ من اجرا
اجری الا علی رب العلمین

ایکہ والوں نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے شعیب علیہ السلام کہا تم ڈرتے کیون نہیں میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میری باتیں مانو اور میں تم سے اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا اجر تو جہانوں کے پالنے والے پر ہے۔

یہ مقصد کی وحدت جو مختلف امتوں اور مختلف زمانوں کے انبیاء کے بارے میں مشترک ہے اپنے اندر بڑے عمیق معنی رکھتی ہے، غلط امانت ایسا جامع لفظ ہے، جو صداقت وحی خداوندی کو صحت کے ساتھ قبول کرنے، نصحت کے ساتھ امت تک پہنچانے کے معانی پر مشتمل اور رسالت و نبوت کے خدا مکارکن اساس ہے، عربی زبان میں اس مقصد کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور جامع و بلیغ لفظ نہیں۔

یہ حکمت الہی کا تقاضا تھا کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے ہی اس صفت کے ساتھ شہرت پائی، اور مدائمیوں کے دل میں خود بخود یہ بات آگئی کہ وہ آنحضرت کو صادق و امین کے معزز لقب سے پکاریں۔

اسی طرح اخلاص، بے غرضی، بے قسم کی لاج اور ہر قسم کے شخصی یا ادا و اقرار کو حاصل ہونے والے نفع سے پرہیز انبیاء کا شعار ہے۔ اور یہ فطرت سلیمہ اور عقل مستقیمہ کا تقاضا ہے کہ ایسے بے غرض و خیر خواہ دایمیوں سے محبت کرے اسی لئے حضرت صالح علیہ السلام نے افسوس و تعجب سے کہا تھا۔

یا قوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی و نصحت لکم و اکن لا تحبون

الناصحین

اے قوم میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کرتا رہا لیکن اس کا کیا علاج کہ تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور اس فرستادہ نے کہا جو شہر کے کنارے سے آیا تھا۔

یا قوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلكم اجرا و ہم مہتدون
اے قوم رسولوں کی اتباع کرو ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور وہ
ہدایت یافتہ ہیں۔

اسی معنی کی وضاحت حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے کی تھی۔

وقال موسیٰ یا فرعون انی رسول من رب العلمین حقیق علی ان لا

اقول علی اللہ الا الحق قد جنتکم ببیۃ من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل
موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں (اس لئے) میرے لئے یہ
ضروری ہے کہ میں خدا کے بارے میں حق ہی کہوں میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف
سے کھلی دلیل لے کر آیا ہوں اس لئے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو۔

امت کے لئے تحفظ اور ضمانت:

انبیاء کی عصمت، امانت، اور بوثی ان کی امتوں کے مذاہب و عقائد کی حفاظت و
دیانت کی ضمانت اور غیر قوموں کی لالائی ہوئی آزمائشوں کے مقابلہ میں ایک پناہ گاہ ثابت ہوئی
جس کے سبب وہ شبہات میں مبتلا ہونے اور انبیاء کے کارناموں اور ان کے نتائج کے بارے
میں شک و حیرت سے بچ گئے۔

عصمت انبیاء کی حقیقت:

عظیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۷۰۲ھ) اپنی بے نظیر کتاب حجتہ اللہ البالغہ
میں بادیانِ طریقت و بانیانِ ملت یعنی انبیاء کے ضروری صفات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے
ہیں۔

”پھر اس دنیا میں نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ برسرِ عام یہ ثابت کرے کہ وہ نبوت کا راز

آشنا ہے اور وہ جو تعلیم دے رہا ہے، اس میں غلطی اور گمراہی سے پاک ہے، اور اس سے بھی بری ہے کہ اصلاحی کام کا کچھ حصہ سے لے اور کچھ ضروری حصہ ترک کر دے جس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ نبی اپنے سے سابق بنی کاراوی ہو جس کے کمال و عصمت پر وہ متفق ہوں اور یہ روایت اس قوم میں محفوظ ہو، تو اس طرح سے وہ نبی اپنی قوم کے معتقدات پر مواخذہ کر سکتا ان پر حجت قائم اور انہیں لا جواب کر سکتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ان کے متفق علیہ نبی ہی کی طرف سے کہہ رہا ہے۔

بہر حال لوگوں کے لئے ایک معصوم اور متفق علیہ شخص کی ضرورت ہے، جو ان میں موجود ہو یا جس کی روایت محفوظ ہو اور ایمان و انقیاد اس کی تفصیلات اور منافع اور اسی طرح گناہوں اور انکے نقصانات کا علم دلیل و برہان اور اس دنیاوی عقل کے ذریعہ (جس سے روزمرہ کی زندگی کا کام چلایا جاتا ہے) اور حواس سے نہیں ہوتا بلکہ ان امور کی حقیقت، وجدان ہی پر کھتی ہے، جیسے بھوک، پیاس، گرم یا ٹھنڈی دواؤں کا اور اک وجدان ہی سے ہوتا ہے ویسے ہی روح کی موافق اور ناموافق چیز کا علم ذوق سلیم سے ہوتا ہے۔

اور انبیاء کا خطا سے معصوم ہونا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ضروری علم و یقین کی وجہ سے ہوتا ہے جس کے سبب نبی سمجھتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے جو چیز پڑھا ہے، اور سمجھ رہا ہے، وہ حقیقت کے عین مطابق ہے اور اسے ایسا یقین ہوتا ہے گویا کوئی حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور دیکھتے وقت اپنی آنکھوں کو غلط نہیں سمجھ رہا ہے یا نبی کا عم کسی ہر زبان کے کسی لفظ کے متعین معنی کو سمجھنے سے مشابہ ہوتا ہے مثلاً ایک عرب کو کبھی یہ شک نہیں ہوگا کہ لفظ ”ماء“ پانی کے لئے بنا ہے، اور لفظ ”ارض“ زمین کے لئے حالانکہ اس سلسلے میں اس کے پاس کوئی دلیل ہوتی ہے، نہ لفظ و معنی میں کوئی عقلی لزوم ہی ہوتا ہے، اس کے باوجود اسے یہ علم ضروری حاصل ہوتا ہے اور اکثر حقائق کے بارے میں نبی کو ایک فطری بلکہ حاصل ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ اسے ہمیشہ صحیح طریقے سے علم وجدانی حاصل ہوتا ہے اور اسے اپنے وجدانی تجربے کی صداقت کا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔

اور لوگوں کو اس کی عصمت کا یقین نبی کی عقلی اور خطابی دلیلوں سے ہوتا ہے کہ اس کی دعوت اور اس کی سیرت ایسی صاف ہے، جہاں کذب کا گزر نہیں اور کبھی اس کے خدا کے قریب

ہونے کا بھی مشاہدہ انہیں معجزات اور اس کی دعوں کی مقبولیت سے ہو جاتا ہے، یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ انہیں نبی کی عظیم دعوت کی عظمت کا احساس ہو جائے اور وہ یہ جان لیں کہ وہ ملکہ سے رابطہ رکھنے والے نفوس قدسیہ میں سے ہے، اور یہ کہ اس جیسا شخص اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بڑھ سکتا، اور نہ کوئی گناہ کر سکتا ہے، پھر اس کے بعد کچھ باتوں سے اور اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ انہیں اور قریب لے آتی ہیں اور نبی کو قوم کے ماں و اواراد اور پیارے کے لئے پانی سے زیادہ عزیز بنادیتی ہیں۔

اور یہ سب باتیں وہ ہیں جن کے بغیر کوئی امت کسی نبی کے مخصوص رنگ میں نہیں رنگ سکتی، اسی لئے ان جیسی عبادتوں میں مشغول اشخاص ایسے سے تعلق پیدا کرتے ہیں جس میں یہ باتیں پاتے ہیں۔

انبیاء اطاعت کے حقدار ہوتے ہیں:

وہ مبارک جماعت جس کی عصمت اور صحت علم کی یہ شان اور جس کی امانت و اخلاص اور بے غرضی کا یہ مقام ہو، اور اسے اللہ تعالیٰ نے اعتدال و سلامت روی کے ایسے قالب میں ڈھال دیا اور اس کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا ہو و تصنع یعنی ۲۔ (تاکہ تو میرے سامنے تیار کیا جائے) انا اخذنا ہم بحالصة ذکرى الدار و انهم عندنا لمن المصطفیٰ الا خیار (انہیں ہم نے اپنے گھر کے ذکر کے لئے مخصوص کر دیا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور پسندیدہ لوگوں میں تھے) جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو وہ عقل و منطق ہر لحاظ سے طاعت و اقتداء، اور تقلید و اتباع کی مستحق ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کی صداقت و ہدایت اور اہل دنیا کے مقابلے پر فضیلت کتاب، عظمت اور نبوت دیئے جانے کا ذکر کرنے کے بعد کہا۔

اولئک الذین ہدی اللہ فہداهم اقتدہ

یہی وہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے تو آپ ان کی سیرت کی اتباع کیجئے۔

لطف و عنایت کے سزاوار:

انبیاء علیہم السلام مورد عنایات الہی اور مرتز الطاف و توجہات ہوتے ہیں، ان کے اخلاق و عادات، اور ان کی زندگی کے طور طریق سب خدا کی نظر میں محبوب، زندگی کے طریقوں سے ان کا طریقہ حیات لوگوں کے اخلاق میں ان کا اخلاق، اور لوگوں کی گونا گوں عادتوں میں ان کی عادات اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں۔

ایک منزل کو مختلف راستے جاتے ہیں وہ سب راستے ایک ہی جگہ پہنچتے ہیں لیکن انبیاء جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں وہ راستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے صرف اس وجہ سے کہ انبیاء کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں، (۱) ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں سے اللہ کی محبت و پسندیدگی متعلق ہو جاتی ہے، اور ان کی تقید و اتباع اور ان کے شعائر اور خصوصیات و اپنانا اور ان جیسا اخلاق پیدا کرنا، اللہ کی محبت کو پانے کا مضبوط طریقہ اور قریب و آسان راستہ ہو جاتا ہے، اور جو ان کی اتباع کرتا اور ان جیسا بنتا ہے، وہ خدا کے محبوب ہی میں نہیں بلکہ محبوبوں میں ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست، دوست اور دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے، یہ سنن و عادات الہیہ میں سے ہے، جو زمان و مکان کے انقلابات سے بدلتے نہیں، اور جن کی دعوت ملانیدہی گئی ہے، چنانچہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا۔

قل ان کستم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ ویعفی لکم ذنوبکم واللہ

غفور رحیم۔

کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ خدا تم سے محبت کرے گا اور تمہارے حق میں تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور غیر معمولی رحمت والا ہے۔

(۱) کی شام نے اس مضمون کو رسوں اللہ کو خطاب کرے بڑے خوبی سے داکیا ہے سرسبز ہزارہ ہو جو تریا پاں ہو تھمے جو جس نجر کے تھے وہ نہیں ہو۔

اس کے برعکس ظالموں اور کافروں کی طرف میلان اور ان کے طریقوں کی ترجیح اور ان کی مشابہت اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی اور اس سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی۔

ولا تتركوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار و ما لكم من دون الله من

اولياء ثم لا تنصرون

اور ظالموں کی طرف ڈرانہ بھکن کہ تمہیں آگ کا عذاب پڑے اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ ہو اور تمہاری مدد نہ کی جاسکے۔

بعض عادات و اطوار کی فضیلت کا راز اور شعائر اللہ کی حقیقت :

ان پیغمبرانہ عادات و اطوار کا نام شریعت کی زبان میں خاص فطرۃ (فطری عادتیں) اور سنن اہدیٰ (ہدایت کے طریقے) ہے جس کی شریعت مایت سرتی اور دونوں کو انہیں اپنانے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔ یہ تمام اخلاق و عادات لوگوں کو انبیاء کے رنگ میں رنگتے ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

صبغة الله ومن احسن من الله صبغته ونحن له عابدون

یہ اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کے رنگ سے بڑھ کر کون رنگ ہو سکتا ہے اور ہم اس کے عبادت گزار ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی ایک عادت کو دوسری عادت، ایک اخلاق کو دوسرے اخلاق، ایک طور و طریق کو دوسرے طور طریق پر ترجیح دینے کا یہ راز ہے، اور یہی وہ راز ہے جسے شریعت اسلامی اہل ایمان کا شعار بتاتی ہے، اور اس فطرت کے مطابق طریقہ اور اس کے خلاف طریقوں کو انحراف اور جاہلوں اور کم عقولوں اور کافروں کا شعار مہتی ہے، ان دونوں میں یہی فرق ہے کہ ایک انبیاء، ان کی پسندیدہ عادات کی نقل اور دوسرا بل کفر، جاہلی عادات اور شیطان اور اس کے مقلدوں کی مشابہت و شعار ہے۔

اور اس اصل کے تحت کھانے پینے، لباس و زینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے

مبادی آجاتے ہیں، اور یہ سنت نبوی و فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔

و اسے ہاتھ کو بانٹیں، پر کیوں فضیلت ہے، اور اچھے کام کھانا پینا، اور کسی اہم چیز کا لینا اور

دینا اور ہر عزت کی چیز ان سے کیوں متعلق ہے، اور بایں ہاتھ احتیج، اور دوسری دلیل چیزوں کے لئے کیوں مخصوص ہے؟ حالانکہ دونوں انسان ہی کے ہاتھ ہیں، اور دونوں ہی خدا کی مخلوق اور اس کی صنعت ہیں، اور بہت سی جاہل قومیں اور انبیاء کی تعلیم و تربیت سے یہ خبر اُنہیں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہی اور نہ اس وضع کی پابندی ایک کو دوسرے کے کام کے لئے استعمال کرتی رہتی ہیں۔

اس کا سبب اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ انبیاء، عموماً طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر ایسا خدائی الہام کے ماتحت یہ اپنی فطرت سلیمہ کے تقاضے سے کرتے تھے جو ہمیشہ خدا کے پسندیدہ اخلاق و عادات کے مطابق و ان سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور اپنے سے شروع کرنا اور اسے ترجیح دینا قابل تعریف اور فطرت سلیمہ کے مطابق اور اسلامی تہذیب کی خصوصیت کیوں ہے؟ یہ اسی لئے ہے کہ یہ نبیاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ الامکان اپنے تمام کاموں میں اپنے سے شروع کرنا پسند تھا، وضو کرتے یا صفائی میں اور کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں۔

کان الی صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن ما استطاع شامہ کله فی طہورہ وترجلہ وتعلہ .

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ الامکان ہر کام میں دہنی جانب سے شروع کرنے کو پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ طہارت کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں بھی۔

اسی پر صہارت اور ان تمام فطری عادتوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو حدیث میں سیدنا ابراہیم کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

انبیاء ایک خاص تہذیب و طرز حیات کے بانی:

انبیاء نے صرف عقیدہ و شریعت اور صرف ایک نئے دین۔۔۔ اسلام۔۔۔ ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ وہ تہذیب و تمدن، اور نئے طرز حیات کے بھی بانی ہوتے ہیں جو ربانی تہذیب کہلانے کی مستحق ہوتی ہے، اس تہذیب کے کچھ مخصوص اصول و ارکان اور شعائر و علامات ہیں، جن کے ذریعہ وہ دوسری تہذیبوں اور جاہلی تمدنوں سے نمایاں طور سے ممتاز ہو جاتی ہے یہ امتیاز

روح اور اصل واسس میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور تفصیلات و مظاہر میں بھی۔

ابراہیمی محمدی تہذیب:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اس خدا پرست تہذیب کے بانی و امام تھے جس کی بنیاد یب خدا کی توحید اس پر ایمان اور اس کے ذکر، فطرت مستقیم اور قلب سلیم اللہ تعالیٰ کے لحاظ و تقویٰ نوع انسانی پر رحم اور ذوق سلیم پر رکھی گئی ہیں۔

ابراہیمی اخلاق و طرز حیات اس تہذیب کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ان ابراہیم لحلیم او اہ منیب

ابراہیم بڑا شریف و حلیم، نرم دل اور خدا سے رجوع کرنے والا تھا۔

ان ابراہیم لا و اہ حلیم

ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل، اور بڑا شریف و بردبار تھا۔

حضرت ابراہیم ایک طرف اس تہذیب کے بانی و موسس تھے، اور دوسری طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان کے سنی و ارث بھی تھے، اس تہذیب کے مجدد اور مکمل تھے، جنہوں نے اس تہذیب میں از سر نو جان ڈال دی اور اس میں بقائے دوام کا رنگ پیدا کر دیا، اور اس کے اصول و ارکان اس طرح مضبوط کئے کہ اسے ایک دائمی اور عالمگیر تہذیب کی شکل دے گئے۔

اس تہذیب کی خصوصیات و امتیازات:

یہ ابراہیمی محمدی تہذیب شرک و بت پرستی سے قطعاً آشنا ہے، اور اسے کسی رنگ میں اور کسی مقام اور زمانے میں اپنانے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم کی ایک بڑی دعا اور ان کی آرزو یہ تھی کہ:

واجبسی و بی ان نعبد الا صام

اور اے خدا مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچ کہ ہم بتوں کو پوجنے لگیں اور ان کی خاص

وصیت اور امتوں اور افراد کو یہ دعوت تھی کہ۔

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غير

مشرکین

گندگی یعنی بتوں سے بچتے رہو اور جھوٹ کہنے سے بچو، خدا کے لئے خالص و مخلص ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کئے ہوئے بغیر۔

یہ تہذیب حظ نفس اور خواہشات نفسانی پر نوٹ کر گرے، دنیا کی بے مایہ و حقیر سامان پر رنجھنے، اور مادہ کے مردار پر کتوں کی طرح غرانے اور جھگڑنے، اور عہدوں اور حکومتوں کے لئے مرنے مرنے کا نام نہیں جانتی، یہ تو وہ دعوت ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ:

تسک الدار الاخرة جعلها للدين لا يريدون علوا في الارص ولا

فسادا. والعاقبة للمتقين

یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم انہیں دیتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ فساد مچاتے ہیں اور انہی کو متقیوں ہی کا ہوتا ہے۔

یہ تہذیب انسان، انسان میں فرق کرنا نہیں جانتی اور نہ رنگ و نسل و وطن کا بھید بھد پیدا کرتی ہے۔

والناس كلهم آدم و آدم من تراب لا فضل لعربي على عجمي ولا

لعجمي على عربي الا بالتقوى يا ايها الناس انا خلقنكم من ذكر و انثى و جعلنكم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقاكم

سب لوگ آدم کی اولاد ہیں آدم مٹی کے بنے تھے، عربی تو مٹی پر اور عجمی و عربی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔ اب لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں بانٹا کہ ایک دوسرے کو پیچھا تو تم میں سے خدا کے نزدیک معزز و متم میں کا متقی شخص ہے۔

حضرت خاتم المرسلین ﷺ نے فرمایا۔

ليس منا من دعاء الى عصبية وليس منا من قاتل على عصبية وليس

منا من مات على عصبية

وہ ہم میں سے نہیں جس نے جاہلی، جتھا بندی کی دعوت دی، اور جو جاہلی جتھا بندی کے لئے لڑا اور جو جاہلی جتھا بندی کے پیچھے مرا۔

اور انصار و مہاجرین کی دہائی دینے والوں کو سرزنش فرمائی۔

دعویٰ فانیہ مستنہ

اس عصبیت کو ترک کر دو یہ گندی اور مردار ہے

یہ وہ تہذیب ہے جس کا شعار اور طغرائے امتیاز عقائد کے دائرہ میں وتوحید معاشرت کے میدان میں مساوات انسانی اور احترام آدمیت، اخلاق کے بارے میں خدا کا خوف، اس سے حیا، اور تواضع و انکسار ہے، میدان عمل میں آخرت کی جدوجہد اور اللہ کے راستے میں جہاد، میدان جنگ میں رحم کا جذبہ اور حدود کی پابندی اس کی خصوصیت ہے،

یہ تہذیب حکومت کے طور و طریق اور نظم و نسق میں مالی مفاد پر دینی مفاد کو تحصیل و وصول اور اضافہ آمدنی پر ہدایت کو نفع اٹھانے سے زیادہ نفع پہنچانے، خدمت سینے سے زیادہ خدمت کرنے کے اصول کو ترجیح دیتی ہے، یہ تہذیب تاریخ میں اپنی مخلصانہ انسانی خدمت اور انسانیت کو جاہلیت کے چنگل اور سرکشی و گمراہ دعوتوں سے نجات دلانے اور صفحہ عالم پر اپنی دلکش یادگاروں اور اپنی پھیلائی ہوئی برکتوں کے لئے نیک نام اور زندہ جاوید ہے۔

یہ تہذیب اللہ کے نام اور اس کے ذکر و فکر کے خمیر سے تیار ہوئی ہے، اور خدائی رنگ میں رنگی ہوئی اور ایمان کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے، اس لئے اسے اس کے دینی رنگ سے جدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں اور نہ ربانی رنگ اور ایمانی آہنگ سے اس کی عیحدگی ممکن ہے۔

انبیاء کی اطاعت و تقلید پر قرآن کا زور:

قرآن مجید جگہ جگہ انبیاء کی اتباع ان کی سیرت کو اپنانے اور ان کے طرز پر زندگی گزارنے اور حتی الامکان ان کی مشابہت اختیار کرنے پر زور دیتا اور کہتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْحُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ

الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا.

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ عمل ہے، اس شخص کے لئے

جو اللہ اور یوم آخرت سے پر امید ہے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ برابر دعا مانگتے رہیں کہ

اهدنا الصراط المستقیم، صراط الدین انعمت علیہم غیر

المغضوب علیہم ولا الضالین

اے خدا ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ کہ ان کی راہ جو

تیرے مغضوب ہیں اور نہ گمراہوں کی راہ۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کے انعام سے سرفراز بندوں کے سرورہ انبیاء اور رسول

ہی ہیں، اس دعا کو نماز میں بھی شامل کر دیا گیا جب بھی انسان اس دعا کے قوانین کی پیروی اور

ان انعام یافتہ بندوں کی سیرت و صورت میں مشابہت کرے گا تو خدا سے قریب اور اس کے

نزدیک معزز ہوگا۔

انبیاء کا احترام اور ان سے محبت:

قرآن، انبیاء کے لئے اس عزاز و احترام اور توقیر و اکرام کا طاب ہے جو قلب کی گہر

ائیوں کی پیداوار ہو اور ان سے جذباتی لگاؤ اور محبت پیدا کرنا چاہتا ہے اور صرف ان کی اس

احسانت پر راضی نہیں جو جذبات، محبت اور تعظیم سے خالی ہو جیسے کہ رعایا کا بادشاہ کے ساتھ اور

دوسرے فوجی و سیاسی پیروں کے عوام کا ایک رکھی تعلق ہوتا ہے قرآن مومن سے زکوٰۃ

و صدقات کے محض فرائض کی اپنی اور احکام کی ضابطہ کی تعمیل کو کافی نہیں بلکہ اس کا مہ بہ یہ

بھی ہے۔

لَتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُقِرُّوهُ

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اس کی مدد کرو اور اس کی عزت و تعظیم کرو۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ

جو اس رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی مدد کی۔

ان سے اس نے ہر اس چیز کا حکم کیا جس میں ان کی عزت و حرمت کی حفاظت ہوتی ہو

اور ہر اس چیز سے منع کیا جس سے ان کی بے ادبی ہوتی ہو اور جس سے ان کی عزت مجروح ان

کی شان گھٹتی اور ان بڑائی کم ہوتی ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْطُوا أَعْمَالَكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الدین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ لہم مغفرۃ
واجر عظیم

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز کے مقابلے پر بلند نہ کرو اور نہ اسے اس طرح
پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔
جو لوگ رسول اللہ کی مجلس میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں وہی وہ ہیں جن کے دل اللہ نے
تقویٰ کے لئے پرکھ لئے ہیں انہیں کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا
اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایک دوسرے کے بلانے کی طرح مت بناؤ۔
اسی لئے نبی کی وفات کے بعد امت پر ان کی ازواج حرام کر دی گئیں۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُكَلِّمُوا رِجَالَهُ مِنْ بَعْدِهِ
ابدا ان ذالکم کان عند اللہ عظیماً

تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ تم ان کی بیویوں سے اس
کے بعد نکاح کرو یہ بات خدا کے نزدیک بہت ہی اہم ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے صریح نصوص میں رسول کی محبت اور اپنی جان مال اور آل و اولاد
کے مقابلے پر ترجیح کا مطالبہ کیا گیا ہے، صحیحین میں ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ

اجمعین .

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے لئے اس کے باپ اس کے
لڑکے اور تمام لوگوں کے مقابلے پر زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

طبرانی معجم کبیر اور راوسط میں "من نفسه" کے الفاظ کا اضافہ ہے، یعنی اپنی جان سے بھی

زیادہ محبوب ہوں۔

اور اسی طرح فرمایا گیا۔

ثلاث من کس فیہ وجد بہن حلاوة الایمان من کان اللہ ورسولہ
أحب الیہ مما سواہما الح
جس میں تین باتیں ہوں وہ ایمان کی حلاوت پہ سکا ہے، ایک وہ جس کے لئے اللہ اور
اس کا رسول اوروں سے بڑھ کر محبوب ہوں۔

جہد بہ محبت کی تاثیر اور طاعتِ رسول ﷺ میں صحابہ کی فنائیت کا راز:

رسول ﷺ کی مخلصانہ اور مکمل اطاعت، نبوی اخلاق کو اپنانا، شریعت کو خواہشات نفس اور
رسم و رواج و عادات پر ترجیح دینا، و دعوتِ اسلامی کی راہ میں جانی و مالی فداکاری، بغیر اس دلی
محبت کے جو دل کی گہرائیوں میں موجود ہو، و انسان کے عقل و دل و نگاہ پر محیط و مستولی ہو ممکن
نہیں، اسی لئے فرمایا گیا۔

قل ان کان اباؤکم و اساؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم
واموال اقترفتموہا و تجارۃ تحشون کسادھا و مساکن ترصوبھا احب الیکم
من اللہ ورسولہ و جہاد فی سبیلہ فتر بصوا حتی باتی اللہ بامرہ و اللہ لا یہدی
القوم الفسقین

آپ ﷺ ہر دیکھتے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے، اور بھائی بیویاں اور خاندان اور اپنا جمع
براہِ مال، اور وہ تجارت جس کی کسادبزاری سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں پسند کرتے ہو اللہ
اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ عزیز ہے تو انتظار کرو کہ خدا اپنے فیصلہ کے
اور خدا فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسی سبب صحابہ کرام رسول ﷺ کی اطاعت کے حریص، اس کی طرف پلکنے والے اس میں
نیش طمّوس کرنے والے اور اس پر صبر کرنے والے تھے، اور اسی سبب انہیں اس باب میں ہمیشہ
سبق و خصوصیت حاصل رہے گی، حضرت صدیق اکبرؓ ایسے ہی لوگوں میں تھے، ان کے لئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی، اور آپ کی صحت و زندگی
کو اپنی صحت و زندگی پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ نے ان کے چہرے پر پھٹے ہوئے جو

توں سے پیہم ضر میں لگائیں اور سینے پر سوار ہو کر اس قدر زرد و کوب کیا کہ چہرے کے اعضاء و خد و خال کی تمیز مشکل ہو گئی ان کے قبیلہ بنو تیم کے لوگ اس حال میں انہیں ایک کپڑے میں ڈال کر اٹھالائے ان کی موت میں کسی کو شبہ نہ تھا۔ مگر جب دن چھپے انہیں ہوش آیا تو سب سے پہلے یہی پوچھا کہ رسول اللہ خیریت سے ہیں؟ اور جب انہیں اطمینان دیا گیا کہ آپ بخیریت ہیں، تب بھی انہیں اطمینان نہ ہوا اور انہوں نے کہا۔

ان الله على ان لا ادوق طعاماً ولا اشرب شراباً او اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم.

مجھے خدا کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک کھانے پانی کو ہاتھ نہ گاؤں جب تک کہ رسول خدا کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن نہ کر لوں۔

ایسے ہی جانثاروں اور عشقوں میں وہ انصاری خاتون تھی جس کو غزوہ احد کے موقع پر اس کے قریب تین عزیزوں، باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی خبر دی جاتی رہی مگر اس نے ان سب کو نظر انداز کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت پوچھی اور لوگوں نے آپ کی خیریت بتائی تو اس نے زیارت کے بعد کہا کل مصیبة بعدک جلیل۔ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت یقیناً ہے۔

ایسی ہی فدائیوں میں عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی تھے، جنہوں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو معزز، ذلیل و نکال دے گا، وہ مدینہ کے دروازے پر باپ کے مقابے پر متوارے رکھڑے ہو گئے اور کہا کہ کیا تم ہی نے ایسا کہا تھا؟ بخدا تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ عزت تمہارے لئے ہے یا رسول اللہ ﷺ کے لئے تم مدینہ کے سائے میں اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر جانیں سکتے چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک رسول اللہ ﷺ نے اسے آنے کی اجازت نہ دے دی۔

یہ اسی جذبے کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے سر پھیلی پر لے کر نکلے اور زندگی انہیں گراں یمن اعزاء اور وطن کو چھوڑنا اور اللہ کے رستے میں شہادت خوشگوار ہو گئی، اور اسی وجہ سے وہ غزوہ بدر کے موقع پر یہ کہہ سکے کہ:

ان امراتبع لامرک فواللہ لئن سرت حتی تبلغ البرک من عمداں

لنسيرن معك واللہ لئن استعرضت با هذا الجرح خضناہ معك
 ہم را معاملہ آپ کے حکم کے تابع ہے، بخدا اگر آپ ﷺ برك غمہ ان تكل چلیں تو ہم
 آپ کے ساتھ چلیں گے اور بخدا اگر آپ ﷺ فرمائیں گے تو ہم اس سمندر میں آپ ﷺ کے
 ساتھ کود پڑیں گے۔

عالم اسلامی میں محبت کے فقدان کا نتیجہ اور زندگی پر اس کا اثر:

آج عالم اسلامی میں شریعت پر عمل کوتاہی اور طاعت سے غفلت اور نفس پر ہرراں
 کرنے والی چیز سے وحشت اور نبی ﷺ کی سنتوں کے معاملے میں نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی غفلت
 سب اسی عظمت رسول ﷺ کا احساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے جس پر قرآن زور دیتا ہے، اس کے
 ساتھ ہی رسول ﷺ سے محبت کی کمی کو بھی اس میں بہت دخل ہے، یہ وہی جذبہ ہے، جو پہلے اور
 اب بھی حیرت انگیز قوت کا سرچشمہ اور تاریخ میں عجیبات و معجزات کے لئے مشہور رہا ہے، اور
 اس جذبہ کی کمی عقل، عزم، نظم کی بڑی سے بڑی مقدار سے بھی پوری نہیں ہو سکتی اور یہ ایسا
 نقصان ہے جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔

نبی ﷺ کی اطاعت و محبت ہی میں قوم کی فلاح ہے:

امتوں کی تقدیریں، ان میں بھیجے گئے رسولوں کی اتباع و انقیاد، ان کے مہنڈے تہ جمع
 ہونے، ان کی سیرت کو اپنانے اور عزت و ذلت ہر حالت میں ان کی رکاب سے وابستہ رہنے
 سے متعلق ہوتی ہیں چنانچہ کوئی امت تمام حائق عقل و وسائل کے ساتھ زمانے، تہذیب،
 فلسفوں اور حالات و حوادث کے تمام ترقیوں کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ
 نبی ﷺ کی اتباع، اس سے محبت اور اس کی دعوت کے لئے ہر حال میں جدوجہد نہ کرے، اور جو
 امت بھی اس طریقے سے ہٹ کر عزت، سیادت، اور قوت و اہمیت کے حصول کے لئے اپنی
 دشمنانہ سیاست یا کسی بڑی طاقت کی پشت پناہ پر بھروسہ کرتی ہے، تو اس کا انجام ذلت
 و ناکامی داخلی انتشار اور دیرسویر سوائی کے سوا کچھ نہیں۔

عالم اسلام اور ممالک عربیہ کے حوادث اور اسباب:

عالم اسلام عام طور پر اور عرب دنیا خاص طور پر اس حقیقت کے بہترین گواہیں ان ممالک میں جب نبی امی کی اتباع گراں گذرنے لگی اور سیاسی لیڈروں کے مطالبات میں نبی ﷺ کے مطالبات سے زیادہ دلچسپی بڑھ گئی اور نبی ﷺ کی طرف نسبت سے اور ان کی عدائی ٹوٹ ف بھگنے سے ان کو سُرِیز ہونے لگا اور نبی ﷺ کے دین ان کے احکام اور ان کی تہذیب سے ہٹ کر ان کے اکثر ممالک قومیت و وطنیت اشتراکیت اور دوسرے جدید فسطوں کو اپنانے لگے تو کوئی کامیابی نہ حاصل کر سکے اور نہ اپنا کوئی مسئلہ حل کر سکے بلا کسی معذرت کے ممالک عربیہ کی مثال پیش کروں، وہ اپنی وحدت کو پارہ پارہ کر چکے ہیں وہ ایک فلسطین کا مسئلہ اتنی طویل مدت میں بھی نہ حل کر سکے اور عالم اسلامی یا عالم انسانی کی صف میں کوئی باعزت مقام بھی نہیں حاصل کر سکے ہر دن ان کے لئے نئی مشکل اور نیا مسئلہ لے کر ہی آتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے شام میں اپنے عرب ساتھیوں سے سچ کہا تھا، (جو بڑے صحابہ اور فتوحات اسلامی کے قائد تھے، اور جنہوں نے انہیں ایک بڑی حکومت کے سربراہ کی شان اختیار کرنے کو کہا تھا) اِکْمِ کُنْتُمْ اَدْلَ النَّاسِ فَعَزَّوْکُمْ اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ فَهَمَّا تَطْلُوْنَ الْعِزَّ بَغَيْرِهِ يَذْلُکُمْ اللّٰهُ۔ (۱) تم سب سے زیادہ ذلیل لوگ تھے پھر اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعہ عزت دی تو جب بھی تم اسلام کے بغیر عزت چاہو گے تو خدا تمہیں ذلیل کر دے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثالی رہنما امت کی ضرورت

بِحَمْدِهِ وَبِصَلٰی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ ۝ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ

الشَّیْطَانِ الرَّحِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

حضرات محترم! جن باتوں کی طویل انسانی تاریخ اور علم النفس اور علم الاخلاق پوری تائید کرتے ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بلند ترین مقصد، شریفانہ تعلیمات، اور عمل کے اعلیٰ ترین نمونے اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے اور اگر قائم ہو بھی جائیں تو دائم و باقی نہیں رہ سکتے، جب تک کہ ان کی پشت پر ایک انسانی جماعت (بلکہ صحیح الفاظ میں ایک ایسی امت) نہ ہو، جو اس دعوت و تحریک کی سمبردار، اس کے راستے میں جدوجہد کرنے والی اور اس کا عملی نمونہ ہو۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء علیہم السلام (چہ جائیکہ مصلحین و معلمین اخلاق اور حکماء کبار) کی تعلیمات بھی اس وجہ سے زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہیں کہ ان کے پیچھے کوئی امت نہ تھی، جو ان کے پیغام کی ذمہ داری سنبھالتی، اس راستہ میں جاں نثاری کرتی اور اپنی زندگی، اپنے تمدن اور حکومت و معاشرہ کے ذریعہ ان کا عملی نمونہ پیش کرتی، نتیجہ یہ ہوا کہ جن علاقوں میں وہ بھیجے گئے تھے، وہاں کی زندگی ایک ایسے آب رواں کی طرح بن کر رہ گئی، جس کی سطح ایک ہوتی ہے اور وہ اقوام و قبائل جانوروں کے اس ریوڑ کی طرح ہو گئے، جن کا کوئی نگران و نگہبان نہ ہو۔

منتخب و مامور امت:

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ محمد ﷺ آخری رسول اور خاتم النبیین ہوں، اور آپ کے بعد نہ کوئی اور نبی آئے اور نہ کوئی اور کتاب نازل ہو، تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا اور محمد ﷺ کے ساتھ ساتھ ایک پوری امت کو بھی مبعوث کیا، گویا جنت

محمد یدہری بعثت تھی، جس میں نبی کی بعثت امت کی بعثت کے ساتھ شامل تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی ایسی تعریف کی ہے (جونہوت کے بغیر) کسی مبعوث اور مامور کو اللہ تعالیٰ کی ہوسکتی ہے۔

کتتم خیر امة اخرجت للناس قاصرون بالمعروف وتنہون عن
المنکر وتؤمنون باللہ

تم لوگ بہترین جماعت ہو جو دُلوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔
دوسری جگہ ارشاد ہوا:

و کذا لک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویكون
الرسول علیکم شہیداً
اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنادیا ہے تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

حدیث نبوی ﷺ میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے فرمایا:

اما بعثتم میسرین ولم تبعوا معسریں (صحیح بخاری)

تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے۔

بعثت و دعوت کی ذمہ داری اور اپنی مہوریت و مسؤلیت کا یہ شعور و احساس صحابہ کرام، تابعین و خلفاء کے دلوں میں اس وقت بھی موجزن تھا، جب ایرانی قائد جنگ رستم نے سیدنا رجب بن عمار سے (جنہیں سیدنا عبد بن ابی وقاص نے رستم کی طلب پر اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا) یہ پوچھا کہ تمہارے یہاں آنے کا محرک و مقصد کیا ہے؟ تو انہوں نے یہ مومن نہ اور داعیانہ جواب دیا کہ

اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ وحده، ومن ضیق الدنیا الی سعتها، ومن جور الا دیان الی عدل الاسلام۔

(ابداۃ الہدایۃ - المایۃ - ۷ - ۳۹)

لہذا تعالیٰ نے ہمیں اس سئے بھی بجا ہے کہ ہم جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر
ایک خدائی بندوں پر آمادہ کریں اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذہب کے ظلم
سے بچا کر اسلام کے سایہ عدل میں لائیں۔

تمدن و معاشرہ کی سطح پر صالح انقلاب کی ضرورت!

اس نقطہ نظر نے انسانیت کے مستقبل کو بید متاثر کیا، اور یہ لوگوں کے لئے مذہب و تحر
یکات اور رجحانات کی تاریخ میں ایک نئے تجربے کی حیثیت رکھتا تھا، جس نے تاریخ میں ایک
انقلاب برپا کر دیا، اس سئے کہ چھٹی صدی مسیحی عیسیٰ صورت ہال (جو تقریباً ہزارہ میں رہی
ہے) ایک نہ تھی کہ اس پر چند صالح افراد اثر انداز ہوتے، چنانچہ قرآن مجید خدائی غضب کے
شکار یہودیوں کے درمیان بھی کچھ صالح افراد کی موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

لیسوا سوءاء من اهل الكتاب امة قائمة يتلون آیت الله انا الیل و هم
یسجدون یؤمنون بالله والیوم الآخر ویامرون بالمعروف ویہون عن المنکر
ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصالحین (آل عمران، ۱۱۳، ۱۱۴)
سب (اہل کتاب) یکس نہیں (ان ہی) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے یہ
لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن
پر ایمان رکھتے ہیں، اور بھدائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، اور اچھی باتوں کی
طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

مگر ان صالح افراد کا انسانی معاشرہ اور انسانی عمل پر کوئی اثر نہ تھا، کیونکہ وہ صرف چند
افراد تھے، اور تو میں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، چنانچہ ہر دور و دیار میں ایسے صالح افراد رہے
ہیں، اور اب بھی ہیں، جو اپنے کچھ اعمال و اخلاق اور عبادات میں دوسرے لوگوں سے ممتاز
ہوتے ہیں، لیکن جو خدا، اور مسند قوموں اور نسلوں و تمدن و معاشرہ کی سطح پر ہو وہ اس وقت تک پر
نہیں ہو سکتے، جب تک کہ وہ خیر و صلاح اسوہ حسنہ اور عملی نمونہ بھی امت اور انسانی معاشرے کی
سطح کا نہ ہو جو بندترین نبوی تعلیمات، شریفانہ اصول و اخلاق، اور مثالی انفرادی و اجتماعی عمل کی
نمائندگی حکومت و سیاست، تجارت و معاملات انفرادی و اجتماعی زندگی، افراد اور جماعتوں کے

ساتھ برتاؤ اور قوموں اور حکومتوں کے ساتھ معاملات رضامندی و ناراضگی، صلح و جنگ، فقر و غن، ہرجا مت اور ہر صورت میں کرتا ہوا اور اس امت و جماعت کی عام ملامت اور ممتاز خصوصیت نہ بن چکا ہو۔ صحابہ کرام اور وہ مبارک لوگ جنہوں نے گہوارہ نبوت میں پرورش اور مدرسہ ایمان و قرآن میں تربیت پائی تھی، انہی مذکورہ علامات و خصوصیات کے مالک تھے۔

ایک انصاف پسند اور تاریخ عام سے واقف مغربی اہل علم نے اس طبقہ کی بڑی کامیاب تصویر پیش کی ہے، اور ان کی نمایاں و مشترک خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو نبوت کا بارغ تازہ اور قرآن کی فصل بہار کہلانی کا حق ہے، جرمن فضل کائناتی۔ (caetani) اپنی کتاب "سنین اسلام" میں لکھتا ہے:-

"یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے بچے نہ تھے، مستقبل میں اسلام کے مبلغ، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچی تھیں، ان کے امین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکرو جذبات کے ایک ایسے عام میں پہنچا دیا تھا، جس سے اسی اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا اور بعد میں انہوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افکار کی تخم ریزی زرخیز زمین میں کی گئی تھی، جس سے بہترین صدیوں کے نبات و جود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اسکے حافظ تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حفظ یا حکم انہیں پہنچا تھا، اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قبل احترام پیش رو جنہوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہاء، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔

احساب کائنات!

امت اسلامیہ پر عامی نگرانی، اخلاق و رجحانات انفرادی و بین القوامی طرز عمل کے احتساب، انصاف کے قیام، شہادت حق، امر معروف و نہی منکر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور اس

کو قیامت کے دن اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر جواب دہ بنایا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

شَنَّانُ قَوْمٍ عَلَىٰ الْآتَعْدَلُوا أَعْدَلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ حَبِيرٌ بِمَا

تَعْمَلُونَ. (المائدہ: ۸)

اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت

دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ)

انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے

رہو، یہ شک اللہ کو اس کی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۔

اور اس امت کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے، جس کے نتیجے میں

انسانیت مصیبت و مشکل میں پھنسر سکتی ہے۔ اور روئے زمین پر فتنہ و فساد اور انارک پھیل سکتی

ہے، چنانچہ اس چھوٹے سے انسانی مجموعہ کو (جو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں تھا، اور جس کی تعداد

پندرہ سو سے زائد نہیں تھی) مخاطب کرتے ہوئے اور اسے دعوت و عقیدہ کی بنیاد پر اسلامی اخوت

قائم کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

الَا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَاد كَبِير (الانفال ۷۳)

، اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

پھر کیا آج کی امت اسلامیہ اس کی مخاطب نہیں، جس سے معمورہ عالم آباد ہے، اور

جو بڑی بڑی حکومتیں اور افرادی طاقت رکھتی ہے؟ جب وہ اپنے قائدانہ و اعلیٰ منصب و مقام

کو حق چھوڑ دے اور اپنی اجتماعی ذمہ داری (اخلاقی و عمرانی اور روحانیات کے احتساب مظلوم

کی حمایت اور ظالم کی مذمت و سرزنش) سے منہ موڑے تو دنیا پر اس بڑی کوتاہی اور خطرناک

نقطی کا کیسا برا اثر پڑے گا۔

قرآن اس امت کو اس کے داعیانہ و قائدانہ مقام، اصلاح کی ذمہ داری اور امر

بالمعروف و نہی عن المنکر کی مسؤلیت کی یاد گذشتہ اقوام کا حوالہ دیتے ہوئے اور اس کے شعور و

احساس کو پیدا کرتے ہوئے یاد دلاتا ہے۔

فَلَوْلَا كَان مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ

الا قلیلا ممن احیاء مہم واتع الدین ظلموا اما اتر فوافہ وکانوا احمر میں
پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے، شعور رکھتے ہوئے جو منع کرتے ملک میں رہا،
(چھیدنے) سے بچا، چندوں کے جن وہم نے ان میں سے بچا یا تھا اور جو دُک (اپنی جانوں
پر) ظلم کرنے والے تھے، وہ جس ناز و نعمت میں تھے، ان سے پیچھے پرے رہے اور (عادل)
محرم ہو گئے۔

شاعر سداؤ کٹر محمد اقبال نے اس حقیقت کو اپنی نظم ”ابیمس کی مجلس شوریٰ“ میں بڑی
خوبی سے پیش کیا ہے، اور صدر مجلس ابیمس کی زبانت سے اس خطہ کی نشان دہی کی ہے، جو
مسلموں کے وجود، ان کی بیداری اور ان کی عامی ذمہ داری سے ابیمسی نظام کو ملحق ہے،
چنانچہ ابیمس اپنے مشیروں سے کہتا ہے

توڑ ڈالیں جس کی تکبیر میں ظلم شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو ظلم کردار سے
تابہ زندہ پر اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر ای میں ہے قیمت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپ دے اس کی آنکھوں سے تر شاہ حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

امت کی مسلسل ذمہ داری و نگرانی!

اس نقطہ نظر سے یہ بات رزمی ہو جاتی ہے کہ انسانی تمدن میں تاثیر کی عمل جاری رہے،
اور وقفہ وقفہ سے اس کا از سر نو جائزہ لیا جاتا رہے، اور تخریبی اور شر پسند عناصر اور فاسد و مہلک رجحانات
اس سے برابر اس کی حفاظت کی جاتی رہے۔

اس کے خاص طور پر دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ اقوام عالم بصرِ صانع و فساد کے نئے اور متغیر عناصر کے تابع اور ان سے متاثر ہوئی رہتی ہیں، اور زندگی ہر دوسروں دواں ہے، اور اس کا کارواں کہیں اور کبھی ٹھہرتا نہیں، اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس کی سمت و رفتار دیکھتے رہنا اور اس کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنا ناگزیر ہوتا ہے، افسوس کا مقام ہے کہ اس عہدِ اخیر میں تختہ بنی و مفسدہ تحریکوں اور فسطوں کے زیر اثر آ کر ملت اسلامیہ عالمی قیادت کے میدان سے الگ ہو کر یو یو اپنے خوں میں بند ہو کر رہ گئی ہے!

دوسرا سبب یہ ہے کہ امت اسلامیہ بھی آخری آسمانی پیغمبر کی حامل یک ابدی امت اور انسانیت کی مرکز امید ہے، اس لئے اسے اپنے پیغمبر کو سینے سے لگا کر رہنا چاہیے، ورنہ قدر انسانیت کی قیادت اور دنیا کی نگرانی اور عقائد و اخلاق، اور انفرادی و بین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھنی چاہئے، اس لئے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور زرخشتہ کامرانیوں کی بدولت نہیں، بلکہ جہد مسلسل دائمی سرگرمی، مستقل احساسِ ذمہ داری، ہمدردی قربانی کے لئے آمادوں، جدت و ندرت اور اپنی تازہ دم اور تازہ کار قوتِ افادیت و صلاحیت کے بل پر زندہ تازہ رہتی ہیں، وہ جب اپنے منصب و مقام کو چھوڑ کر گوشہء عافیت میں چلی جاتی ہیں تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں، اور زمانہ انہیں حاقِ نسیں پر رکھ دیتا ہے، اس لئے امت محمدیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ از سر نو اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔

(ماخوذ از: تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات)

وما عیبنا الا البلاغ

ایک بامقصد اجتماع

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد ۝

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم ۝ بسم الله الرحمن الرحيم ۝

حضرات! یہ آیت بامقصد اور عالم اسامی کے سے بین القوامی حیثیت کا اجتماع بہت من سب جگہ پر اور ایسے وقت میں ہو رہا ہے جس میں اس کی اشد ضرورت تھی جہاں تک من سب جگہ کا تعلق ہے تو اس سے زیادہ مناسب دوسری جگہ نہیں ہو سکتی مگر وہ مقدس سر زمین ہے جہاں سے انسانیت کا مہر تاباں طلوع ہوا اور بشریت کو صبح صادق نصیب ہوئی جس نے ظلمتوں کے پردے چاک کئے اور انسانیت کو ہلاکت کے مہیب غار میں رُسنے سے بچا لیا اور اس وقت بچا یہ جب کہ وہ ہلاکت کے غار میں رُسنے کے لئے بالکل کنرے تک پہنچ چکی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها . (آل عمران ۱۰۳)

اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنرے پر تھے سو اس سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری جان

بچ لی۔

اور ہلاکت کے اس گڑھے تک پہنچنے والی جاہلیت ہر طرف اپنے جال پھیلا چکی تھی اور عام بشریت کے طوں و عمر کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی میرت نگاروں نے لفظ جاہلیت کو صرف عربوں کے ساتھ محدود کر دیا ہے جو زمانہ رسالت سے پہلے ترے تھے لیکن حقیقت میں وہ جاہلیت صرف عربوں کے لئے مخصوص نہ تھی وہ ایک عمومی جاہلیت تھی ہر طرف اور ہر سو پھیلی ہوئی جاہلیت تھی وہ جاہلیت و عقیدت پر حاوی تھی، فکر و خیال پر حکمران تھی عقیدہ ٹمل پر حاوی تھی اس کی اثرات گہرے اور اس کی جڑیں مصبوط تھیں۔

ایسے وقت میں اسلام کی روشنی نمودار ہوئی جو عام بشریت کے لئے صبح صادق تھی جس

سے دنیا میں اچھا پھیل گیا اس صبح صادق کا مطلع یہی سر زمین پاک ہے اس کی روشنی اور اس کی
خیر و برکت کی خاص ملت کے لئے یہی کسی خاص خطے کے لئے مخصوص نہیں تھی اس نے ساری
دنیا کو نہال کیا اور مجموعی طور پر عالم بشریت اس سے فیض یاب ہوئی عقیدہ عمل سے اُرد گرد
فکر پر شہ ناز ہوئی۔

اس مکتوم کا اعتقاد بہت بردقت اور بر محل ہوا ہے نئی پلاننگ اور نئے حربوں سے اسلام کو
نیست و نادر کرنے کی عمومی سازشیں ہو رہی ہیں اس کے اثرات کو محو کرنے کی کوششیں ہو رہی
ہیں اس دین کو بے اثر کرنے اور اس سے زندگی کے آثار ناپید کرنے کے لیے نئے ہتھکنڈے
یجاء سے جا رہے ہیں سلام اور قوانین اسلام کو زندگی سے خارج کر دینے کی سازشیں بہت جاری
ہیں اور گہرائی سے عمل میں لائی گئی ہیں اور انی جاری ہیں اس عمل اور ہمہ جہتی پلاننگ و برو
کارانے میں دو طاقیتیں پیش پیش ہیں ایک مغربی طاقت اور دوسری مغربی اور جو سازش ہے
اس کے تانے بانے بڑی چابکدستی چال کی اور تیاری سے بنے ہیں عقلی و فنی نقطہ سے دیکھنے پر
عملی نقطہ سے مفید ہے کہ مسلمان اپنی اسلامی و ایمانی عملی و اعتقادی اخلاقی و تہذیبی ورثہ سے
بے تعلّق ہو جائیں اور جس طرح دوسرے مذاہب ہیں اسلام بھی ایک نام کا مذہب رہ
جائے اس کے آثار و عجائب و خدوئوں تک محدود رہ جائیں عملی زندگی سے اس کا کوئی سروکار نہ ہو
اسلام کا نامی شخص ختم ہو جائے اس سازش کی سربراہی مغرب کا سب سے بڑا ملک (امریکہ)
اور دنیا کی تسلیم شدہ سب سے بڑی طاقت امریکا ہے اس کی تائید و توثیق اور عملی و فکری تعاون
کرنے میں مشرقی و ایشیائی ممالک ہیں (اسرائیل) شریک کار ہے مغرب و مشرق ان دونوں
قوتوں کا بدف ایک ہی ہے کیوں کہ انہوں نے اپنے تجربات مشاہدات سے اور تاریخ کے مطالعہ
سے اور قوموں کی نفسیات کے جائزوں سے یہ یقین ہو گیا ہے کہ ان کی نشانہ انگیزیوں
اخلاقی و تہذیبی تاریکیوں کا راستہ روکنے والا کوئی طاقت اس روئے زمین پر ہے تو وہ اسلام
ہذا یہ من سب ترین وقت ہے کہ ہم ان سازشوں کو سمجھیں ان کی پلاننگ کا جائزہ میں عقل و
حاصلت صدق و مشورہ سے من سب قابل عمل اور با مقصد راکھ عمل مرتب کریں اللہ کے فضل سے
ان کے اندر جو وحدت فکر اور دین کے معاملہ میں غیرت اور جوش و اخلاص ہے اس کو کام میں لائیں
کر عملی اقدامات کے لئے تدابیر اختیار کریں۔ میں اس خط سے اس مکتوم کو بہت مبارک اور بر

وقت اور بر محل سمجھتا ہوں کیونکہ یہ وقت متقاضی ہے کہ ہم دشمنوں کی چابوٹ کا اور اپنی وسعت عمل کا صحیح اندازہ لگائیں شدید خطرہ اور مذاکات خیمہ طوفان بڑا کا مقابلہ ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ موجودہ مسلم نسل کو اور آنے والی نسلیوں کی سازشوں کا شکار نہ ہوں گے، یہاں تک کہ اسلام پر اعتماد بھی کیا جائے اسلام کے متعلق ان کا عقیدہ تہی قوت کے ساتھ بھرا جاوے کہ یہ دین ربی دنیا تب کے ہے اور ہر خطرہ رخصی کے لیے سازگار ہے اور اسی کے ذریعہ ان سب کی نجات ممکن ہے اور نہ صرف یہ کہ اسلام کے ماننے والے ایسے ایمان و عقیدہ یافتہ زندہ رہیں بلکہ وہ آگے بڑھ کر دنیا کی قیادت و سیادت کا حوصلہ پیدا کریں اور سمجھیں کہ ان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو ان کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے اور دین و ایک بے جان بے عمل خشک رسومات کا مذہب بنانا چاہتا ہے میں نے وقت کے جن خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کوئی فرضی یا رسمی بات نہیں ہے بلکہ اپنے تجربات و مشاہدات حوالات و نفسیات کو سمجھنے اور ہوا کے رخ کو الحمد للہ پیچنے کے بعد عرض کیا ہے بہتر اجتماعات کانفرنسوں موتمرات میں شرکت اور اہل علم و فہم حضرات سے مل کر اور حالات کو سن کر اور دیکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ یورپ امریکا اور اسرائیل کو امریکی سے خطرہ ہے تو وہ صرف اسد م سے ہے وہ اپنی جہانگیری قائم کرتے اور انسانیت سوز اور ظالمانہ مقاصد کی راہ میں صرف اسلام اور مسلمانوں کو مزاحم پاتے ہیں۔

میرے محدود مطالعہ کی روشنی میں جو متنوع اقسام تاریخ و علم الاجتماع پر مشتمل ہے اسلام کے سنے اس سے زیادہ سخت زمانہ کبھی نہیں آیا جب کہ مشرق و مغرب دونوں جانب سے بلخیز اور مہلک سازشوں کا طوفان چل رہا ہے اور یہ ممالک اسلام کی قوت و نفوذ سے اس کی اثر انگیزی سے اور اس کے فکر ساز اثرات سے خائف بلکہ لرزیدہ ہیں۔

پہلے کبھی اس درجہ اسد م کو مہیب و خطرناک نہیں سمجھا گیا تھا وہ حقیقتیں جو دنیا بھر کے وسائل کو اپنی مٹھی میں بند کرنا چاہتی ہیں ان سب سے زیادہ خطرہ اسد م سے ہے یہ وقت ہے جب خطرہ کی گھنٹی تیز سے تیز تر ہو رہی ہے یہ وقت ہے کہ ہم بیدار ہوں خطرات کا مقابلہ کرنے کی لیے اس درجہ میں تیار ہوں جس درجہ کے یہ خطرات ہیں۔

حضرات! میں معذرت چاہتا ہوں کہ اس پروقار مجلس میں جس میں عالم اسلام کے منتخب افراد اہل دل و اہل فکر اور باخبر حضرات جمع ہیں میں نے گفتگو کو طوں تک دیا اور اس کا

سبب یہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ ہم آپ خطرات کی آندھیوں کا سامنا کر رہے ہیں یہی سیاسی
 اقتصادی فکری ہر طرح کی یلغار کا سامنا ہے دوسرے طرف وہ طاقتیں ہیں جن کے پاس وقت
 کے تمام اسلحے جمع ہیں وہ آزادانہ دبا کا نہ آئے بڑھ رہے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کے
 طالب ہیں کہ ہمیں اپنے اوپر متدلاتے ہوئے خطرات کو سمجھنے کی توفیق دے اور خطرات کی
 سماعتوں میں بیداری کی توفیق ارزانی فرمائے۔

آخر میں ہم اس ملک اور اس ملک کی حکومت جو شریعت اسلام کا پاس و لحاظ رکھتی ہے اور
 شریعت کی سر بندگی جس کا ہدف اور نصب العین ہے کلام اللہ کی عظمت جس کا شعار ہے سنت
 نبویہ کو وہ مقام دینے کا جذبہ رکھتی ہی جو اس کا حق ہے اس ملک کے سایہ میں ہم اللہ سے امید
 رکھتی ہیں کہ یہاں سے ہمارا قدم صحیح راستہ پر صحیح منزل کی طرف متوازن انداز میں اٹھے گا اور اللہ
 تعالیٰ سے دست یہ دعا ہیں کہ ہم سب کو خلوص نیت اور اخلاص عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرزمین ہند کے دو عظیم کردار

۳۰ جون ۱۹۹۷ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں طلباء، اساتذہ کے سامنے

کی نئی ایک شاہکار تقریر

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين
وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه اجمعين، ومن تبعهم باحسان
ودعا بدعوتهم الى يوم الدين، اما بعد!

میرے عزیزو! کوئی عملی بات، مخلصانہ مشورہ، ہدایت اور نصیحت انفرادی طور پر کی جاتی ہے تو اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے اور اثر بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن اگر یہی باتیں جلسہ عام میں کی جاتی ہیں تو جتنا مجمع زیادہ ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے حصہ رسدی کم ہو جاتا ہے، اندیشہ ہے کہ آپ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ ایک عام تقریر ہے جو جلسہ عام میں کی جاسکتی تھی، کسی پبلک ہال میں کی جاسکتی تھی، ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ یہ نہ سمجھیں، بلکہ یہ سمجھیں کہ جیسے آپ پانچ، سات، دس آدمی ہمارے پاس آئے اور کہا کہ آپ ہمیں مشورہ دیجئے کہ ہم دارالعلوم کے نظام تعلیم، اس کے نصاب درس، یہاں کے اساتذہ اور علمی ماحول سے کیسے فائدہ اٹھائیں، ہم اپنی زندگی کو کسی رخ پر ڈالیں اور کن مقاصد کو ہمیں اپنانا چاہئے، دارالعلوم کے مطالبات اور تقاضے کیا ہیں، ہم اپنی استعداد کیسے پختہ کریں تاکہ دور جدید کے فتنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ آپ نے ہم سے عزیزانہ، سعیدانہ اور فرزندانہ طریقہ پر سوال کیا، جیسے آپ رائے بریلی یا یہاں کے مہمان خانہ میں ہم سے سوالات کرتے ہیں، ہم بھی آپ سے اسی طرح باتیں کریں گے، آپ بھی ان باتوں کو اسی طرح سنئے گا، اسی کان سے سنئے گا، اسی دل سے قبول کیجئے گا۔

دارالعلوم کی بنیاد اور اس کی علمی و فکری ترقی کا معیار کیا ہے:

عزیزو! پہلی بات آپ کو یہ معلوم ہونی چاہئے کہ آپ جس دارالعلوم میں پڑھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس ادارہ میں آپ کو پڑھنے کا موقع دیا، اور شرف بخشا ہے اس کی بنیاد کیا ہے، اس کی علمی و فکری ترقی کا معیار کیا ہے؟

تاریخ کے ایک مصنف اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلیمی، فکری ہی نہیں بلکہ خاندانی تعلق کی بنیاد پر کہتا ہوں اور اس بناء پر کہتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے بانیوں کے حالات سے ملک الگ واقف ہوں، ایک ایک کے مسلک، ایک ایک کے مقصد اور ایک ایک کی فکر سے واقف ہوں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء (اور دوسرے صحیح الفکر وال عقائد مدارس) ہندوستان کی دو جہد ساز شخصیتوں کے مدرسہ فکر پر قائم ہوا ہے، ایک حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴) دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) یہ دو اس کے اصل بانی، اس کے روح رواں، اس کے رہبر اور معیار ہیں، اس کی سہمی ترقی کا بھی معیار ہیں اور اس کے فکری ارتقاء کا بھی معیار ہیں اور اس فکر کی اشاعت اور جدوجہد کا بھی معیار ہیں۔

اس دارالعلوم کے اصل بانی دو شخصیتیں ہیں۔ ایک مجدد الف ثانی دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔

یہی دو اس کے روح رواں اس کے رہبر اور معیار ہیں، اس کی علمی اور فکری ارتقاء کا معیار بھی یہی دونوں ہیں۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان:

حضرت مجدد الف ثانی وہ ہیں جنہوں نے پورے برصغیر میں انقلاب برپا کر دیا۔ جن کے مکاتیب آپ کو پڑھنا چاہئے، ہم آپ کو مختصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ یہیں یا یہاں سے نکلنے کے بعد ان کے مکتوبات پڑھیں، اب ہندوستان میں بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ان کے مکتوبات پڑھیں، اب ہندوستان میں بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ان کے مکتوبات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خدا آپ کو اس کی توفیق دے کہ آپ ان کے مکتوبات پڑھیں یا کم از کم یہاں کے

زبانہ قیام میں ”تاریخ دعوت و عزیمت“ کا چوتھا حصہ پڑھیں، جو انہیں کے حالات کے ساتھ مخصوص ہے، اقبال نے بہت صحیح ان کا تعارف کرایا ہے

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گروں نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

یہ وہ مجدد صاحب ہیں جو بدعت حسنہ کے بھی قائل نہیں، میں آپ کو ان کے ایک مکتوب کا اقتباس سنا تا ہوں، جس میں دین کی حمیت اور شریعت کے بارے میں ان کی غیرت و حساسیت صاف نظر آتی ہے۔

ایک معاصر نے اپنے خط میں شیخ عبدالکبیر یمنی کی (جو غالباً شیخ محی الدین ابن عربی اور بعض مشائخ تصوف سے متاثر تھے) ایک ایسی تحقیق لکھی جو اہل سنت والجماعت اور اجماع امت کے خلاف تھی، حضرت مجدد صاحب نے اس کے جواب میں جو طاقوڑ مکتوب لکھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

فرماتے ہیں:

”مخدوما! این فقیر تاب استماع اس
چنین کلمات ندارد، بے اختیار رگ
فار و قیم در حرکت می آید، شیخ
عبدالکبیر یمنی باشد یا محی الدین بن
عربی، مارا محمد عربی درکارست
نہا بن عربی، فتوحات مدینہ از
فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ اند، مارا بے
نص کا راست نہ بہ نص“

شیخ محی الدین ابن عربی جن کے ذریعہ وحدۃ الوجود کا عقیدہ تمام دنیا میں پھیلا اور بڑے بڑے عارفین باللہ اور بڑے بڑے مشائخ اس کے قائل ہی نہیں اس کے داعی بلکہ اس پر مصر

تھے، ان کی دو کتابیں ایک فتوحاتِ مدیہ ہے جس میں انہوں نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ کی صاف صاف تبلیغ کی ہے اور اس کو پیش کیا ہے، دوسرے فصوص الہم،

مجدد صاحب فرماتے ہیں

مخدوم! اس طرح کی باتوں کے سننے کی میرے اندر تاب بھی نہیں، بے اختیار میری رک فروقِ حرست میں آ جاتی ہے اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخِ بیریمنی ہوں یا شیخِ اکبر شامی، ہمیں کلامِ محمد عربیؐ و علیؑ آراء الصلوٰۃ و اسلام درکار ہے، نہ کہ کلامِ محمدی امین بن عربی، صدر الدین قونوی، اور شیخ عبدالمزاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ نص سے، فتوحاتِ مدینہ نے فتوحاتِ مدیہ سے مستغنی بنا دیا

یہ سب مجدد صاحب کا فیض ہے:

جس وقت ہندوستان کے تحت پر ۹۶۴ھ میں جلال الدین اکبر بیٹھا ہے، اسلام کی آمد کو ایک ہزار سال ہو رہے تھے، ایرانیوں کی ایک جماعت نے یک گہری سازش کی کہ پوری دنیا کو یہ باور کرائیں کہ اسلام اور دینِ محمدی کا دور ختم ہو گیا، اس جماعت نے یہ اصول اکبر سے ذہن نشین کر دیا کہ ہر مذہب کی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے، یہودیت ہزار سال رہی پھر ختم ہوئی، عیسائیت ختم ہو گئی، پھر اسلام آیا، اب اس کو ایک ہزار سال ہو رہے ہیں۔

اس جماعت نے اپنی ذہانت سے سمجھ کہ اس بات کو قبول کرنے اور اس کو پوری طاقت سے نافذ کرنے والا وہ ہو سکتا ہے جو زیادہ پڑھا لکھا اور متشبع نہ ہو، اس جماعت نے اکبر کا انتخاب کیا جس کی سمجھ میں ان کی یہ بات آ گئی اور وہ الحاد کے راستہ پر پڑ گیا، وہ برہمنوں، پنڈتوں اور علماء کو جمع کرا کے بحث کروا تا تھا، پھر لادینیت کو تسلیم کیا جاتا تھا۔

ایک نازک وقت میں مجدد صاحب درجن کا خاندان سامنے آتا ہے، اس خاندان نے اس ملک کو اس خطہ سے محفوظ کر دیا کہ یہاں لادینیت کلا دھند دورہ ہو جائے، اسلام کا رشتہ اس ملک سے کٹ جائے اور دینی حس ختم ہو جائے۔

نواب صدریہ رجنہ مولا نا حبیب الرحمن خان شیروانی نے تقریر کرتے ہوئے ایک بار فرمایا کہ لوگ اس تاریخی حقیقت پر غور نہیں کرتے، ہر امر انداز میں گزر جاتے ہیں کہ عموماً طور پر جب بادشاہ جاہل ہو، مخ لف وین ہو، اس میں کوئی خرابی ہو تو اس کے بعد اس کا جو جانشین آتا

ہے۔ وہ اس سے بدتر ہوتا ہے، وہ اس میں اپنی سعادت سمجھتا ہے کہ اپنے والد اور سابق بادشاہ کے طریقہ پر قائم رہے، لیکن اس کی یہ وجہ ہے کہ اکبر کے بعد جب جہانگیر ہوا تو وہ اس سے بہتر ہوا۔ دین پر قائم رہا اور بعد میں حضرت مجدد صاحب کا معتقد بھی ہو گیا تھا، پھر جہانگیر کے بعد شاہ جہان ہوا تو اس سے بہتر تھا، وہ جب تخت طاؤس پر بیٹھا جو بڑے فخر کی بات تھی تو وہ اتر گیا، نماز پڑھی اور سجدہ کیا اور کہا کہ فرعون بڑا کم عقل اور کم ظرف تھا کہ مصر کے تخت پر بیٹھا اور خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا، میں تخت طاؤس پر بیٹھ کر سجدہ کرتا ہوں، شاہ جہاں کے بعد اور نغزیب عالمگیر ہوا (جن کو ہماری فاضل دوست و ادیب شیخ علی الطنطاوی چھٹے خلیفہ راشد سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے نزدیک حضرت عمر بن عبد العزیز کے بعد پورے عالم اسلام میں عالمگیر جیسا قبیح سنت، صاحب حمیت اور اسلامی قانون اور اسلامی شریعت کا جاری کرنے والا پیدا نہیں ہوا) اس میں جو راز ہے وہ یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی اور ان کا خاندان اندر اندر کام کر رہا تھا، اور متاثر کر رہا تھا، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی جو حضرت مجدد صاحب کے ممتاز ترین فرزند تھے، اور جن سے ان کا سلسلہ پھیلا ہے وہ عالمگیر کو شہزادوں کے دور میں جب خط لکھتے تو انہیں ”شہزادہ دین پناہ“ سے خطاب کرتے۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور صحیح الفکر و حامل دعوت مدارس و مراکز باقی رہیں گے، اور اگر خدا کو ان کی حفاظت مطلوب اور محبوب ہے تو حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے راستہ پر رہیں گے، اگر یہ دارالعلوم دونوں کے راستے سے ہٹا تو یہ دارالعلوم، دارالعلوم نہیں ہوگا جس کی بنیاد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری، مولانا سید ظہور احمد فتح پوری، مولانا سید عبدالحی رائے بریلوی، مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارنپوری، منشی اطہر علی کاکوروی اور مولانا شبلی نعمانی نے ڈالی تھی، یہ بات یاد رکھئے کہ یہ دارالعلوم حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ کے راستے پر ہے۔

امتیازی خصوصیات:

عزیزو! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان دونوں کے طریقہ عمل، ان کی دعوت، ان کی تحریک اور ان کی دو جہد کی چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

(۱) عقیدہ اسلام:

سب سے پہلے اس اسلامی عقیدہ کو پورے طور پر قبول کر لینا جو صحابہ کرام کا عقیدہ تھا، جو تابعین عظام، ائمہ اربعہ اور مجددین و مصلحین کا عقیدہ تھا۔

(۲) دوسری بات ہے اشاعت دین، یعنی اس دین کی اشاعت و تبلیغ کی جائے۔

(۳) اور تیسری بات جو ان دونوں حضرات کا خاصہ ہے وہ ”حمیت دین“ بلکہ ”حمیت دین ہے۔ بہت سے ایسے حضرات ہیں، ہم ان کی قدر کرتے ہیں، احترام کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں، ان کے یہاں اشاعت دین کا جذبہ تھا، لیکن وہ چیز جس کو دینی غیرت اور حمیت کہتے ہیں، وہ ان کے یہاں یا کم از کم ان کے حالات میں زیادہ نمایاں نہیں معلوم ہوتی، ان دنوں حضرات کی خصوصیت یہ ہے کہ اشاعت دین کے ساتھ حمیت بھی تھی، یہ بہت اہم چیز ہے کہ دین مخالف اور اس کے منافی کوئی چیز برداشت نہ ہو، اس کی نینداڑ جائے، کھانا پینا بھول جائے اور اس کو ایک سخت کرب اور شدید درد لاحق ہو جائے، یہ بات اور حضرات میں تھی لیکن ان دو حضرات میں سب سے نمایاں تھی۔

شاہ ولی اللہ کی خصوصیات اور ان کے کارنامے:

حضرت شاہ صاحبؒ نے ہماری معلومات کے مطابق سب سے پہلے ہندوستان میں حدیث شریف کی تدوین کا سلسلہ شروع کیا، وہ حجاز گئے اور وہاں عرب اساتذہ سے انہوں نے حدیث پڑھی اور اس کی سند حاصل کی، پھر یہاں آکر انہوں نے حدیث کا درس شروع کیا، ہماری محدود معلومات کی حد تک صحیح ستہ کی تدوین کا رواج اس سے پہلے ہندوستان میں نہیں تھا، یہ کام حضرت شاہ و صاحب نے شروع کیا، آپ کسی عالم سے حدیث پڑھئے اور سند لیجئے تو یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ تک پہنچتا ہے، پھر اور یمنی حجازی سلسلہ ہے، خاص طور سے صحیحین کا درس، پھر ان کی شرح و تفسیر کا کام اور ان کی خدمت۔

ان کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کے تراجم کا سلسلہ شروع کیا، یہ بات شاید بہت سے لوگوں کے لئے انکشاف ہو گیا کہ یہاں کے بہت سے علماء قرآن مجید کا دوسری زبانوں میں ترجمے کو خطرناک سمجھتے تھے، اس کی وجہ تھی، ایک تو یہ کہ وہ جواہل ہوی و

ہوں تھے وہ سمجھتے تھے کہ اس سے ہماری فرمان روائی چلی جائے گی، ہماری سرداری اور ہمارے مطاع ہونے کی جو حیثیت ہے، اور ہماری بات کو اللہ و رسول کی بات کی طرح لوگ سمجھتے ہیں، ہماری یہ حیثیت ختم ہو جائے گی، ہماری خیریت اسی میں ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ یہاں کی زبانوں میں نہ ہو، ایسے دنیا پرست علماء قرآن مجید کے ترجمے کو بدعت بتاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

شاہ صاحب نے اس کی طرف توجہ کی، ان کے دو صاحبزادوں نے اردو میں ترجمے کئے، ایک شاہ رفیع الدین کا ترجمہ جو لفظی ہے، اور ایک شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جو بے نظیر ہے، اس میں خاص اللہ تعالیٰ کی مدد معلوم ہوتی ہے، اگر وقت ہوتا تو میں تفصیل سے آپ کو مثالیں دے کر بتاتا۔

یہاں صرف دو مثالیں دیتا ہوں، قرآن مجید میں ہے۔ ”قالو بعزۃ فرعون انا لحن الغالبون“ زنجشتری جیسے ادیب مفسر کو بھی ”عزۃ“ کا مفہوم ادا کرنے میں دشواری پیش آئی ہے، عام طور پر اس کا ترجمہ ”فرعون کی عزت“ ”فرعون کا غلبہ“ کے الفاظ ادا کیا جاتا ہے، شاہ صاحب جو وہابی کے رہنے والے تھے وہ درباری زبان سے واقف تھے اور محاوروں کو بھی جانتے تھے وہ خود فرماتے تھے کہ جب کسی آیت کا ترجمہ سمجھ میں نہیں آتا تو بازار چدا جاتا تھا۔ لوگوں کی باتیں سنتا کہ وہ کس طرح اس مفہوم کو ادا کرتے ہیں، شاہ صاحب نے عزۃ فرعون کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ”فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب ہوں“ درباریوں اور خوشامدیوں کی زبان ایسی ہی ہوتی ہے۔

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں صوفی آہنگ کا بھی خیال رکھا ہے، ”قدم راھا تدمیرا“ (سورہ بنی اسرائیل) کا ترجمہ کیا ہے، جب اکھڑا، را ان کو اٹھا کر۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا تیسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے توحید خالص پر بہت زیادہ زور دیا، ان کے پوتے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے کتاب ”تقویۃ الایمان“ لکھی جس سے زیادہ صاف، واضح اور طاقتور کتاب توحید کے موضوع پر ہمارے علم میں نہیں، اس کتاب کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ اس سے ہزاروں نہیں اکھوں لوگوں کو ہدایت ملی ہے، حضرات علمائے دیوبند و مظاہر علوم اور علمائے ندوہ سب اس کے

قائل تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زریا صاحب (اندان کے درجات بلند فرماتے) ہمیں اس کتاب کے عربی میں ترجمہ کا حکم دیا، ہم مدینہ منورہ میں تھے، جانا بھی تھا، گاڑی مسجد نبوی ﷺ کے دروازے پر کھڑی تھی، سامان رکھا جا چکا تھا کہ نماز پڑھیں اور روانہ ہو جائیں، حضرت شیخ الحدیث نے پیغام بھیجا کہ ترجمہ کا کام شروع کر کے جائیں، ہم نے روضۃ من ریاض الجنۃ میں عزیز محمد واضح سمد کو سامنے بٹھا کر ترجمہ کا کام شروع کر دیا، ہمیں صاف معلوم ہوا کہ یہ کتاب عند اللہ وعند الرسول مقبوض ہے، جو کچھ لکھا تھا وہ حضرت شیخ کو سنایا گیا، حضرت نے سن کر بڑی دعا کیں دیں، جب اس کتاب کا ترجمہ ”رسالۃ التوحید“ کے نام سے مکمل ہو کر شائع ہوا تو ہم نے ایک بڑے سعودی عالم جو جامعہ اسلامیہ کے استاذ بھی تھے، ان کو یہ کتاب پڑھنے کو دی، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کی کتاب ”کتاب التوحید“ سب سے بڑھی ہوئی ہے اور ان کے تابعین تو اس کے سوا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، سین انہوں نے سعودی اور ”وہابی“ ہونے کے باوجود صاف صاف کہا کہ ”یہ توحید کی منہجیت ہے یہ تو پتھر اوڑھ کر کرتی ہے۔“

توشہ ولی اللہ اور ان کے خاندانوں نے توحید خالص، قرآن کی اشاعت اور حدیث شریف کی خدمت انجام دی، آج اس ملک میں جہاں بھی حدیث شریف پڑھائی جاتی ہے وہ سب فیض ہے شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خاندانوں کا۔

شاہ صاحب نے اس پر اکتفا نہیں کر لیا، بلکہ انہوں نے اپنی خدا داد فراست سے محسوس کیا کہ اب جو دور آنے والا ہے وہ عقلی دور ہوگا، عقلی دور پر متاثر کرنے والے دور ہوگا، اس کے لئے انہوں نے حجۃ اللہ البالغۃ جیسی بے نظیر کتاب لکھی، جو جدید علم کلام کا بہترین نمونہ ہے۔

یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ جہاد کی تحریک شاہ صاحب ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی، مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے (جن سے دہلی کے مسلمانوں کی جان اور عزت محفوظ نہیں تھی) شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو افغانستان بلایا جس نے مرہٹوں کو ایسی شکست فاش دی کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ مرہٹوارہ میں کوئی گھر نہیں بچا جہاں ماتم نہ ہوا ہو، سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کے دارا احرب ہونے کا فتویٰ دیا۔

یہو سلطان شہید کا بھی روحانی تعلق حضرت سید احمد شہید اور ان کے خانوادہ سے تھا۔ انگریزوں کے حقیقی خطرہ کا ادراک سلطان یہو نے کیا، اس کے خاندان کا تعلق روحانی حضرت سید احمد شہید کے نانا شاہ ابو سعید، حقیقی چچا سید نعمان خاص طور سے شاہ ابوالیث سے تھا جو سید صاحب کے حقیقی ماموں تھے۔

عزیزو! ایک دسمانی نسب نامہ ہوتا ہے، ایک علمی و دینی نسب نامہ ہوتا ہے اور ایک اعتقادی نسب نامہ ہوتا ہے، آپ اس علمی و فکری نسب نامہ کو ہمیشہ یاد رکھئے، اس نسب نامہ کو آپ نہ یہاں بھولئے اور نہ اپنے گھر جا کر بھولئے کہ ہم سب حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان کے فیض یافتہ اور ان کے تربیت یافتہ ہیں۔

نئے دور کے فتنوں کے مقابلہ میں ندوۃ العلماء کا کارنامہ:

عزیزو! ندوۃ العلماء نے اپنے قیام کے بعد سے وقت کے فتنوں کو نہ صرف پہچان لیا تھا۔ ان فتنوں میں قادیانیت اور میسائیت کے فتنے تھے، جن کا مقابلہ ندوۃ کے صدر سید محمد علی مونگیری نے کیا، ہم نے خود یہ واقعہ مونگیری میں سنا کہ جب قادیانیوں کا بہار میں خطرہ محسوس ہوا تو مولانا سید محمد علی مونگیری نے مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کو قادیانیوں سے منظرہ کے لئے مدعو کیا، ادھر مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری قادیانیوں سے منظرہ کر رہے تھے، ادھر مولانا سید محمد علی مونگیری سجدہ میں دعا و ریزہ زاری میں مصروف تھے، یہاں تک کہ کسی نے آکر سنایا کہ قادیانیوں کو شکست ہوئی اور وہ جوتے چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں، تب جا کر مولانا سید محمد علی مونگیری نے سجدہ سے سر اٹھایا۔

دوسرا فتنہ ”روشن خیالوں“ کا تھا جنہوں نے ایک بڑا ادارہ قائم کیا، اس جماعت کے لکھنے والوں نے دین کے حقائق کو بدل کر پیش کیا، اس کی وجہ سے اسلامی عقیدہ میں ایک تزلزل اور خطرہ پیدا ہوا، ان روشن خیالوں کا سب سے بڑا نشانہ یہی حقائق اور معجزات تھے، وہ معجزات کی ایسی تاویل کرتے کہ وہ معجزہ ہی نہ معلوم ہوتا، اپنی تفسیروں میں انہوں نے خاص طور پر اس پر زور دیا۔

ندوۃ اہمماء نے اس طبقہ کو راہ راست پر لانے کے لئے اپنے نصاب میں انگریزی کا اضافہ کیا، اس کے ساتھ اس نے بات پر بھی زور دیا کہ نئے اس سبب بیان اور نئے طرز فکر سے

طلبہ واقف ہوں اور کونسا فتنہ کہاں اٹھ رہا ہے، اور کیوں یہ فتنے اٹھ رہے ہیں، اور کس زبان اور اسلوب میں اٹھ رہے ہیں ان سے واقف ہوں۔

ان روشن خیالوں کے مقابلہ کے لئے علامہ شبلی کا قلم چلا، پھر مولانا سید سیمان ندوی اور مولانا عبدالباری ندوی کا قلم چلا، پھر تو ندوی فضلاء نے ان باتوں کا بھی تعاقب یہ جو عالم عربی میں قومیت عربیہ اور ”تجدد“ و ”تنور“ کے نام سے اٹھے تھے۔

ندوۃ العلماء کے بانیوں اور تنظیمین نے ہمیشہ نصاب کو ”وسیدہ“ سمجھا ”غایت“ نہیں، غایت و مقصد میں ترمیم نہیں ہوتی لیکن وسیدہ میں ترمیم ہوتی ہے، درس نظامی میں بھی برابر ترمیم ہوتی رہی، ہمارے والد صاحب مولانا حکیم سید عبدالحی کا فاضلہ مقالہ ”ہندوستان کا نصاب درس اور عہد بعہد اس کے تغیرات“ کا آپ مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس دور میں کون سی کتاب پڑھائی جاتی تھی، اور کب اس میں تبدیلیاں ہوئیں، اس طرح ندوۃ العلماء نے اپنے نصاب میں تاریخ و جغرافیہ کا بھی اضافہ کیا۔

عربی زبان کی تدریس ایک زندہ زبان کی حیثیت سے:

عزیزو! ندوۃ العلماء کے بانیوں اور اس کے روشن ضمیر کارکنوں نے اس وقت یہ محسوس کر لیا کہ اب تک دینی مدارس میں عربی زبان اس حد تک پڑھائی جا رہی ہے کہ تفسیر و حدیث و فقہ کی کتابیں سمجھ سکیں (اللہ تعالیٰ ان مدارس کے بانیوں کی محنتوں اور کوششوں کو قبول فرمائے) لیکن اب جو دور آنے والا ہے اس میں اس سے کام چلنے والا نہیں ہے، اب تو عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے کہ وہ دعوت اور تصنیف و تقریر کی بھی زبان ہے، پڑھایا جانا ضروری ہے، اس زمانہ میں ہندوستان کا عالم عربی سے زیادہ تعلق بھی نہیں تھا، صرف حجاج کی حجاز آمد و رفت رہا کرتی تھی، حیرت ہوتی ہے کہ مولانا سید محمد علی مونگیری نے حجاز کے دوران قیام میں ہمارے والد صاحب کو خط لکھا تھا کہ یہاں ایک عالم جن کو عربی پر بڑی قدرت ہے، عربی میں اچھی تقریر کرتے ہیں، میں ان کو راضی کر رہا ہوں کہ وہ اعلیٰ جہتیں، اور وہاں عربی زبان کا درس دیں، آپ اس کا خیال رکھئے کہ طلبہ کو عربی زبان میں مہارت پیدا ہو، اور اس میں وہ تقریر کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب کی نگرانی و

ہدایت پرندۃ العلماء نے عربی کی ابتدائی نصاب کی ترتیب کا کام شروع کیا جو اس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک تھا، اور وہ عالم عربی میں بھی مقبول اور کہیں کہیں رائج ہوا۔

اپنی استعداد کیسے مضبوط بنائیں:

عزیزو! دنیا کی تمام زبانوں میں عربی زبان سب سے زیادہ حساس، ذکی احس اور غیرت مند زبان ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ قرآن کی زبان ہے، پیغام الہی کی زبان ہے، تعلیمات نبوی ﷺ کی زبان ہے، اس کے علاوہ دو چیزیں اور ہیں، ایک اعراب جو کسی اور زبان میں نہیں، دوسرے مختلف الخرج اور مختلف اصوات حروف جو دوسری زبان میں نہیں، ذرا سی غلطی سے زیر کو زبر اور منصوب کو مجرور پڑھنے اور ث کو س کی طرح ہونے سے سب پر پانی پھر جائے گا، آپ ایسی استعداد بنائیے کہ صحیح اعراب پڑھ سکیں، اور صحیح مخارج سے حروف کو ادا کر سکیں۔

ایک بار ہمیں جامعہ دمشق میں جس کا وائس چانسلر ایک عیسائی فاضل تھا اور جس کے جلسہ میں فضلاء دمشق اور ممبران پارلیمنٹ شریک ہونے والے تھے۔ فلسطین کے قضیہ پر مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی، ہم ”العوامل الاساسیة لکارتة فلسطین“ (المیہ فلسطین کے بنیادی اسباب) کے موضوع پر مقالہ لکھا، اس کو جلسہ میں پڑھنے سے پہلے احتیاط کے طور پر علامہ بختہ البیطار کی خدمت میں گئے، اور عرض کیا کہ آپ ہمارے استاد مولانا سید سیمان ندوی کے دوست ہیں، براہ کرم آپ ہمارا یہ مقابلہ سن لیجئے کہ شاید کوئی غلطی ہو، انہوں نے فرمایا کہ نہیں تم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، تم ماذا خسر العالم کے مصنف ہو، پھر بھی ہم نے ان کو اپنا پورا مقالہ سنایا، انہوں نے کہیں نہیں ٹوکا، ہم سے کہا کہ آپ ال کے استعمال کرنے میں بہت محتاط ہیں، ہندوستانی علماء جاو بے جا الف استعمال کرتے ہیں، پھر انہوں نے لطیفہ سنایا کہ ایک ہندوستانی عالم ایک عرب عالم کے پاس آئے اور کہا کہ ان ذاهب من الملة الی مدینة قھل مک حاجتہ! اس جملہ کو سن کر ان عرب عالم نے کہا کہ حاجتی الوحيدة أن تاخذ الالف واللام من مكة وتضعهما علی المدینة اف امن عالم صاحب نے مکہ پر لگا دیا، جبکہ اس پر الف لام نہیں آتا۔

ہم سے بعض عربوں نے شکایت کی کہ ہندوستانی عالم و داعی آتے ہیں، مساجد میں ان کی تقریر کا اعلان ہوتا ہے، ہم بیٹھ جاتے ہیں لیکن چند ہی جملوں کے بعد میٹھن مشاغل ہو جاتا ہے۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کو عرب ممالک نہیں جانا ہے، آپ کو جانا ہے، لیکن ملازمت کے لئے نہیں، امام و خطیب بن کر نہیں، صرف پیسہ ملانے کے لئے نہیں، بلکہ داعی بن کر، یا معلم بن کر جانا ہے، آپ ابھی سے درس استعداد پختہ کریں تاکہ کوئی اعرابی غلطی نہ ہونے پائے، جو ابھی اردو کتاب پڑھیں، پوری توجہ اور انہماک سے اس کی تیاری کریں، اپنے فاضل اساتذہ نے معلوم کریں کہ ان کی مستند شہیں اور مصدرو مراجع کون سے ہیں، پھر ان کا گہرا مطالعہ کریں، اور پھر پوری علمی تیاری کریں۔

آخری بات:

آخری بات یہ ہے کہ آپ علوم دینیہ میں رسوخ پیدا کیجئے، یہاں جو علمی و دینی ماحول ہے، آپ کے جو مشفق اساتذہ ہیں ان سے فائدہ اٹھائیے، یہ فضا اور ماحول اور اساتذہ آپ کو کالجوں، یونیورسٹیوں میں نہیں ملیں گے، ہم نے مولانا محمد منظور نعمانی کے بارے میں کہا تھا کہ ان کی ایک بڑی خصوصیت رسوخ فی العلم تھی، بہت سے علماء ایسے ہیں جو دوسرے کاموں میں لگ جاتے ہیں تو ان کو علم میں رسوخ نہیں رہتا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں سے صحیحہ افکار بنا کر کامل مدرس اور پختہ کار مصنف و مبصر بن کر اور داعی بن کر نکالے، اور جو فتنے اٹھ رہے ہیں، جیسے قادیانیت، الحاد و دہریت اور روشن خیالی کے فتنے کہ دین پر بھی تنقید کرتے ہیں، و کفر و ایمان و حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے، ان سب فتنوں کا آپ کو مقابلہ کرنا ہے، آخری بات یہ ہے کہ آپ سب کو حضرت مجدد الف ثانی اور شاہدوں لدہ و ہونہ کی مسک، ان کے کتب خیال اور مدرسہ فکر پر چن رہے، اور اسی میں اپنی سعادت سمجھنا چاہئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام کے مردان با وفا

جہاد بال کوٹ سے واپس آنے والے مجاہدین کا قافلہ جنوب وزیر الدولہ مرحوم کے اصرار سے ٹوٹک میں قیام پذیر ہو گیا تھا، ان میں حضرت سید محمد شہید کے اہل خاندان بھی تھے، انھیں حضرت نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی جو مسجد قافلہ کے نام سے مشہور ہوئی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہ تقریر اسی مسجد قافلہ میں ہوئی

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد
المرسلين محمد وآله وصحبه اجمعين " من المؤمنين رجال
صدقوا اما عاهدوا الله عليه فمهم من قصي حبه، ومهم من ينتظر،
وما بدلو اتبديلا "۔

حضرات: انسان کی فطرت، حالات، ماحول اور تاریخی واقعات کا یہ اثر ہوتا ہے کہ آدمی کی جگہ جاتا یا کسی سے ملتا ہے اور کسی نئی جگہ پر وہ قدم رکھتا ہے تو اس کے سامنے کچھ ایسی حقیقتیں آ جاتی ہیں کہ جو اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے نہیں آتیں، یہ انسانی نفسیات کا تقاضا اور خاصہ ہے، یہ مسجد جو قافلے والی مسجد کے نام سے مشہور ہے، یہاں آ کر بے اختیار میرے سامنے قرآن شریف کی آیت آ گئی جو بالکل حسب حال ہے، یہ صرف مسجد قافلہ اور محلہ قافلہ پر منحصر نہیں بلکہ ایک عہد، ایک نسل، ایک تحریک، ایک دعوت، ایک صداقت، ایک بطوت، وفاداری، اور اسلام کو ایک صحیح شکل میں پیش کرنے پر اور اس کے لئے ہر چیز کو قربان کر دینے پر اس کی پوری تاریخ مجسم طریقہ پر میرے سامنے آ گئی ہے اور یہ بالکل اضطرابی طور پر ہوا ہے، اس میں میرے غور و فکر کو کوئی دخل نہیں ہے، یہ جیسے ممکن ہے کہ قافلہ کی مسجد میں میں قدم رکھوں، بلکہ ٹوٹک کی سرزمین پر قدم رکھوں اور مجھے مجاہدین یاد آئے۔

جماعت مجاہدین کے کارنامے کی تعریف اس آیت سے بہتر کی نہیں جاسکتی، یہ آیت نہ صرف اس عہد کو یاد دلاتی ہے بلکہ قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے سامنے ایک نمونہ پیش کرتی ہے، اور بتاتی ہے کہ مسلمان کا قیوم کیا ہے، اور ہر مسلمان کا اپنے اپنے عہد میں کیا فریضہ

ہے اور وہ کس چیز کا مکلف ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا استحقاق کس چیز میں پیدا کرتی ہیں، ایسا معصوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے سامنے اسلام کا معیاری نمونہ سامنے رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”من المؤمنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ“

(اہل ایمان کی جماعت تو بہت بڑی ہے، اور وہ ایک بڑا درجہ ہے، اس کے اندر بھی تخصیص کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اہل ایمان میں کچھ مردانِ کار و راہل عزیمت ایسے ہیں) بلکہ اس کا ترجمہ یوں کر کیجئے کہ اہل ایمان تو بہت ہیں، خوش نصیب ہیں، اللہ کے وعدے پر یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کے ایسے شیر مرد اور ایسے یاہمت اور با حوصلہ لوگ ہیں۔

”صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ“۔ انھوں نے اللہ سے جو عہد اور جو وعدہ کیا تھا، سچ کر دکھایا۔

”فمہم من قضیٰ نحبہ“ اور ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو وقت پورا کر چکے اور اللہ کے پاس جا چکے، اللہ کے یہاں ان کو انعام ملے گا (والا حورہ خیر و ابقى) آخرت کا تو کہن ہی کیا ”وہم من ینتظر“ ورجن کا بھی وقت نہیں آیا، وہ انتظار میں ہیں، اور اپنے عہد پر قائم ہیں، ”وہا بدلو اتدیلا“ اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس آیت میں اسلام کی تعریف کی گئی ہے، قرن اول کے مسلمانوں کے سے یہ ایک معیاری چیز ہے ورنہ قیامت تک پیدا ہونے والوں کے سے ایک نمونہ نمل ہے اولیایہ معیار اور اللہ کی طرف سے ایک سند ہے، مسلمان اصل میں محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے کا نام نہیں ہے، اس کو ہم مسلمان کہیں گے، ہم اس کے اسلام میں شک نہیں کریں گے، جو کلمہ پڑھے گا، ہم اس کو احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے، لیکن اسلام اس پر ختم نہیں ہو جاتا، کہ کلمہ پڑھ لیا جائے، مسلمان خاندان میں کوئی بچہ پیدا ہو جائے، پھر حقیقہ ہو، پھر وہ مسلمان کہہ لے، اور وہ خود بھی اپنے کو مسلمان کہے یہ کافی نہیں بلکہ ”من المؤمنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ“ اس نے اللہ کے ساتھ کوئی عہد کیا، یہ اللہ کے ساتھ ایک عہد ہے اور عہد یہ ہے کہ ہم اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزاریں گے، اس دنیا کا خالق اور رازق، نافع اور ضروری ہے، وہی عزت اور ذلت دینے والا ہے، اور کارساز حقیقی اور مالک

الملک ہم اسی کو سمجھیں گے، کلمہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ بھی ایک عہد اور ایک اعدا ہے کہ ہم اس بات کا اعلان کرتے ہیں زبانِ قل سے بھی اور زبانِ حال سے بھی کہ اس دنیا کو پیدا کرنے والی اور چلانے والی تنہا خدا کی ایک ذات ہے، ”الا للہ الحلق والامر“ (یہاں رُھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا) وہ اس کا خالق بھی ہے اور منتظم بھی ہے، یہ نہیں کہ پیدا کر دیا اور اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا، یا دوسروں کے حوالہ کر دیا، کہ اب جو کچھ ہو آدمی کی کوششیں ہیں، نتائج ہیں، مواقع ہیں، اور اشیاء میں نفع و ضرر کی صلاحیت ہے، نہیں ایسا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو ایک ایک ذرہ کا ملک ہے کوئی پتہ بغیر اس کی اجازت کے ہل نہیں سکتا، اور نہ ہی کوئی ذرہ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے، کوئی کام اور کوئی تبدیلی دنیا میں آ نہیں سکتی، نہ قسمیں بدل سکتی ہیں، نہ حالات بدل سکتے ہیں، جب تک اسکی مرضی اور حکم نہ ہو، اصل میں اسام ایک عہد ہے، اب اس عہد کو دیکھنا ہے، وہ عہد یہ ہے کہ ہم اس دنیا کا پیدا کرنا وال، چلانے والا، خدا کو سمجھیں گے، اس کو، ملک حقیقی، نیں گے اور اپنی قسمت اسی کے ہاتھ سمجھیں گے، اور نافع و رضا رسی کو مانیں گے، اس کو سوا کسی کے سامنے نہ سر جھکائیں گے اور نہ کسی کے سامنے احتیاج اور التجا کا ہاتھ اور دامن پھلائیں گے، یہ ایک عہد ہے، پورا اسام ایک عہد و معاہدہ کا نام ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ کتنے لوگ ہیں جو اس عہد کو پورا کرتے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جو عہد کر کے بھول جاتے ہیں، ہم بھی عہد کر کے بھول گئے، اس میں صیہ کرام کی مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں، جب کلمہ پڑھا تو اس کو نہ اپنی جان کی پرواہ رہی اور نہ مال کی رہی، اہل و عیال کی پرواہ نہ عزت و دولت کی پرواہ رہی، اور نہ تعریف اور مذہب کی، کسی چیز کی انھیں پروا نہیں رہی۔

یہ وہ بات ہے جو مسلمانوں کو سمجھنی چاہئے خاص طور پر اس ابتداء اور آزمائش کے دور میں سمجھنا چاہئے، اور خصوصاً اس قافلہ کی مسجد میں یہ بات سمجھنی چاہیے جو حضرات یہاں جمع ہوئے ہیں اور اللہ نے جن کو توفیق دی ہے ان کو سمجھنا چاہئے، کہ ان کے سامنے ایک مثال اللہ کے ان بندوں کی ہے، جو بانا کوٹ کی شہادت گاہ سے یہاں بلائے گئے، اللہ کے یہاں مقدر بھی تھا اور اسباب بھی پیدا ہوئے کہ نواب وزیر الدولہ مرحوم (اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے اور اللہ اپنی نعمتوں اور سرفرازیوں سے مالا مال کرے) انھوں نے اصرار کر کے نہیں بلکہ کہا جاتا ہے اور کہنے والوں نے کہا ہے کہ خوش مد کر کے اس قافلہ کو بدایا کہ اس قافلہ کا ورد باعث برکت یہ قافلہ

اُس آئے گا تو اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی یہ وہ ووگ تھے جنہوں نے اپنی جان دینے میں کوئی سرور کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، یہ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں اور یہ تاریخ میں لکھا ہوا ہے اور کئی بار یہ کہتے ہیں کہ حضرت اجازت دیجئے کہ اللہ کی راہ میں یہ سرقربان کروں، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا، اللہ آپ کے عم سے بڑا کام لے گا، آپ کی تحریر، تقریر اور آپ کی تبلیغ سے، آپ ابھی جدی نہ بیٹے، لیکن صبر نہیں ہوتا، پارہا پارہا کہتے ہیں کہ یہ سرقربان کرنے کے لئے آیا ہوں، ہم جو عہد کر کے آئے تھے وہ عہد پورا کرنا چاہتے ہیں، بالآخر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایما، ہوا یہ وہ مجھے کہ منع نہیں کرتے، اور انہوں نے وہاں اللہ کی راہ میں سرکٹا دیا، صدقوا، عہد واللہ علیہ، یہ اسلام جس سے اللہ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے اور ہم پر احسان فرمایا ہے، اسلام کے ذریعہ، یہ اسلام نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ ہم مسلمان ہمیں مسلمانوں کا نام رکھ میں، یہ مسلمانوں کی ہی معاشرت، یعنی گھر کا نقشہ مسلمانوں کا سا ہوا، مسجد بھی کبھی کبھی جائیں یا پابندی کے ساتھ جائیں یا اپنے کو مخاطب کر کے کہیں، یہ ایک عہد ہے، یہ ایک (خدا کرے) سب ادبی نہ ہو) پیسج ہے، نہ مانے کے لئے ایک پیسج ہے کہ ہم مسلمان ہیں، ہم اپنے عقائد میں مسلمان ہیں، ہم عبادت میں مسلمان ہیں، اپنے اخلاق میں مسلمان ہیں، معاملات میں مسلمان ہیں، اپنے اخلاق میں مسلمان ہیں، معاملات میں مسلمان ہیں، اپنے طرز معاشرت میں مسلمان ہیں، ہم آپس کے تعلقات، جو میاں بیوی کے تعلقات ہوتے ہیں، باپ بیٹے کے تعلقات ہوتے ہیں، بھائی بھائی کے تعلقات ہوتے ہیں، ہمسیوں کے تعلقات ہوتے ہیں، ہم ان سب چیزوں میں قانون الہی کے پابند ہیں، ہم کچھ نہیں جانتے، ہم پہلے یہ دیکھیں گے کہ حکم کیا ہے، اس موقع پر اللہ کے اس حکم سے آ رہا رہی ساری جا پیدا جاتی ہو، ہماری ساری کمائی اور سرمایہ پر پانی پھر جاتا ہو، اور ہم ایک لقمہ کے محتاج ہو جائیں، سب بھی ہم یہی کریں گے، یہ ہے اصل اسلام، اسلام صرف ایک قومیت کا نام نہیں ہے، اسلام کسی تہذیب کا نام نہیں ہے، اسلام کسی آبادی کے ایک حصہ کے ساتھ کچھ امتیازات اور اپنے کو ایک خاص نام سے موسوم کرنے کا نام نہیں ہے، جو اس وقت عام طور پر ہو رہا ہے، اسلام اول سے آخر تک ایک عہد ہے اور ایک پیمانہ ہے اللہ کے ساتھ ایک اعلان ہے، دنیا کے سامنے ہمارے لئے فیصد سن، قبل عمل اور قبل غور چیز وہ ہوں، جس کے لئے اللہ اور اس

کے رسول کی طرف سے حکم دیا جائے گا، رسول اس کی تشریح فرمائیں گے، جو اللہ کا حکم ہوگا اور جو رسول کی تشریح ہوگی یہ جو اسوۂ رسول ہوگا یا جو رسول کا نمونہ ہوگا، ہم اس پر عمل کریں گے، اگر ہمیں اپنی جان داد، اپنی مالی منفعت اور تمام سہولتوں سے دست بردار ہونا بعد از نماز مت بننا پڑے ہمارے لئے زندگن گزارنا وہاں دشوار ہو جائے، پھر آخری درجہ کی چیز یہ ہے کہ پھر کسی منہ میں (جہاں حالات مختلف ہوتے رہتے ہیں) وہاں ہم نگاہ پر چڑھ جائیں، بندہ نگاہ پر چڑھتا نہیں ہم پھر کسی کے تختہ پر چڑھ دیئے جائیں ہمارے ساتھ بالکل ایک مخالف قوم یا ایک بے وفی اور ایک غدار قوم کا سا سلوک ہونے لگے، ہمارے لئے مذمتوں کے دروازے بند ہو جائیں، ہمارے بچوں کی تعلیم مشکل بلکہ بنیادی معاشی ذرائع کا حصہ حاصل کرنا بھی مشکل ہو جائے، پھر بھی ہم وہی کریں گے جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔

اللہ فرماتا ہے ”سن المؤمنین رجال“ اہل ایمان میں وہ شیر مردہ وگ ہیں، وہ بے باز و بے ہیں، جنہوں نے ”صدقوا“ عہد کے سچے ہونے کا نمونہ دکھایا، قرآن مجید ”صدقوا“ کا لفظ بولے تو اس کی عمومیت، اس کا عمیق اور اس کی طاقت کا کوئی شمار نہیں اور نہ اپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اور جب ”صدقوا“ کا لفظ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سو فیصدی سچ کر دکھایا، نہ اس میں مدد نہ تھی، نہ تفریق تھی، نہ مصیبت اندیشی تھی، نہ تاخیر تھی، کچھ بھی نہیں، سب سے بڑے عزت والے کی طرف سے عزت کی جو سب سے بڑی سند دی جا سکتی ہے اور جو وثیق کی جا سکتی ہے وہ ان الفاظ میں موجود ہے، جن لوگوں پر یہ آیت نازل ہوئی تھی، ان پر ابرو و جد کی کیفیت جاری ہو جاتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، اگر پنا گھر بار اٹھ دیتے اور ڈال دیا انھوں نے، اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے، ”صدقوا“ اللہ علیہ انھوں نے سچ کر دکھایا جس کے لئے انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اور ذرا بھی وہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں۔

آج ہم مسلمانوں کی حالت یہ ہے، ہم مسلمان دیکھتے ہیں کہ اس بات کی کتنی گنجائش ہے، اس میں نفع و نقصان کا یہ توازن ہے، نفع کتنا ہے، نقصان کتنا ہے، نیک نامی ہے یا بدنامی ہے، سیاسی بدنامیاں اور اقتصادی پریشانیاں تو اس میں نہیں شامل ہو جائیں گی، ہماری اوا و اور خاندان کا مستقبل تو نہیں مشوک ہو جائے گا، ہم خطے میں تو نہیں پڑ جائیں گے، یہاں تک کہ آخری درجہ یہ ہے کہ ہم ایکشن جیت سکیں گے یا نہیں جیت سکیں گے، ہم کوئی عہدہ پا سکیں گے یا نہیں پا

سمیں گے، ملک میں با عزت طریقہ سے زندگی گزار سکیں گے یا نہیں گزار سکیں گے، یہ سب خیلی چیزیں ہیں، اللہ کے یہاں اس کا کوئی گزر نہیں ہے، ”فمہم من قضی نحبہ“ اور ان میں سے کچھ وہ تھے جو آخری درجہ تک پہنچ گئے، جب انھوں نے اپنا وقت پورا کر لیا، تو موت کے گھاٹ اتر گئے، شہادت کا درجہ انھوں نے حاصل کر لیا، خون کا آخری قطرہ بہا دیا، ”ومہم من یستطر“ اور کچھ وگ تھے جن کا ابھی وقت نہیں آیا تھا اللہ کی طرف سے وہ ایک تقدیری بات ہے، موت کا وقت مقرر ہے، شہادت بھی موت ہی کی ایک قسم ہے اس کا بھی وقت مقرر ہے، ایسے ایسے واقعات ہم دیکھتے ہیں، فتوحات اور جہاد کی تاریخ میں انھوں نے کوئی سر نہیں اٹھا رکھی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے جنگ کر رہے ہیں، اس میں کسی قسم کی آڑ نہیں، ذرا بھی اس میں تردد نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سدا مت رکھتا ہے، کتنی جنگوں کو فتح کیا اور کتنی جنگوں کا سہرا ان کے سر ہے، ایک خالد ہی نہیں آپ کے شہر کے سئے قبل فخر بات ہے کہ حضرت سید عبدالرزاق صاحب کلامی مرحوم جو اس قافلہ کے رہنے والے تھے، ساداتِ قافلہ کے ایک فرد تھے، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے کے پوتے تھے، انھوں نے فتوحِ اشم کا ترجمہ کیا ہے، اس وقت بے اختیار بات یاد آگئی، میں پہلے سے سوچی سمجھی تقریر نہیں کیا کرنا، چھوڑ دیتا ہوں کہ اللہ جو کچھ کہلوائے گا، دل میں ڈالے گا کہہ دوں گا، جب ذکر آ گیا تو ان کا ذکر کر دوں کہ انھوں نے فتوحِ اشم کا ترجمہ کیا، مصمم الہ اسلام کے نام سے اس میں کچیس ہزار اشعار ہیں، اس میں جنگوں کی تشریح ایسی ہے کہ ہمارے خاندان میں اور غائب یہاں قافلہ میں بھی اس کا رواج رہا ہوگا، کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا اور خاص طور پر مستورات پر بہت اثر ہوتا تھا، کسی کے بیٹے کا انتقال ہو گیا، کسی کے شوہر کا انتقال ہو گیا، تو اس کا اعلان یہ تھا کہ مصمم الہ اسلام پڑھی جائے، خوب یاد ہے کہ تمام یہاں جمع ہوتی تھیں، میری خالہ تھیں جو حافظہ قرآن بھی تھیں، وہ اس کو بڑے جوش کے ساتھ پڑھتی تھیں، ہم بچے پیسہ مانگنے کے لئے اپنی ماؤں کے پاس آتے تھے، جی میں آیا کہ چوں اماں سے پیسہ لے میں اور کچھ خرید میں یہاں آتے تھے تو کچھ نقشہ ہی دوسرا ہوتا تھا، آنسو جاری ہیں اور چہرہ پر ایک ایسا رنگ ہے، معلوم ہوتا تھا کہ میدانِ شہادت اور میدانِ جہاد میں یہ خود ہیں، پیسہ مانگنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی بیٹھ جاتے تھے اور خود بھی شریک ہو جاتے تھے (یہ بھی تقدیری بات ہے کہ اس کے دو ایڈیشن نکلے اور دونوں ایڈیشن نوں شور پریس سے

ہوتے ہیں۔ ان کی ہمتی، ہمتی اور پختہ ہونے سے ان کے دل میں
جدتیں کی اور وہ سب سے پہلے ان میں یہ ہے کہ ان کے دل میں
وہ سب سے پہلے وہ سب سے پہلے وہ سب سے پہلے وہ سب سے پہلے
تھے، انہوں نے یہ جہد کیا کہ یا تو اللہ کے ایک بندہ ہے یا تو اللہ کے ایک بندہ
اللہ تعالیٰ کی رحمتیں۔ ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں
نے ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں
انہوں نے چھوڑ دی ہیں جو ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں
نے ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں
سب سے پہلے ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں
سب سے پہلے ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں
میں ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں
ہیں، ایک ہی آدمی پر ان کے دل میں ان کے دل میں ان کے دل میں

اسل میں اس مہم کے لیے نہیں ہے کہ اسے فائدہ پہنچا دیا جائے۔
 یہ مہم صرف اس لیے ہے کہ اسے فائدہ پہنچا دیا جائے۔
 یہ مہم صرف اس لیے ہے کہ اسے فائدہ پہنچا دیا جائے۔
 یہ مہم صرف اس لیے ہے کہ اسے فائدہ پہنچا دیا جائے۔

آج بچوں کی تعلیم میں یہ ہمارا باب، بچوں کو اس خیال سے کہ ابھی جلد پا میں، ابھی مذمت ملے، ان کو حوالہ کر دیا گیا، سیکورسز کا مرقی تعلیم کے جہاں وہ ایک لفظ تو امید کے نہیں سنتے، خدا کی صفات کا، جمال کا، ایک لفظ ان کے کان میں نہیں پڑتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب رب عالمین ہیں ان کی سوانح و سیرت سے بالکل ناواقف، اردو و رسم الخط سے ناواقف، ایک نہیں، عام مثالیں آپ دیکھ لیجئے، لوگوں نے بتایا کہ بڑی یونیورسٹی میں (جس کا نام مین من سب نہیں سمجھتا) ۶۰٪، ۷۰٪ طلبہ اردو سے ناواقف ہیں وہ اپنے والدین کو ہندی میں لکھتے ہیں، اس کا تو ہمیں تجربہ ہوا کہ ہمیں ایک زبان میں کچھ معذوری تھی خواہ مخہ کن جاے

ہم نے کہا کہ بھائی صاحب ایک مضمون ہے میں بولتا ہوں آپ لکھ لیجئے میں بڑا مطمئن تھا بعد میں اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھا تو ہندی میں اس نے کہا کہ ہم ہندی میں لکھ سکتے ہیں، اسٹوول میں توں منظور سے یہ بات ہے، تو میں آپ کو راتا ہوں کہ یہ وہ راستہ ہے، جو اس عہد کے خلاف ہے، اس کی اس تعریف کے بالکل متضاد ہے، اللہ تعالیٰ نے ان چند اہل العزم اور اہل طبقہ کے ساتھ بہ نرا مرضی اللہ جنہم اور مسلمانوں کی پہلی نسل کے بزرگ و بزرگ حضرات کے متعلق کہا ہے، لیکن یہ الفاظ قیامت تک کے لئے ہیں: "ہم المؤمنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ" اہل ایمان وہ شیر مرد لوگ ہیں، جنہوں نے سچ کہا دیا، جس کا عہد تھا یقینی ہمارے لئے خدا کا جملہ ہے، یہی ہمارے لئے منشور ہے، کہ کلمہ "لا اِلهَ اِلا اللہ محمد رسول اللہ" پر چھ راہیں عہد یہ ہے، ہم اللہ اور رسول کی طرف نسبت رکھنے والی چیز کو روان کی طرف سے آئی ہوئی چیز کہ چاہے وہ اعتقادات سے تعلق رکھتی ہو، خواہ عبادات سے تعلق رکھتی ہو، خواہ رسم و رواج سے تعلق رکھتی ہو، اقتصادیات سے تعلق رکھتی ہو، سیاسیات سے تعلق رکھتی ہو۔ چاہے وہ افکار و فلسفوں سے تعلق رکھتی ہو، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئی ہوئی چیز کو ہر حال میں اس کو ترجیح دینا چاہئے، چاہے اس میں ہماری جان چلی جائے، چاہے ہماری اور خطہ میں پر جائے، یہ یہ کھائے و فقہ کرے، آج بہت سے لوگ مسلمانوں کو ڈراتے ہیں، کہ اگر انہوں نے یہ تعلیم نہیں دی، اگر ان کو اسلئے نہیں بھیجا انہوں نے ہندی نہیں پڑھی اور پھر انہوں نے اپنی تعلیم آئے جاری نہیں رکھی تو یہ فقہ کریں گے، کھانے کو نہیں ملے گا اور ترسیں گے یہ ایک اہم اقدام ہے، آپ ان کے حق میں خود کشی، نسل کشی کر رہے ہیں، آپ اپنے ان بچوں کو گویا فکے کھاتے اتار رہے ہیں۔

ہم ان باتوں کو نہیں جانتے، اسلام ایک عہد ہے، ہم نے عہد کیا ہے، وہ عہد یہ ہے، اللہ اور رسول کی بات کو اللہ اور رسول کی طرف سے آئی ہوئی بات کو، اللہ اور رسول سے ملنے والی اور مطابقت ہوئی بات کو ترجیح دیں گے، تمام حقیقی، یقینی اور متخیلہ اور ممکن الوقوع تمام خطرات پر اور نقصانات پر، بس آپ یاد رکھیں یہ اسلام ہے، اسلام وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس کا تعلق عقائد سے بھی ہے، معاملات سے بھی ہے، شادی بیاہ کی رسموں سے بھی ہے، میں بیوی کے تعلقات سے بھی ہے، اور اپنے پڑوسی کے تعلقات سے بھی ہے۔

زندگی کی بدن جانے، میں آپ وایب و قعدہ ناموں، اس نے آپ نہیں سے
زندگی میں بدلتی ہے، جو یہاں کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے یہ چیز کہ جب پشاور فتح ہوا، مجاہدین
نے پشاور فتح کیا، حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت
میں، ان کی ہفتے گذرے، وہاں کے ایک چھان نے ایک ہندوستانی (غاپاواٹی، وہاں کے رہا
ہے) کو ہاتھ پیر اور ہاتھ میں صاحب میں آپ سے ایک دستہ دیکھنا چاہتا ہوں، بتایا کہ
انہوں نے کہا کہ پوچھے، ہندوستان کے وہاں، ہندوستانی مسلح اس کی دوری نہ کرے، یہ
نہ ہے یہ "دوری نہیں دیکھ سکتے ہیں کیا" بہ خوب دیکھتے ہیں کہ انہوں نے آپ سے ساف
صاف بتایا، ہوسکتا ہے کہ آپ مستثنی ہوں لیکن میرے خیال ہے ہندوستانی مسلح کا ہکم وغیرہ تو
بھیگ ہوتا ہے لیکن دور کی نظر کمزور ہوتی ہے، انہوں نے کہا کہ آپ بتایا کہ آپ پوچھنا چاہتے
ہے میں، اس کی ضرورت یا پیش آتی، کہا کہ میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ میں دیکھتا ہوں
آپ میں سے بعض لوگ چار برس سے اپنا ہر چھوڑ کر یہاں آئے ہیں، پانچ برس گذر گئے ہیں
اور جوان ہیں، بیوی بچوں کو آپ چھوڑ آئے ہیں ہندوستان میں ہم نے آپ میں سے کی بھائی
کو نامحرم کی طرف نظر اٹھ کر دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا ایک ہوں، وہ
ہوں، اب کے سب کی حالت یہ ہے کہ جوان ہیں، تندرست ہیں، یہ وہ عام طور پر ہاتھ
ہوتے ہیں، فوجی وہ ہیں، دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جوان ہیں ورنہ خون بہانے کے نام
میں اور یہ طریقے سے متعلق ہیں، وہ چہرہ ہم دیکھتے ہیں یہ شخص بھی کی غیر مرمی طرف
نہیں دیکھتا پر آپ کو معلوم ہے، کہ وہ جو پہنوں کا ملک ہے، اس میں حسن و جمال بھی ہے،
اس میں حسن و انداز بھی ہوتی ہے، کی کو بھی دیکھتا ہے کہ وہ نامحرم و غیرہ صورت، وہ بیورہ
ہے، اس کی نیت تو نہ ہو، میں دیکھتی ہوں کہ اس میں حاصل کرے، وہ بیورہ ہے اس کی نیت تو نہ ہو
قد میں فوجی ہیں اور سب کے سب یہ محتاط ہیں کہ وہی غیر مرمی ہو دیکھتا نہیں اس کی وجہ یہ
ہے کہ مدقرآن شریف میں فرماتا ہے، قل للمومنین بعصوا من ابصارہم و یحفظوا
فروجہم "اے ایمان سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی شرمکابوں کی حفاظت کریں اور
یہ سہا کے امام کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

حضرات: اگر یہ ہم مسلمانوں کی حالت ہوتی ہے، مسلمانوں میں اخلاقی معیار پر ہوتے

اور ہماری یہ انتہائی شان ہوتی تو ہندوستان کا نقشہ بن دوسرا ہوتا، یعنی اگر یہ معلوم ہوتا، یہ بات میں نے ابھی نیویارک کیا تھا، نیویارک میں مسلمانوں سے خطاب کرنے کا موقع ملا ایک اجتماع میں، ان سے بھی کہا کہ یہاں کی آبادی کو محسوس رائیں کہ آپ کوئی اور مخلوق ہیں، اس معنی میں نہیں کہ آپ انگریزی نہیں جانتے ہیں، اس معنی میں نہیں، اپنے اخلاق سے یہ ثابت کریں، اپنی زندگی سے ثابت کریں کہ آپ کوئی اور دوسری قسم کی طاقت اور قانون و ماننے والے ہیں، آپ عزت کے پرستار نہیں، آپ مزے کے بندے نہیں، آپ نے یہاں فیصد کرنے کا معیار یہ نہیں ہے کہ یہ چیز مذہب ہے یا غیر مذہب یا منید ہے یا غیر منید، یہ چیز قیمتی ہے یا مہتممیت میں ہے، اس سے زیادہ تنخواہ ملے گی یا اس سے کم تنخواہ ملے گی، آپ کے ذہن میں فیصد کن چیز ایمان ہونا چاہئے، میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کو مسلمانوں کی زندگی زندگی ہے، صاف نظر آ رہا ہے کہ مسلمان جا رہے ہیں، مسلمانوں کا لباس ابھی تک بہت جلد ہوتی چل رہا ہے، جو تھا لیکن اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں اس وقت تک رہا، جس میں نفع ہو وہ کام یہ جانے تو لباس کا بھی کچھ اعتبار نہیں، اور لباس لیا یہ تو بہت معمولی چیز ہے، حسب ایمانیات اور اعتقادات میں فرق آجائے، زمانہ کا لحاظ کر کے اور زمانہ کے تقاضے مطابق تو لباس یہ چیز ہے، لباس تو اس بالکل غیر شرعی نہیں تو جہاز ہے بالکل اس واپس آتے ہیں، لیکن اصل چیز یہ ہے کہ رجال صدقوا ما عداوا اللہ عایدہ، وہ شیعہ مرد ہوں جو حق پر ہوں، جو انہوں نے اللہ سے عہد لیا تھا، آپ نے اللہ سے عہد لیا ہے، اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ پڑھا ہے، اب بالکل آپ کا راستہ ایسا دوسرا ہے، یہاں تک کہ طرز زندگی میں، اخلاقیات میں، تجارت میں سیاست میں، سب میں آپ کا ایک طریقہ ہے یہ جدال یا حرام ہے، یہ جہاز ہے یا ناجہاز ہے، یہ ثواب کا کام ہے یا نہو کا کام ہے، ہماری زندگی ایک ممتاز کھلی ہوئی ایک نشانی پانے، اس طرف گاہیں انھیں معلوم ہو تحقیق کرنے پر آمادہ کرنے پر یہ وکسن باتوں پر یقین رکھتے ہیں، ان کا مذہب یہ ہے، ان کو تربیت ہمیں ملتی ہے، اور یہ عظیم ان کو کس نے دی ہے؟

یہ ہماری حالت اگر ہندوستان میں ہوتی تو آج مسلمانوں کی حالت ہی کچھ دوسری ہوتی، جیسا کہ معلوم ہے مصر پورا کا پورا، عراق پورا کا پورا اور ایران پورا کا پورا، مسلمان ہو گئے، رسم خط بدل گئے، افکار بدل گئے، زندگی کے معیار بدل گئے، رہن سہن کا طریقہ بدل گیا، لیکن

ہم نے ہندوستان میں اس کا ثبوت نہیں کرا لیا، اللہ جیسے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ
جماعت تھی، حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جماعت تھی، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
کا سلسلہ تھا، بزرگوارین خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان آئے، اصل فاتح معین
الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ابو الفضل تک نے لکھا ہے جو اکبر کا بڑا متعاہد اور دین کے معاملہ
میں بڑا آراخیز تھا کہ آج جو مسجدوں میں اذانیں ہو رہی ہیں یہ سب خواجہ معین الدین چشتی کا
فیض ہے، انہوں نے ہندوستان کا دل جیت لیا میں نے اپنے ذہبہ میں کہا تھا کہ مدحیں نے
ہندوستان کی زمین فتح کی اور انہوں نے دل فتح کئے اور اس قوم کا دل جیت لیا اپنے اخلاق
کے پنی روحانیت سے۔

میں زیادہ طویل دین نہیں چاہتا رات کا وقت ہے آپ دور دور سے آئے ہوں گے اس کا
شر پڑتا ہے تمہارے پر یہی بات سمجھ میں کہ یہ اسلام ایک عہد نامہ ہے یا رکھیں اور تعریف ان
کی دنی جہوں نے اس عہد نامہ پر پورا پورا عمل کیا اور دکھ دیا کہ اور ثابت کر دیا کہ ہم ایمان
کے پے ہیں اور چپے ہیں ہم نے اسلام بے ساتھ جو عہد کیا ہے ہم اللہ کے سوا کسی کے نہیں
ذاریں، اس کے سوا ہم کسی کے ہاتھ نہیں کے نہیں "ان الله استولى من المؤمنين
انفسهم و اموالهم" اللہ خرید چکا ہے سمانوں سے ان کی جانیں اور مال سودا و مرتبہ نہیں
ہوتا سودا ہوا یہ اب ہمارا سودا ہوا یہ اللہ کے ہاتھ، اللہ نے ہم سے ہماری جانیں خرید لی ہماری
مال خرید لے، ہمارا دل و دماغ خرید لے، اب اس کے بعد ہم کی تغیر و انقلاب نے خواہ وہ سیاہی
انقلاب ہو خواہ وہ سیاہی ثقافت ہو خواہ وہی چیز ہو ہم کی حالت کی تغیر یا خطروں وجہ سے ہم نے
حاضر زندگی کو نہیں بد میں گئے اور اپنے عہد کے کو نہیں چھوڑیں گے۔

یہی پیغام تھا یہاں قافلہ میں آنے والوں کا جس کا نام قافلہ رکھا گیا ہے وہ یہ بھی بتاتا
ہے کہ دنیا قافلہ کی دجہ ہے قافلہ یہ محلہ بلکہ ساری دنیا قافلہ ہے ہم سب مسافر ہیں آ رہے ہیں
اور کل و پانچا بنے گا اس کا کل سب آتا ہے لیکن سب کو جانا ہے اس کو نہیں، ساری دنیا قافلہ سمجھ
جئے ہم سب قافلہ کے رہنے والے ہیں اپنی منزل پر نظر رکھنی چاہئے اور کی چیز پر نہیں رہنی
چاہئے مقصد صرف ایک ہے رضا الہی اور اللہ کی خوشنوی استویر اور "صدقوا
ما عاہدوا اللہ علیہ" انہوں نے جو عہد کیا تھا چک رہا ہے۔

محمد الزمین الرحیم

عورت اقبال کے کلام میں

بدید شامی میں غایا جان اور اقبال کی وہ اپنے شعریں جن کے یہاں غزلوں میں
ساقی، عین، عینیت، وراثت نہیں تھی، بعد اس کے برخلاف عورت کے مقام و حوالہ
بنیادیت حقیقی وہاں ہے میں ان دونوں کا ساتھ کرتا ہے۔

اقبال عورتوں کے متنی سرمدیات پسند کرتے تھے وہ صدر مدد میں پیدا ہوا تھا
اس میں عورتیں مرہبہ برقع نہ ہوتے تھے جنی شرم و حیا، ورجاساں مفت و صمت میں آن
نے نہیں دیا، تھیں اور شہکی پردے کے انتہا سے تھیں، تھیں زندگی کی تمام سررمیوں میں
دستور تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس میں باب نواس کا ایک نمونہ دیکھتے ہوئے عین ایک عرب لڑکی
فائدہ بہت مبدانہ کاریوں و پائی پاتے تھے شہید مولیٰ قانہوں سے اس کا زور و اثر تھا۔

فائدہ! تو آج کے امت مرحوم ہے
زور و اثر تیری مٹتے جا رہے کا مقصود ہے
یہ عادت و عور و حیا کی ترقی قسمت میں بھی
عاریت و عین و تقاضی ترقی قسمت میں بھی
یہ جہاں مدد سے رہتے ہیں بے تیغ و پیر
ہے جسارت آفریں شوق شہادت اس قدر
یہ کلی بھی اس کشتن خزاں منظر میں تھی
ایسی پنکاری بھی یا رب اپنی خاستہ میں تھی
اپنے سحر میں ابھی بہت آہو پوشیدہ ہیں
بجلیں، برستے ہوئے باں میں جی نو بیدہ ہیں

فارس انہ شبنم افشاں - نورتیرے نغمہ میں ہے
 قدم حشرت میں ہے ناسا تم میں ہے
 قص تیری ناکہ ہوتا نشوونما ہے
 زور دارہ بندی کے سوز سے ہرگز ہے
 ہے کوئی بیکار تیری تربت خاموش میں
 ہیں رہی ہے ایک قوم تارہ اس - غوش میں
 انہیں سہزادوں اندازے تمام فن ہر دوس نے شکایت تھی بہو عورت کے نام کا
 تہاں کے اب کی پائین ہندی و شہادت و سہمہ پڑتے ہیں۔ وہ اپنی یہ کمر
 میں جتے ہیں۔

چشم آہر نے پہنچتے ہیں مقامات بند
 رتے ہیں روح و خواہیدہ بدن و بیدر
 بند کے شاعر و صورت و افسانہ نویس، آویزوں کے اصحاب کہ مسلمان خاقان کے
 نے ابھی ورنہ و سنکار ایک معنی میں نہ رہے ہیں تو اپنی شخصیت، امتیازی قصہ و مر
 پائین و نکاتی کے ہر کی امیدوں پر پائی پکیہ این پات۔

بہل کے ہفتے کے ایسے ابھی ہا
 مسلمان رہنے زبید کہ کا افی ہا
 وہ جتے ہیں کہ مسلمان عورت و پیرا کے تمام کے ساتھ بھی معیثہ و اور بندی میں
 صحت رہنا چاہئے کہ اس کے ٹیک اثرات معیثہ و پر مرتبہ ہوں اور اس کے پر تو نے نہ ہو گا
 نات اس صحت روشن رہے جس طرح ذات باری کی تجلی نیاب کے باوجود کائنات پر پردہ
 نے

ضمیمہ عصر رنہ ب نجاب ست
 ششاد و نمود رنگ آب ست
 جہاں تابلی زور حق بیا موز
 کہ آہ ہمد تجلی در نجاب ست

۱۰۰ نیویں سرزمینوں کی اصل ماؤں کی ذات قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات
ایک ممکنات ہے اور نقابِ انبیاءِ مضمرات کی حالت سے درجہ فوق میں ماؤں کی قدر نہیں رہیں گے
نئی سرزدیں سنبھال نہیں سکتی

جہاں تک ممکن از اہمیت است

تہا شش مہین ممکنات است

اگر یہ نعمت را قوی سے نداند

نئی مہ کا رو بارش بے ثبات مست

۱۰۱ اپنی ساری حیثیتوں اور رزموں، اپنی ابدی محنت کے فیض نہرتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ
آج بے ہمتی کا عرصہ ہے، اس کے نہیں ماؤں کی حالت حاصل ہوتے ہیں۔

مرا وہ خرد پور ہوتے

نہ وہ مار پاک اندرانے

زکاتِ چشم وں نتوان کر فتن

کہ نکتبِ غایت جز سحر و فسونے

۱۰۲ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی و حال ان کی ماؤں کی پیشانیوں کا فیض قرار دیتے
ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے، وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے

خُشک آں ہے سزاوارِ دانش

قیمتِ بابہ بید کا دانش

چہ پیش آید پیشِ قوت و ہر

توان آید ز جنہیں مہاتش

۱۰۳ وہ امت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ امت کی تقدیر ماضی کا کام کریں اور امت کی شرم
الہ بوجہ بہار سے بدن دیں اور وہ اس طرح کہ گھر میں تو ان کا فیض کام کریں جیسے کہ
حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے ان دلچسپے سوز
و ساز نے ان کے دل کو دلاز کردیا تھا

زخم ابرو اور خمر را
یہ قرآن باز خواں اہل نظر را
تانی اہل نظر را عمار قرات تو
دروں را تقدیر عمر را

قبیلے میں ترقی اور تعلیمی زندگی میں ماں سے مرثیہ کے قتل ہیں۔ وہ بچتے ہیں۔
خاندانی نظم میں جذبہ مہمت اصل صمد کا ورثہ رہتا ہے۔ اور اس کے فیض سے سب انسانیت کا
بغ ہوتا رہتا ہے ان کا خیال ہے کہ جس طرح ہم نے باہر کی زندگی میں مردوں و فوقیت
حاصل ہے اس طرح ہم کی اندرون کے کاموں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے اس
کے لئے اس کے فرائض کی وضاحت ہے اور یہ بھی ہوتی ہے کہ ماں کا پہلا اندر عورت
کی ہوتی ہے، اس جتنی مہذب تہذیب اور باندھنیں ہوں بچے پر جتنی سے ان یہ اثرات
مرتب ہوں گے اور یہ بھی ایک اور قابل فخر عمل تربیت پائے گی

اور فیضانِ نظر تھا یہ کہ عتاب کی کرامت تھی
نکھڑے جس نے امانتیں و آدابِ فرزندگی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و مقام اس سے ماں ہونے کی وجہ سے ہے جو قوم میں
مہمت (حق داری) کے آداب نہیں بجا آئیں تو ان کی مٹا پا بیدار اور با اس ہوتا ہے اور
خاندانی نظم میں جذبہ مہمت نہ ہونے سے امن و سکون اور بحیرہ ہوتا ہے، افراتفری و فساد
کا بار می آتی و اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ بچوں کے لئے تیسرے ہوتے ہیں اور با آخر اقدار کا یہ اور
انسانی خوبیوں سے قزاقی ہیں ان کے انسانی میں مغرب کا خدائی بخ ان اس کے رونما ہو ہے
کہ وہاں ماں کا انتہائی احترام نہیں پایا جاتا ہے۔

وہ آزادی نسوان کی تحریک کے لئے کافی نہیں کہ اس کا نتیجہ اور اسے انداز میں عورت
نہ لگائی نہ اس نے اعلیٰ مشکلات سے اس کی نہیں بڑا اور پیچیدہ ہو جاتی ہیں۔

اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جذبہ مہمت ختم ہو جائے گا۔ ماں کی ماتحت
کی رویت ضرور پر جائے گی۔ اس سے وہ بچتے ہیں کہ جس صدم سے عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی
تو وہ کمزور نہیں بڑا ہوتا ہے، اور فانی تہذیب قوموں کو ان موت کی دعوت دے رہی ہے۔

تہذیب فوٹنی ہے اُمر مرگ اموت
 ہے حضرت انسان سے اس کا شمار موت
 جس عمر میں تاثیر سے زن ہوئی ہے نازن
 تے ہیں ہی عمر و اربابِ نظر موات
 یہاں رہنے ہیں سے لڑ مدرسہ مرگ
 نے عشق و محبت کے سے سم و منہ موت
 عمر او بار امومت پر تفاوت
 برسرِ شانس کیے اخت تفاوت
 ایں گل ز بستان ہمارے بہ
 غش از دامنِ موت شستہ بہ

قبل کے خیال میں آزادی نسواں ہو یا آزادی مرد جاں یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے بلکہ
 مرد و زن کا رابطہ یا جہی ایثار اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے زندگی کا بوجھ ان
 دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے ایک دوسرے سے عدم تعاون سے سببِ زندگی
 کا کام اٹھو اور اس کی رونق پھیلی ہو جائے اور باآخر یہ دونوں انسان کا نقصان ہو گا۔

مرد و زن و رستہ پیمائے اند
 کائنات شوق را صورت گرانہ
 زن گنہ دارندہ ناز حیات
 فطرت او وں ارادہ حیات
 آتش مار بجن خود زندہ
 جوہر و خاک را ہم زندہ
 در ضمیرش ممکنات زندگی
 از تب و تابش ثبات زندگی
 ارج ہا از رہمندی ہا و
 ہامہ از تقبوندگی ہا و

قبول فرماتے ہیں کہ عورت اور مرد و باپ کی بڑی خدمت انجام دے کے سب سے پہلی
سہ فائز کی حالت میں قابل قدر ہے جس کے طفیل مشہور عالم پروان چڑھتے ہیں اور دنیا کا کوئی
نسان یہ جو اس کا ممنون انسان نہیں

و جو دن سے بے تصویر ہاتھ میں بند
ان کے بارے میں زندگی کا انداز
شرف میں ہر جگہ شریف و شریف اس کی
کہ ہر شرف ہے کی دن کا ہر منوں
مقامات فدا میں نہ کبھی علی لیکن
اس کے شرف سے گوارا شرف انظاروں

آزادی نسوان کی تحریک سے مرد و زن کا رشتہ جس طرح ٹوٹا اور اس کے جوہر کے نشان
کاٹنے آگے اقبال کی فکر میں اس کی ذمہ داری مغربی تہذیب ہے۔ مرد و زن کے مابین
یہ

بہار ہر صمیم نے اس کو سمجھیا
مگر یہ مسئلہ زن و مرد کا وہیں
تصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
نہاں اس کی شرافت پر ہیں مرد و باپ
نسوان کا ہے فنی معاشرت میں ظہور
کہ مرد و عورت ہے بے چارہ دن تناس نہیں
کوئی پوچھے حکیم چوپا سے
ہندو، یونان میں بس سے حلقہ بکوش
یہ بھی ہے معاشرت کا نام
مرد و عورت و زن تہی گلوں

اقبال پر اس کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت سے بڑی رکاوٹ نہیں، وہ
پردے میں رہ کر تمام چیز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی

نے۔ یہ نیکہ رشتہ نہایت چلی پروانی ہو رہا ہے۔ مہر پرستی کی بات ہو سب تقدیر میں
نے نیک نیک کی صفات کی پرچہ میں۔ یہ نیک نیک کی صفات میں۔
مہر پرستی کی خوب بات

باجی بی یہ جب کہ مہلت سے جموں شہر
اس پر پروہ یہ کہ صورت آئی تب نہایہ وہ
اقبال صورت و خطاب کرتے ہیں کہ

1. 2. 3. 4. 5. 6. 7. 8. 9. 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840.

وہ پردے کے مخالفوں نے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ ہم کا حجاب ہے لیکن اس سے عورت کی بندہ صفات اور پتہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے ہاں چا سکتا ہے۔ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرہ پر پردہ ہو یا نہ ہو بلکہ یہ ہے کہ شخصیت اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں، ورنہ انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو۔

بہت رنگ بدے سپر بریں نے
خدا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تعمات خدا لکھ زن و شو میں، میں نے
و خوت نہیں ہے یہ جوت نہیں ہے
بھئی تک ہے ہرے میں اولاد آدم
کسی و خوی آشکارا نہیں سے

پراہ کی حمایت و تائید میں قبیل نے ”خصوت“ کے عنوان سے ایک نظم بھی ہے جس کا مطالبہ یہ ہے کہ پراہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات - امانات و کثمت کا موقع ملتا ہے اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہنے پر اپنے گھر اور خاندان کی قیام کا سامان میسر آتا ہے۔ گھر کے پرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے:

رسوا کیا اس دور و جلوت کی ہوس نے
 روشن ہے نکاح آمینہ اس ہے مگر
 بڑھ جاتا ہے سب زوقِ نضر پنی حدوں سے
 بوجہ تہات افکار ہر کدہ و دہ
 عورتوں سدس کے سببوں میں نہیں
 وہ قہر نہیں بھی بنتا نہیں کوہ
 خلوت میں ہوئی ہوئی ہے نو، پیر، بین
 خلوت نہیں اب ایرہ حرم میں بھی میرہ

یہ بڑ معاشرتی سواں یہ رہا ہے کہ مرد و زن کے تعلق میں باادنی سے حاصل ہو اس
 کے کہ یہ کامی بھی تعلق ہو اس میں ملی بیف فریق شریک غائب و اثیت نہ رہتا ہے و
 یہ اس کا ذاتی حقیقت پر مبنی ہے کہ شہ اور مہمان ایک اور کے کا تعلق ہے اور یہ
 یہ اور کے قہر میں رہتا ہے۔ خصوصاً مرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں عورت و مرد
 پر نفسیت اور ویت حاصل ہے اور یہ جی کی سلی اور صنفی تغریق کی بنا پر نہیں۔ بلکہ عورت کے
 حیاتیاتی، نفسیاتی فرق و رطوبت کے ذریعے سے تھیں کے حقوق و مصداق و رعایت کے
 پیش نظر ہے۔ نمرانی اور قومیت ایسی چیزیں نہیں جو مرد و عورت دونوں کے لیے ہی جاتی ہیں
 صرف عورت کو کے کی جاتی قبل کے مغرب سے، منہا "آزادی نسواں" کی پرواہ سے بغیر
 عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پر زور و کات کی و عورت کی حفاظت کے قانون
 سے ہا

اک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
 کیا سمجھے گا وہ جس کی زبوں میں ہے لبوس
 نے پردہ، نے تعلیم، نئی ہو پرانی،
 نسوانیت رن کا نگہیں ہے فقط مرد
 جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
 اس قوم کا خورشید بہت جلد ہو زرد

یہ نظم، حقیقت حدیث شریف "لن یفلح قوم وتو علیہم امراة" کی تفسیر ہے۔
انہوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا

جوہر، مراد عیاں ہوتا ہے جب منت عیہ
غیر کے ماتر میں سے جوہر عورت کی نہوا
راز سے اس کے یہ نظم کا یہی نکتہ تعلق
تشبہ مذمت تحقیق سے ہے اس کا جوہر
مستجابات ہیں ہی آگ سے مراد حیات
مراد ہی آگ سے ہے معرکہ وہاں نہوا
میں یہی مظہر ہے انہوں سے ہوں فتنہ بہت
نہیں ممکن مگر اس عقیدہ تعلق کی نشوونما

قبائل نے اپنے کام میں آخوند علیہ السلام کے وہ ہندار شہادت بھی ہے ہیں
ہن میں یہاں یہ ہے۔

حب الی من دساکم الطیب والساء وجعلت فرة عیسیٰ فی الصلو
فہا نکلتہا فی چیزوں میں خوشبو اور طور میں پسند برائی کہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز
میں رہتی ہے۔

قبائل نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا کہ جنت ہاؤں کے قدموں سے ہے۔ انہوں
نے اموت و رحمت کہا ہے اور اسے نبوت سے تشبیہ کی ہے۔ ہاں کی شفقت وہ پیغمبر کی شفقت
قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک مدت وہود میں
آئی ہے

| | | | |
|------|-------|--------|-----|
| آل | کے | شبستان | حرر |
| حافظ | جمعیت | خیر | ایم |
| سیرت | فرزند | ہا | از |
| جوہر | مدق | وصف | از |

[illegible]

خبر میں یہ تاویز ضروری ہے کہ قبائل فاطمیت ائمہ اہل رضی اللہ عنہم کو ملت اسلامیہ کی دلوں سے مشن خالق بن جھکتے ہیں۔ اور جہد جہاد کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں کہ وہ اس طرح چلی پیتے ہوئے بھی قرآن پر ہستی رہتی تھیں۔ اور گھر بیوی کاموں میں مشغولہ تک اٹھانے پر سرفرازی تھیں۔ کہاں کے خیال میں یہ کہ اس پختگی سے حضرات حسنین انبیاء غوث سے

مرزق تہم را حاصل بتوان
مادران را اعوان حاصل بتوان
آب و آب پرورده عب و رضا
آسیں گہراں و آب قرآن سرا

فطرت تو جذبہ ہا وارد بلند
چشم ہش از اسوقہ زہرا بلند
تا حسینے شام تو بار آورد
موسم پیشیں بہ گلزار آورد
وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ:

اُر پندے ز درویشے پزیری
ہزار امت میرد تو نہ میری
بتولؑ باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے گیری

ایک مثالی شخصیت شیخ حسن البناء شہیدؒ

نحمدہ و صلی علی رسولہ الکریم اما بعد ○ فاعوذ باللہ من
الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

اسلام ابدی اور خدا پسندیدہ دین، اور امت مسلمہ اس کا شاداب اور سدا بہار درخت ہے، یہ خدائی ترکش ہے کہ نہ اس کے تیر ختم ہوتے ہیں اور نہ نشانہ خطا ہوتا ہے سب سے بڑا ثبوت اس امت میں ایسے مصاحبین و مجاہدین، خدا داد صلاحیتوں سے مالا مال، مؤیدین اللہ، نادر کا روزگار، اور اسلام کی لئے باعث صداقت و شخصیتیں ہیں، جو ناسازگار حقائق، مخالف ماحول اور نیم درجائی تیرہ و تار یک فضا میں ایک ایسی قوم میں پیدا ہونی ہیں جو فکری زوال و انحصار، روحانی افلاس، ارادہ کی کمزوری، عزم و ہمت کی پستی، اخلاقی فساد، راحت بھی و عافیت پسندی، ہر قوت و طاقت کے سامنے سپر اندازی، اور اصلاح حال سے مایوسی کا شکار ہوتی ہے۔ اس وقت یہ پوری نسل ایک ہی سانچہ میں ڈھلی ہوتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے ایک پریس سے شائع ہونے والی کتاب کا کوئی ایڈیشن ہو کہ جس کے ایک نسخہ کو پڑھ کر باقی سارے نسخوں کے بارے میں رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اس ماحول و معاشرہ میں نہ کوئی ندرت و جدت ہوتی ہے۔ نہ حوصلہ مندی و عالی ہمتی کا جذبہ اس ماحول میں عام و رائج چیزوں کے علاوہ کوئی نئی بات نہیں پائی جاتی اور نہ عام معیار سے اونچی کوئی چیز نظر آتی ہے۔ پوری زندگی ایک ٹرین کے مانند ہے جس کو ایک ہی انجن کھینچ رہا ہے اور وہ شکم پروری، مادہ پرستی، خود غرضی و مصلحت پرستی، لطف اندوزی و نفع خوری کا انجن ہے، یا مادی قوت اور ہوس اقتدار کا انجن ہے، پوری زندگی ایک ہی کھیل یا ایک ہی ڈرامہ نظر آتی ہے، جو بڑی مہارت و فنکاری کے ساتھ اسٹیج کیا گیا ہو اور اس نیت یا تارتت اسلام کے اسٹیج پر اس کو بار بار دکھایا جا رہا ہو، اور اس کا ہر بیرونی پنا پارٹ پوری چابک آتی و سیدہ مندی کے ساتھ ادا کر رہا ہو اور آخر میں یہ ڈرامہ تماشائیوں کی تائید یا مستقلین و مجروحین کی آہ و بکا پر ختم ہو جائے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں یورپ عالم عربی خصوصاً مصر میں یہی ڈرامہ ادا کرتا ہوا تھا۔ قندرواں دواں تھا زندگی کی ٹرین اپنے محبہ و مقصدی سارے تھیں، مومنوں کی طرف چل رہی تھی، ایک ہی طرح کی آوازیں آ رہی تھیں ایک ہی راگ ادا کیا جا رہا تھا کہ پردہ کی آڑ سے اچانک ایک شخص نمودار ہوتا ہے، یا یوں کہنے کہ پرانے طبقے کی تہہ اور تاریخ کی سلوٹوں سے ایک مرد آجین باہر آ جاتا ہے، اور اس مطمئن اور غافل قافلہ کو چونکا دیتا ہے جو چند حقیر مقاصد کی حصول یابی کے سوا کچھ نہیں جانتا، جس کو اپنی دنیوی ضروریات اور جسمانی راحت و آرام کے سوا کسی اور چیز کی فکر نہیں ہوتی۔

پردہ کے پیچھے سے آنے والا یہ شخص قندرواں کو ہاتھ دیتا ہے، ٹرین کے سامنے خطہ کی جھنڈی ہلاتا ہے۔ اصلاح حال اور انسانیت کے عام رجحان اور اس کے انجام، امت مسلمہ کے مقام اور اس کی اس ذمہ داری کے بارے میں از سر نو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ اس امت کو اس کا پیغام یاد دلاتا ہے، وہ بگڑے ہوئے حالات، اخلاقی پستی، گمراہ کن عقائد، جاہلی رسوم و عادات، شکم پروری و ہوس پرستی، اور قوت و طاقت کے سامنے سراسر افگندگی کے خلاف آواز بلند کرتا ہے، وہ ایک صاف ستھری زندگی، ایک نیک چین اور انصاف پسند معاشرہ اور نئے و پختہ ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ وہ ایسے اسلام کی دعوت دیتا ہے جس کی جڑیں مضبوط اور زندگی کے تمام شعبوں میں پیوست ہوں۔ یہ شیر دل شخص بڑی بندی سے عقابانی روح کے ساتھ ایسی بند و بونجی ہوئی آواز اگاتا ہے کہ قندرواں میں صہیلی مچ جاتی ہے، اس سے جذبات و احساسات میں ایسا کیف و سرور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کو نظر انداز کر کے اور اس کو ناقابل التفات سمجھ کر اپنی رفتار کا جاری رکھن ممکن نہیں ہوتا، کچھ لوگ گوش بر آواز ہوتے ہیں، کچھ تھمتے ہیں پھر آواز کانے والے کی طرف بڑھنے لگتے ہیں تھوڑا ہی وقت گزرتا ہے کہ قندرواں کی بڑی تعداد اس کی دردِ جمع ہو جاتی ہے۔ یہ داخلی اس مجموعہ سے ایک نیا قندرواں تیار ہوتا ہے اور پھر یہ قندرواں اس کی دلی باتوں پر ہر مست و ہر شار ہو کر، خدا پر بھروسہ و اعتماد کے بن خدا سفر شروع کرتا ہے۔ ایسے ماحول و معاشرہ کے خلاف آواز بلند کرتے والے ان داعیوں کی زندگی ایسی درخشاں و تابناک ہے کہ اس سے دعوت و اصلاح کی تاریخ میں چارچاندیگ جاتے ہیں، یہ داعیان اسلام کا وہ قندرواں ہے جس سے تاریخ اسلام کا کوئی عہد کبھی خالی نہیں رہا۔

یہ عظیم شخصیت ان شخصیتوں میں سے ہے جنہیں دست قدرت بناتا و سنوارتا ہے، اور خدائی تربیت اسے پروان چڑھاتی ہے۔ پھر صحیح وقت اور صحیح جگہ پر اس کو کھڑا کرتی ہے۔ فخر صالح اور قلب سلیم رکھنے والا جو شخص بھی تعصب سے بند ہو سرائیکی تصانیف کو پڑھنے کا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ شخص خداداد صلاحیتوں سے مالا مال ہے، وہ کسی خاص، حوالہ یا درس کا وہ تارن اور زمانہ، یہ محنت و کد و کاوش، یہ مشق و تجربہ بن پیدا نہیں۔ بلکہ وہ توفیق خداوندی، رحمت ربانی، اور اس دین کے ساتھ اس کی عنایت کی پیداوار ہے، وہ ایسا ہونہار پودا ہے جس کی نمبہاشت کی بڑے کام اور بڑی امید کے کی جاتی ہے جہاں اس کی بڑی قیمت ہوتی ہے۔

جو شخص بیسویں صدی کے اوائل میں مشرق وسطیٰ اور خاص طور سے مصر کے حالات سے واقف ہو، اور عام اسلام کا یہ نام اور مرمری حصہ عقیدہ و جذبات، خلاق و معنویت، عز و ارادہ اور رسم و قلب کی جس کمزوری کا شکار تھا اس پر اس کی نظر ہو، ممیك (مصر کا حاکم خاندان علما مان) ترکوں اور فدیو خاندان کے دور حکومت نے جو اثرات اس پر چھوڑے تھے پھر اس میں برطانوی سامراجیوں نے جو اضافہ کیا تھا، اور مغربی تمدن اور موجودہ غیہ و پنی تعلیم، اور مفاد پرست ذہنیت رکھنے والی سیاست پر مبنی بند کی نے جو ذہن تیار کیا تھا وہ بھی اس کی نگاہ کے سامنے ہو۔

اس عہد کے علماء کی کمزوری اور قوت و ہدایت کے سامنے ان کی سراقندگی پر بھی نظر ہو جس نے اس میں مزید نزاع پیدا کر دی تھی، ان علماء میں سے اکثر اہمیت و رہنمائی کا منصب چھوڑ چکے تھے و دعوت و ارشاد اور جہاد مقابلہ کے میدان کو خیر باد کہہ کے حارت کی رو میں بہہ رہے تھے۔ امر با معروف اور نہی عن المنکر کی آواز پست ہو چکی تھی، بے حیائی و بے راہ روی و الحاد و ہریت کے دائمی سررمٹھل تھے، مقبول و شیخ ان شاعت اخبارات و رسائل نے فساد اور بگاڑ پیدا کرنے والی دعوتوں اور تخریب پسند تحریکوں کے لئے اپنا دامن وسیع کر رہا تھا۔ یہ اخبارات و رسائل دین اور انی قدروں، اخلاق اور اس کے اصولوں کا مذاق اڑ رہے تھے، باا عربیہ عموماً اور مصر خصوصاً سطحیت پسند، ضعف و انحطاط، جذباتیت و اخلاقی انارکی اور روحانی زوال کی آخری منزل کو پہنچ چکا تھا۔

ان ملکوں کے یہ شب و روز جس شخص کے علم میں ہوں پھر وہ ان کی تصویر مصر سے نکلنے

والے ”الاہرام“، ”المقطم“، ”الکھلال“ اور ”المصور“ کے آئینے میں دیکھے، پھر ان کتابوں میں اس کا مشاہدہ کرے جو مصری ادباء و صحافی پیش کر رہے تھے۔ وہ ادباء و صحافی جن پر مصری نوجوان فریفتہ اور جن کا ان کے دل و دماغ پر جادو تھا۔ پھر وہ شخص اس پوری صورت حال کا صحیح خدو و خال اور پورا عکس مصر کی پرسترت تقریبوں اور جشن کی محفلوں اور مجلسوں میں دیکھے، نوجوانوں، اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے ذوق و رجحان کا ان کی محفلوں اور جلسوں میں مشاہدہ کرے، وہ اسلند یہ اور اس کے ساحل کے حیا سوز مناظر دیکھے، اس نے اس کاوٹوں کے ساتھ بچھ وقت گزارا ہو۔ کھیل و ورزش کے میدانوں میں رہا ہو، سنیم گھروں میں مقامی و بیرونی فلموں کو دیکھا ہو۔ ان مخرب اخلاق افسانوں کو پڑھا ہو جو مصری پریس سے سیلاب کی طرح ابل رہے تھے، اور نوجوان ان پروانوں کی طرح گرتے تھے اس نے زندگی کے میدان میں لوگوں سے گھل مل کر وقت گزارا ہو وہاں پیش آنے والی چیزوں کو دیکھا ہو، زندگی سے الگ تھلگ رہ کر خیالی دنیا میں وقت گزارنے والا نہ ہو تو اس پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ مسلمان ان پر آشوب گھڑیوں میں ایسی زبانوں کی کاشکار تھے اور عالم اسلام کی اس اہم خطہ میں جس کو عام عربی کا قیام اور رہنما ہونا چاہئے تھا۔ جو صدیوں سے اسلام کے سنے سینہ سپر اور علوم اسلامیہ کا مرکز رہا۔ جس نے ہمیشہ عام عربی کی مدد کی تھی اور اس کو سہارا دیا تھا، اور اسلامی تاریخ کی نازک و مشکل ترین گھڑیوں میں اس کو بچایا تھا، جس میں سب سے بڑا پرانا اسلامی وثاقفتی مرکز ”جامع ازہر“ اب بھی موجود ہے دعوت اسلامی اس زبانوں کی کاشکار تھی۔

اس پر آشوب دور و کتابوں کے ذریعہ نہیں بلکہ قریب رہ کر دیکھا ہو وہی اس شخصیت کی عظمت و انفرادیت کو سمجھ سکتا ہے، جو ایک پردہ کے پیچھے سے باہر آگئی، اور پہلے مصر پھر پورے عام عربی کو اپنی دعوت و تربیت، جہاں اور طاقت و شخصیت کے ذریعہ اپنی صرف متوجہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس رجل رشید اور فرزند فرید میں ایسی قوتیں و صلاحیتیں جمع فرمادی تھیں جو انسانی نفسیات اور علم الاخلاق کے ماہرین اور متعدد نقاد و مؤرخین کے نزدیک متضاد تھیں۔ بے مثال و تابان عقل اعلیٰ درجہ کی فہم و ذکاوت، اہل ہوا جوش و دھولہ، ایمان و یقین سے سیریز دل، قوی روحانیت، فصیح و بلیغ زبان، انفرادی زندگی میں غلو و نقشت سے پاک زہد و قناعت، حوصلہ مندی و مہمتی جوش و شوق فراوان سے بھرپور دل، بلند پرواز عقلمانی روح رکھنے والا ہمت، بحر آفریں

دور بین نگاہ، اپنی دعوت کی روح و مزاج کی حفاظت کا انہما م ذاتی معاملات میں حدود و جہت وضع، خاکساری اور اقبال کے اس شعر کا صحیح مصداق۔ ع

نگہ بلند خن دل نواز جاں پر سوز

یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

بڑا خوش بیان بہت محبوب اور ہر دل عزیز مجھ سے بہت سے لوگوں نے بیان کیا کہ وہ روشنی کے جگہ پر تو کی طرح تھے جس میں زنا گواری و تیزی ہوتی ہے نہ سایہ و اتار کی۔ ان کی صفات و خداداد صلاحیتوں نے ایک ایسی دینی و اجتماعی قیادت کی تشکیل میں ان کی مدد کی جس سے زیادہ مؤثر و عمیق، اور نتیجہ خیز دینی و سیاسی قیادت مدت دراز سے عالم عربی میں وجود میں نہیں آئی تھی ان صفات نے ایک ایسی دینی اسلامی تحریک پیدا کر دی جس سے زیادہ ہمہ گیر و فعال تحریک خصوصاً عرب ممالک میں عرصہ سے دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ یوں تو قدرتی صداقتوں سے مالا مال یہ داعی جامع کمالات تھا، مگر دو صفتیں اس میں ایسی تھیں جو بہت کم داعیوں مصلحین اور قائدین میں پائی جاتی ہے۔ (۱)

پہلی صفت اپنی دعوت و تحریک سے غیر معمولی شغف اور اس پر کامل اطمینان و انشراح اور اس کے لئے پوری فنائیت اور اپنی ساری صلاحیتوں و توانائیوں و وسائل و طاقتوں کے ساتھ اس میں ہمہ تن مشغول رہنا۔ ان داعیوں اور قائدین کے لئے جن سے اللہ تعالیٰ کوئی بڑا کام لیتا ہے اور عمومی فائدہ پہنچاتا ہے یہ اہم اور بنیادی شرط ہے۔

ان کی دوسری اہم خصوصیت و صفت تربیت و مردم شماری کے کام میں ان کی حیرت انگیز کامیابی ہے، انہوں نے ایک نئی نسل تیار کی، وہ ایک پوری قوم کے مربی تھے۔ وہ ایک علمی، فکری اور اخلاقی مکتب فکر کے بانی تھے۔ پڑھے لکھے لوگوں اور اہل منصب میں جو بھی ان کے ساتھ کچھ دن رہا ان کے فکر و رجحان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اپنے ہم نشینوں پر ان کا اثر ایسا گہرا تھا کہ عرصہ گزر جانے اور طرح طرح کے انقلابات و تغیرات پیش آنے کے باوجود بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی یہ اثر ایسا شعار و علامت بن گیا ہے کہ زمان و مکان کی تبدیلی کے باوجود

(۱) ان مقامات و جوں میں ایک مورثا محمد امین رحمۃ اللہ علیہ (بانی جماعت تبلیغ) دوسرے ان کے لائق و ہونہار فرزند اور خف رشید مولانا محمد یوسف صاحب تھے، یہ دونوں حضرات ان دونوں چیزوں میں آخری مثال تھے۔

وہ اسی سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ مصریہ بیرون مصر مجھے ان سے ملاقات کی سعادت نہ حاصل ہو سکی۔ پہلا سال جس میں اللہ تعالیٰ نے میرے سے حج و زیارت مقدر فرمائی تھی اور میں پہلی بار ہندوستان سے باہر نکلا تھا، وہ ۱۹۴۷ء تھا، اس میں شیخ حسن البنا، جہاز مقدس شریف نہ لائے تھے۔ بلکہ وہ اس سال مصر سے باہر نہیں نکلے تھے، حالانکہ وہ ایسا ہوتا کہ وہ اپنی دعوت و تحریک کے لئے رفقاء کے ساتھ حج کے موقع پر جہاز نہ آتے ہوں اور اپنی دعوت و پھیلانے اور حج کے سے باہر سے آئے ہوئے وجود سے ملنے کی خاص کوشش نہ کرتے ہوں۔

جہاز میں مجھے ان کے بعض شاگردوں اور کارکنوں سے ملنے کا موقع ملا اور میں نے ان کے اندر ایک زبردست قدمداری کی۔ اثرات نمایاں طور پر محسوس کئے، جب ۱۹۵۱ء میں مجھے مصر جانے کا موقع ملا تو چار مشہدات نوش رچکے تھے۔ ان کی عمر بھی صرف بیسیس سال تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی شہادت نے لاکھوں مسلمانوں کو سوگوار و دین رفته بنادیا۔ اور عالم اسلام اس تاریخ مبارک شخصیت سے محروم ہو گیا، ان سے ملاقات نہ ہونے کا غم ہمیشہ رہے گا۔ تاہم مصر میں مجھے اتنے کے شاگردوں سے ملنے کا چھٹی طرح موقع ملا اور ان کے درمیان میں ایک فرد خاندان کی طرح رہا، مصر کے زمانہ قیوم میں میں نے ان کے والد بزرگوار شیخ عبدالرحمان البنا سے ملاقات کی اور ان سے شیخ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کثرت معلومات حاصل کیں، اور پھر اپنی کتاب ”شرق اوسط“ کی نگارش میں اس ملاقات کا حوالہ دیا۔ قیمتی معلومات سمجھیں۔ میں ان کے رفقاء اور ارکان جماعت سے بھی ملا اور ان ملاقاتوں اور معلومات سے اس دعوت کے قیام اور اس مکتب فکر کے بانی کی پوری تصویر میرے سامنے آ گئی اور مجھے یقین ہے کہ سچی اور مطابق حال تصویر ہے۔

مصر کے اسی سفر میں ان کی کتاب ”مذکرات الدعوة وابد عینہ“ میرے ہاتھ لگی ان کی شخصیت و دعوت کو سمجھنے کے لئے میں نے اس کتاب کو ان کی ایک بنیادی کتاب اور ان کی شخصیت کی سب سے بڑی کلید پایا، اس کتاب کو پڑھنے والے ہر شخص کو ان کی عظمت و طاقت کے سرچشمہ ان کی کامیابی اور دلوں پر ان کے اثر و نفوذ کے اسباب کا پتہ بد آسانی لگ جائے گا۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ان کی طاقت و قوت کا اصل سرچشمہ فطرت سلیم، دل کی

پاکیزگی، روح کی بالیدگی، دینی غیرت و حمیت، اسد م کے لئے اضطراب و بے چینی، اس زمانے کے فاسد ماحول پر ان کی بے چینی اور تشویش، اخلاص و للہیت عبادت کا، وق و شوق، مر دل کے ٹارچ کو ذکر و دعا، توبہ و استغفار اور آہ سحر گاہی کے سلسلے سے جھرتا تھا ان ساری خصوصیات و صفات کے ساتھ قوم کے افراد اور عوام الناس سے ان کی محفوں اور مشغولیت کی جگہوں میں منا، غفلت کے اڈوں پر ان سے ملاقات کرنا، اور حکمت و تدبیر کے ساتھ دھیرے دھیرے ان کی تربیت کرنا ہمہ وقت متحرک اور کام میں مشغول رہنا ان کا شکار تھا۔ اور یہی ساری صفات اسلامی و ربانی دعوت اور ایسی دینی تحریک کی جان بونی ہیں جو معاشہ و بین تعمیر و اصلاحی انقلاب لانا چاہتی ہے اور وقت کے دھارے اور تارن سے رخ و مورن چاہتی ہے۔ اس لحاظ سے دعوت و اصلاح کے میدان میں کام کرنے والے ہر شخص و اس کتاب کا مطالعہ کرنا اور اس پر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے غور و فکر کرتے رہنا نہایت مفید ہے۔

اس کتاب کی دوبارہ طباعت اور وگوں میں اس کو پھیلائے اور عام کرنے پر تعجب نہیں، قابل تعجب یہ بات ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کتاب خانہ اس کتاب سے خن ہو، اس اہم دعوت کے اثرات کو ختم کرنے کی کوشش کرنا جس نے عالم عربی کی نئی نسل میں اسلام کی صدا بہار صلاحیت اور اس کے دائمی ہونے کا اعتماد کیا، جس نے جدید سل کے دلوں میں ایمان کی نئی پننگاری روشن کی، ان کے احساس امتی و شمت خوردگی کا مقابلہ کیا، جس سے بڑھ کر کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا، اس دعوت نے نوجوانوں کی بے راہ روی، ان کی اندرونی کمزوری اور ہوا ہوس کے پیچھے دوڑے کی ذہنت کا مقابلہ کیا اور اس کے تن نازک میں جان و دل دی اور اقبال کے الفاظ میں۔

”کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا کر دیا۔“

ان کی اس دعوت سے یہ جدید نسل تازہ دم ہو گئی، اس کی رتوں میں تازہ خون دوڑنے لگا اور اس نے شجاعت و جوانمردی اور صبر و ثابت قدمی کا حیرت انگیز مظاہر کیا۔ اس تحریک کے اثرات کو ختم کرنے اور اس کے نقوش کو مٹانے کی کوشش، اور اس کے چلانے والوں کو قید و بند اور جلد و طن کی سزائیں اور روٹے کھڑا کر دینے والی اذیتیں، وہ بدترین جرم ہے، جس کو تاریخ اسد م کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ یہ ایسا المیہ ہے جس کو عالم اسلام کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ یہ عالم عربی

کے ساتھ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور ظلم نہیں ہو سکتا۔ اس جرم کا کفار و منک کے کسی بڑی سے بڑی تعمیری و سیاسی خدمت سے نہیں ادا لیا جاسکتا۔ یہ اتنا وحشت ناک جرم ہے کہ جس کی مثال صرف تاتاریوں کی وحشت و بربریت یا قدیم مسیحی دنیا کے دور تعصب میں ملتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقت کی سب سے نایاب جنس مردان کار اور مخلص عاملین

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کے حادثہ وفات پر یہ پرسانہ
ویراز معصومات تقریر فرمائی تھی جس میں مولانا سید محمد مرتضیٰ کے ساتھ مولانا کی محبت و شفقت احترام و
تعلق و مرحوم کے اخلاص و لگن کے ساتھ تواضع و خاکساری کا پاس پکن برکات و حسن فی ایک قبل
تقدیرش سامنے آتی ہے

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد ۝

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم ۝ بسم الله الرحمن الرحيم ۝

میرے رفقاء کار اور عزیزو!

آپ کو معلوم ہے کہ کئی تنظیموں سے وابستگی اور اداروں سے تعلق کی بنیاد پر مجھے مختلف
موضوعات پر تقریریں کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن میں آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں
کہ سب سے مشکل موضوع تعزیت کا موضوع ہے اس کا تعلق انسان کے تعلقات سے ہے،
قلب سے ہے، دماغ ہی سے نہیں قلب سے بھی ہے اور خاص طور پر تعزیت بھی ایک ایسی
شخصیت کی جس سے عزیزانہ، روحانی اور خاندانی تعلق ہو، اور تعلق بھی ایک دو برس، دس برس
برس کا نہیں بلکہ دوڑھائی سو برس کا ہو۔ آپ میں سے بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولانا مرتضیٰ
صاحب (اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے) ان کا تعلق مولانا سید جعفر علی
صاحب نقوی بستومی کے خاندان سے تھا وہ ان کے احفاد میں تھے۔

مولانا سید جعفر علی صاحب حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاص رفقاء، دعوت اور

فتمانے جہاں میں سے تھے وہ سید صاحبؑ میں گئے جہاں حضرت سید صاحبؑ کا قیام تھا تو سید صاحبؑ نے باہر نکل کر انہیں استقبال کیا اور بڑی ہوشیاری سے اُسے روکھا جاتے سے پہلے بھی یوں میں ایک مقابلہ کرتا تھا کہ کون پہلے پھر معاملہ وادین پر پھوڑا دیا۔ مولانا سید عسکری صاحبؑ کا انتخاب ہوا۔ اس نے اپنے اور بہادر کے لئے روانہ ہوئے۔ سید صاحبؑ قیام سے قریب پہنچتے تو سید صاحبؑ نے یہ نکل کر ان کا استقبال فرمایا اور بہت خوشی کا ظہار فرمایا۔ اور پھر ہماری یہاں ہمارے خاندان کی رے بریلی کی خیمیت پہنچی اور فرمایا آپ خوش تھے یا معلوم کیا۔ یہ معلوم ہوا پھر وہاں سید صاحبؑ رمتہ اللہ علیہ کے معتمد خاص رہے اور حالت میں آتے تھے کہ ایک شعبہ کا باغ و نظارت کا شعبہ حضرت سید صاحبؑ نے مولانا سید عسکری صاحبؑ سے پر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کو مولانا سید عسکری صاحبؑ سے کام لینا تھا اس سے شہداء میں ان کا نام نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شہادت کے بجائے معذات مقدور فرمائی تھیں اور دعوت کا کام مقدور فرمایا تھا چنانچہ وہ ہندوستان واپس ہوئے اور انہوں نے ایسے وسیع پیمانہ پر اور شیعہ اور متبر انداز سے دعوت کا کام کیا کہ جس سے زندگیوں میں تبدیلی آگئی اور بستی سے لے کر نیپال کی سرحد تک ورنیپال کی سرحد سے بھی آئے مدارس قائم کئے اور عقائد کی اصلاح ہوئی، رسوم کی اصلاح ہوئی اور اخلاق کی اصلاح ہوئی۔ اور بالکل ایک انقلاب آ گیا جس کو ابھی تک ضلع بستی اور اس کے آس پاس کی بستیوں کے لوگ یاد کرتے ہیں۔ بہار کی سرحد پر ایک مدرسہ ہے جو ان کا قائم کیا ہوا ہے اور اس کا ندوہ کے ساتھ اتفاق ہے۔ پھر انہوں نے حضرت کی شہادت سے بعد ونگ کا سفر بھی کیا۔ جہاں حضرت سید صاحبؑ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص متعلقین تھے۔ اور اہل خاندان کا بڑا حصہ وہاں موجود تھا۔ اور کتاب لکھی ”در منظورة السعداء فی احوال العذاق والشہداء“ جو ہمارے کتب خانہ کی زینت ہے اور سید صاحبؑ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے معتمد ترین مآخذ میں سے ہے۔

سید صاحبؑ کے حالات میں وہ کتابیں ہیں جو سب سے سے زیادہ معتبر ہیں اور دینا معاصرین اور رفقاء کی ہیں، ایک منظورة السعداء فی احوال الغزاة والشہداء مولانا سید عسکری صاحبؑ کی اور دوسری وقائع احمدی شیخ محمد علی کی جو نواب وزیر الدوس نے لکھوائی تھی

جو والی سلطنت تھے۔ نواب صاحب نے سید صاحب کے جو رفقاء، میدان جہاد سے زندہ سلامت واپس آئے انہوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ لوگ روزانہ بیچہ حضرت کے حالات اور ان کے بارے میں معلومات بیان کریں۔ املاء کر لیا کریں ایک جماعت لکھنے والوں کی مقرر کی جو اس کو لکھے۔ وقائع احمدی کچھ تو ہمارے تعلق کی وجہ سے اور پھر مولانا مرتضیٰ صاحب کی دلچسپی اور ان کی وابستگی کی وجہ سے وہ بھی کتب خانہ میں آگئی جو ہمارے خاندان میں محفوظ تھی اور بالکل گھر کی چیز سمجھی جاتی تھی یہ تعلق اتنا مستحکم ہے کہ جن لوگوں کو اس کا تجربہ نہیں ہوا وہ اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ سید صاحب سے بیعت، دعوت اور مقصد کا تعلق ہو، اس کا اندازہ کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جس نے تجربہ نہیں کیا۔ ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن لوگوں کو سید صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا موقع مل گیا۔ اور ان کے دامن سے وابستہ ہونے کا، ان کی حالت یہ تھی کہ وہ شمع کے پروانے بن گئے۔ اور وہ اخیر وقت تک بالکل دم آخر تک بلکہ آخری سانس تک ان کا دم بھرتے رہے اور اس پر فخر کرتے رہے اور اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے رہے۔

مولانا مرتضیٰ صاحب سے ہمارا تعلق اس وقت ہوا جب وہ مظاہر علوم میں پڑھتے تھے اور ہمارے عزیز بھانجے مولوی محمد ثانی مرحوم (جو مہتمم دارالعلوم مولانا محمد رابع کے بڑے بھائی تھے) غالباً ان کے ہم سبق تھے یا ہم زمانہ تھے بہر حال ہم نے دونوں کو ساتھ دیکھا اور دونوں میں روحانی اور خاندانی تعلق کی بناء پر اخوت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک عقیدت مندانہ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ یہاں آ گئے، اور ملتے رہے اور اس تعلق کو انہوں نے قائم رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا موقع عطا فرمایا اور اس کی توفیق دی کہ وہ یہاں آ کر اپنی زندگی اس ادارہ کے لئے وقف کر دیں۔ وہ یہاں آئے، ابتداء میں مدرس رہے پھر کتب خانہ کے لئے ان کا انتخاب ہوا، اور جیسا کہ مولوی محمد رابع نے بھی بیان کیا اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں، شہادت دیتے ہیں کہ کتب خانہ سے انہیں تعلق کتب خانہ کا نہیں گھرانہ جیسا تھا۔ ایک عزیز امانت کا تعلق تھا کہ وہ اس کو ہر طرح سے ترقی دینا چاہتے تھے اور اس میں قیمتی چیزیں اور بیش قیمت مسودات اور نایاب کتابیں جو کہ ہندوستان میں عام طور پر نہیں ملتیں، ان کو مہیا کرنے میں ان کا خاص دخل تھا۔ کتب خانہ نے ترقی ان کے دور میں کی وہ اس سے پہلے اس کو نصیب نہیں

ہوئی انہیں کے زمانہ میں یہ عمارت بنی۔

جب انہوں نے کتب خانہ کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت سے اگر آپ مقابلہ کریں کیمت کے لحاظ سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی تو آپ کو بہت بڑا فرق معلوم ہوگا۔ کہ پہلے کتب خانہ کی وسعت کیا تھی۔ اس میں کتابوں کی تعداد کیا تھی اور اب تعداد کیا ہے اور صرف تعداد ہی نہیں بلکہ وہ بنیادی کتابیں جن کا کتب خانہ میں ہونا بہت ضروری تھا اور بعض کتابیں تو ایسی ہیں کہ ہندوستان میں ان کا بس نام ہی نام تھا کسی نے دیکھا بھی نہیں تھا یا ان کے لئے ایڈیشن شائع ہوئے تھے تحقیق کے ساتھ اور تشبیہ کے ساتھ اور تعلق کے ساتھ اس کتب خانہ کے لئے مہیا کرنا اور حفاظت سے رکھنا تا کہ اساتذہ اور مدرسین پھر طلباء ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

کسی کتاب خانہ یا کسی ذخیرہ کتب کے لئے سب سے زیادہ بیش قیمت اور سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ وہاں اہم کتابیں جو مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں، وہ وہاں مہیا ہوں اس سے بڑھ کر کتب خانہ کے لئے جگہ کا ہونا اور اس کے لئے بڑی عمارت کا ہونا اور نہ روشنی کا انتظام اور نہ ہوا کا انتظام کوئی چیز اتنی اہم نہیں جتنی یہ بات اور یہ بات وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ نے علم بھی دیا ہو اور ہمدردی بھی دی ہو اور امانت کا احساس بھی دیا ہو۔ ذمہ داری کا احساس دیا ہو تو مولانا مرتضیٰ صاحب نے کتب خانہ کو گویا مالا مال کر دیا اور چونکہ مجھے ذمہ دارانہ حیثیت سے بھی ایک تعلق تھا اس لئے معلومات ہوتی رہتی تھی کہ اب انہوں نے فلاں جگہ سے کتابیں منگوائی ہیں، اب انہوں نے حجاز سے اپنے فرزند کے ذریعہ سے یا ندوہ کے فضلاء کے ذریعہ سے انہوں نے کتابیں مہیا کیں۔

پھر اس کے بعد ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے تواضع، سادگی اور جو خاندانی خصوصیات ہوتی ہیں مالی نسبی کی جو خصوصیات ہیں موروثی، وہ سب ان کے اندر پیدا کر دی تھیں۔ دین کی خدمت کا ایک شوق اور صحیح مقصد کے لئے محنت اور جفاکشی۔

ابھی گجرات میں مسلم پرنٹنگ لا بورڈ کا جلسہ ہوا۔ بورڈ کا بارہواں اجلاس، وہ بورڈ کی پوری تاریخ میں سب سے زیادہ کامیاب اور پرازد و حام اجلاس تھا، اس میں بہت بڑا حصہ اور دخل مولانا مرتضیٰ صاحب کی کوشش کا تھا دو تین مرتبہ انہوں نے گجرات کا سفر کیا اور گجرات کے لوگ

اس بات کی شہادت دیتے ہیں میں نے خود اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگ ان کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس جلسہ کی کامیابی میں مولانا مرتضیٰ صاحب کا بڑا دخل ہے۔ وہ خود بار بار گئے اور یہاں سے جو لوگ مفید ہو سکتے تھے مولوی عبدالقادر گجراتی، مولوی سلمان اور مولوی خالد غازی پوری خاص طور سے ان تین حضرات کو وہ لے گئے۔ اور ان کا دورہ کرایا زمین تیار کی اور ایسا جلسہ ہوا جس کی مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاریخ میں اب تک نظیر نہیں ملتی۔ میں خود اس میں شریک تھا اس کے بعد ہجرات کا ایک دورہ بھی کیا۔ وہ چونکہ دارالعلوم کے کام سے گجرات جایا کرتے تھے اس لئے وہاں سے بہت واقف تھے وہاں کون سا مدرسہ ہے یا کتنے مدرسے ہیں یہ تو بہت سے لوگ جان سکتے ہیں۔ مگر افرامیں کون کس حیثیت کا ہے۔ کس مرتبہ کا ہے اور وہاں کے لوگوں کو اس سے کتنا تعلق ہے اور اس پر کتنا اعتماد ہے اور کتنا موثر ہو سکتا ہے۔ یہ بات وہی جان سکتا ہے جو کچھ دن رہے اور اللہ نے اسے شعور بھی عطا کیا، دواور سلیقہ بھی عطا کیا ہو اور تجربہ بھی اور پھر اس کی فکر بھی۔

تو انہوں نے وعدہ کر لیا تھا بعض مدارس اور اداروں سے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وقت تنگ ہے اور میری صحت بھی متحمل نہیں تو انہوں نے ایک دو کو حذف کیا لیکن کچھ ان کے مفاد اور کچھ دینی مفاد اور کچھ مسلم پرسنل لا بورڈ کے مفاد میں اور کچھ اس تعلق کی بنا پر جو ہم سے رکھتے تھے ان کی خواہش تھی کہ خواہ تھوڑی دیر کے لئے جایا جائے لیکن بعض مدرسوں اور مراکز میں ضروری جایا جائے چنانچہ پانچ چھ مراکز جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ کاروان زندگی کی چھٹی جلد میں آئے گا کہ وہ کہاں کہاں لے گئے۔ کہیں بنیادیں رکھوائیں، کہیں خطاب کر وایا، کہیں رات گزاری اس کے بعد سورت آئے، اور پھر سورت میں انہیں کے مشورہ اور ان کی دلچسپی کی بنا پر اور عقیدت کی بناء پر مفتی عبدالرحیم لاچپوری کی خدمت میں حاضری ہوئی وہ بڑی قیمتی ملاقات تھی پھر وہ ہمارے ساتھ بمبئی آئے اور بمبئی سے پھر ان کی واپسی لکھنؤ ہوئی۔

ان کی محنت اور کوشش کا احساس پورا پورا مولانا نظام الدین صاحب جو مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکرٹری ہیں۔ انہیں اس کا بہت احساس ہے۔ ایک سے زائد مرتبہ مجھ سے ذکر کر چکے ہیں، شکر یہ ادا کر چکے ہیں اور انہیں اندازہ ہے، ان کا ٹیلی فون بھی آیا مگر ابھی براہ راست ہم سے بات نہیں ہوئی ان کو بڑا صدمہ ہوا اور اس کے دل پر اس کا اثر پڑے گا۔ اس لئے کہ ان کو

پورا پورا احساس و اعتراف تھا کہ جلسہ کی کامیابی مولانا مرتضیٰ صاحب کا بڑا حصہ تھا۔

ایک تو یہ ہے کہ سب سے بڑی نایاب جو ہے وہ اس وقت مردانِ کار کی، عالمین کی اور مخلصین کی، سب کچھ مہیا ہو سکتا ہے۔ آپ انجمن بنائیں چاہیں تو پانچ سو ممبر ہو جائیں آپ چاہیں تو ہزار دو ہزار اور چند ہزار اس کے ممبر ہو جائیں۔ سیاسی جماعتوں کو دیکھ لیجئے اور بھی بہت سے کلب ہیں، اور بہت ساری آرگنائزیشن ہیں کہ ان کو ممبر حاصل کرنے میں کوئی وقت نہیں لیکن کسی ادارہ کو، کسی دینی مقصد کو، کسی منصوبہ کو کسی مخلصانہ اور داعیانہ منصوبہ کو اپنے فکر کے آدمی مل جائیں جن کو اس کی دھن لگی ہو، اور ان کے دل و دماغ پر چیز سوار پیوست ہو جائے وہ بالکل ایک عنقا چیز بن چکے ہیں کہ جیسے عنقا کا ملنا ضرر بالمثل بن گیا ہے۔ اس طرح ایسے لوگوں کا ملنا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے عنقا کی صورت میں ہمیں ایک مرد کار، مرد کامل، مخلص مرد کار کا عطا کیا تھا۔ اللہ کی چیز تھی اس نے دی تھی اس نے اٹھا لیا۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور قادر ہے اور حقیقی مالک وہی ہے اور بہر حال اس کا فیصلہ ہر چیز سے قیمتی ہے اب اس سے زیادہ ہم کیا کہیں۔ کہ ہمارے چھوٹے سے علمی و دینی خاندان کا ایک عزیز فرد، ایک رکن، ایک قبیع رکن ہم سے جدا ہو گیا۔ ہم اس پر اپنے سے خود تعزیت کرتے ہیں آپ سے بھی تعزیت کرتے ہیں اور ایک طرح سے ہم دینی کاموں سے اور دینی اداروں سے تعزیت کرتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں اور آپ سے ہماری مخلصانہ درخواست ہے کہ آپ ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں ایصالِ ثواب بھی کریں اور ان کو یہاں سے جانے کے بعد بھی یاد رکھیں جب کبھی یاد آ جائیں دعا کر لیا کریں اور ایصالِ ثواب کر دیا کریں کہ یہی ایک مسلمان کا تحفہ دوسرے کے لئے ہے۔ اس سے بڑھ کر نہ تعزیت ہے نہ شاعری ہے اور نہ کسی اور طرح سے اس کا اعتراف ہے اور ان کا شکریہ ہے، سب سے قیمتی چیز یہی ہے کہ آپ ان کے لئے دعا کریں، اور ایصالِ ثواب کریں۔ اس سے خود آپ کو بھی فائدہ ہوگا۔ اللہ آپ کو اس کی توفیق دے گا تو آپ کی توفیق میں اضافہ کرے گا۔ اور آپ سے کام بھی لے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین